

# اولیائے پنجاب

نور الانوار فی ذکر الاخیار والابرار

اولیائے کرام کا تذکرہ

مرتب

انجم سلطان شہباز

ورگو پبلشرز

38 اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب..... اولیائے پنجاب  
 مصنف..... انجم سلطان شہباز  
 نظر ثانی..... حاجی سعید الطفر  
 سرورق..... مسعود احمد  
 بار اول..... ستمبر 2010ء  
 بار دوم..... ستمبر 2011ء  
 تعداد..... 1000  
 ہدیہ..... 300 روپے

## فہرست

5	حمد
6	نعت
7	آغا زکفنا
12	حضرت داتا گنج بخش
40	حضرت بابا فرید گنج شکر
93	حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی
97	حضرت مخدوم ہید جلال الدین سرخ پوش بخاری
101	حضرت پیر شاہ جیونہ
103	سلطان العارفین حضرت سلطان باہو
130	حضرت بلھے شاہ
133	حضرت شاہ حسین ” مادھوال حسین“
136	حضرت خواجہ محمد خان عالم
140	حضرت خواجہ حافظ محمد حیات
144	حضرت خواجہ حافظ محمد علی
136	حضرت خواجہ سلطان عالم
160	حضرت پیر محمد شاہ غازی قلندر
164	حضرت میاں محمد بخش
172	حضرت شیخ قاضی سلطان محمود قادری
177	حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی
189	حضرت خواجہ نظام الدین کیانوی

191	حضرت خواجہ عبید اللہ ، حضرت جی صاحب لاروی
195	حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ
204	حضرت الحاج پیر محمد شاہ
207	حضرت امام بری
210	حضرت خواجہ قاسم صادق موہڑوی
214	حضرت خواجہ پیر محمد مبارک خان موہڑوی نقشبندی
217	حضرت پیر کرم شاہ ”پیر کھارا“
218	حضرت پیر مہر علی شاہ
223	حضرت دیوان شاہ
224	حضرت فاضل شاہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
226	حضرت فضل شاہ کلیامی
229	الحاج میاں محمد عالم
231	پیر محمد اقبال شاہ
234	م آخذ

## حمد

سوز رکھا ہے پیپے کی صدا میں کس نے  
ان چراغوں کو اڑایا ہے ہوا میں کس نے

کس نے پانی کو بنایا ہے جہاں مچھلی کا  
اور پرندوں کو اڑائیں دیں فضا میں کس نے

سیپ میں کس نے چھپائے ہیں یہ انمول گہر  
تارے ٹانگے ہیں فلک کی یہ ردا میں کس نے

ہاتھ اٹھتے ہی کریمی کے سمندر دیکھوں  
اثر بخشا ہے انوکھا یہ دُعا میں کس نے

آسماں کس نے سجایا ہے یہ خاور سے وال  
اور بخشی ہے چمک تو ضیاء میں کس نے

سب میں موجود وہی سب سے جدا بھی وہ ہی  
ہے وہ ہی رب جہاں کا ، ہے خدا بھی وہ ہی

## انجم سلطان شہباز

## نعت

ثنائے مُصطفیٰؐ سے جن کو ہر دم کام رہتا ہے  
غلاموں میں نمایاں پھر انہی کا نام رہتا ہے

یہ چاند ان کا تو سورج بھی ہے ادنیٰ سا غلام ان کا  
ہوا کے دوش پر بھی آپؐ کا پیغام رہتا ہے

نظر میں خاکِ طیبہ ، خرد میں آپؐ کا روضہ  
ندامت میں گھرا ہوں فاصلہ دوگام رہتا ہے

مری نسبت ہے قائم ان سے جو آقا ہیں عالم کے  
لبوں پر تذکرہ ان کا ہی صبح و شام رہتا ہے

پلاتے ہیں منے عرفاں ولی سارے زمانے کو  
مرے اشعار میں حبِ نبیؐ کا جام رہتا ہے

حقیقت ہے یہی انجمِ ولایتِ مصطفیٰؐ ہو تو  
کرم کی بارشوں میں عمر بھر انعام رہتا ہے

## انجم سلطان شہباز

## آغازِ گفتار

اولیائے کرام خود پابند شریعت ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اعمالِ صالح کی تلقین فرماتے اور برے کاموں سے منع فرماتے ہیں یہ اولیاء اللہ کا کردار عمل ہی تھا جس سے دنیا بھر میں لاکھوں بے دین اور غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان اولیائے کرام نے خلوص نیت اور صدق دل تبلیغ اسلام فرمائی اور اللہ کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ انھوں نے اشاعت اسلام کیلئے کوئی معاوضہ یا اجرت نہیں طلب کی بلکہ رزق حلال کو کمایا اور دوسروں پر رزق حلال کی اہمیت واضح کی۔ انھوں نے اطاعت الہی اور اطاعت رسول ﷺ کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ اولیائے کرام کی اولین پہچان ہی اتباع سنت ہے۔

جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ ہی قرب الہی کا طالب ہوتا ہے۔ عبادت کی بنیاد اخلاص پر ہے جس کا مرکز و محور عشق حقیقی ہے۔ جو شخص دنیا کے کچھڑوں میں الجھا ہوا ہو وہ دوسروں کو تلقین نہیں کر سکتا۔ اولیاء کی زندگی ایک نمونہ ہے۔

اللہ اپنے اولیاء کو قوت کرامات عطا فرماتا ہے جس کا اظہار بے شمار مواقع پر ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کی تعظیم کرنا چاہیے اور ان کی باتوں پر صدق دل سے عمل کرنا چاہیے۔ اولیاء کے قلوب جمال الہی اور اسرار کائنات سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور ان کے طائر فکر کی پرواز فرشتہ تاعرش ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ نے اپنی زندگیاں اللہ کیلئے وقف کر دیں اور اشاعت اسلام اور عبادت و عشق الہی کو اپنا شعار بنالیا۔ اولیاء کرام نے خدمت خلق اور اپنے اخلاقِ حسنہ سے لوگوں کے دل جیت لیے۔ جہاں برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسم، شہاب الدین محمد غوری اور سلطان محمود غزنوی نے اپنی فتوحات کے پرچم گاڑے اور لوگوں کے اوہام و بطلان کو پاش پاش کر کے ان کے دلوں میں اسلام کے عدل و انصاف اور مساوات کی عظمت نقش کر دی۔ وہیں اولیاء کرام نے اہل ہند کی روحانی اور مذہبی تربیت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ بہت سے اولیاء عظام تو ان فاتحین سے قبل ظلمات ہند میں نور اسلام پھیلانے میں مصروف تھے۔

وَأَمْرَاهُ لَكَ بِالصَّلَاةِ وَاضْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْتَلِكُ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى - (القرآن) ”(اے محمد ﷺ) اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہے اور خود بھی اس کے پابند رہیے ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے رزق تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پدہیزگاری ہی کا ہے۔“

حدیث مبارکہ ہے کہ بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِ

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو“

مفسرین کے نزدیک سچوں سے مراد یہاں مشائخ و صوفیاء ہیں جب کوئی ان کے خدام میں شامل ہو جاتا ہے تو ان کی تربیت اور قوت ولایت سے بڑے رتبے پاتا ہے اور اسے قرب الہی حاصل ہوتا ہے۔ تارک شریعت کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اصل راستہ وہی ہے جس کو ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا۔

ایک حدیث مبارکہ ہے کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو کچھ حاصل کر لیا کرو۔ صحابہؓ نے دریافت

کیا ”یا رسول ﷺ جنت کے باغ کون سے ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”علمی مجالس“

ایک اور جگہ آپ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا۔

”یا رسول ﷺ ہم نشینی کھلنے بہترین شخص کون سا ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس کو دیکھنے سے اللہ کی یاد تازہ ہو، جس کی بات سے علم میں اضافہ ہو۔ جس کے عمل سے آخرت یاد

آئے۔“

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ علماء کی صحبت میں بیٹھنے کو ضروری سمجھو اور حکمائے امت کے

ارشادات کو غور سے سنا کرو کہ حق تعالیٰ حکمت کے نور سے قلوب کو اس طرح زندہ فرماتا ہے جس طرح مردہ زمین کو

موسلا دھار بارش اور حکماء دوسروں سے زیادہ دین کے جاننے والے ہیں۔“

اسی طرح اولیاء اللہ کے پاس بیٹھنے سے انسان کو فیض حاصل ہوتا ہے اور وہ صراط مستقیم پہ چلتا ہے۔ اولیاء اللہ



اطاعت الہی اور اللہ کی محبت کا درس دیتے ہیں۔ جس بندے کو اللہ سے محبت ہوگی وہ اللہ کے احکام پر بھی عمل کرے گا۔ ایک ولی کی پہچان کیا ہے؟ اور وہ کون سی خصوصیت میں جو ولی کو ایک عالم آدمی سے ممتاز کرتی ہیں۔ دراصل جب کوئی لوگاتا ہے۔ اس کے عشق میں اپنی ہستی کو فراموش کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے منصب ولایت پہ فائز کر دیتا ہے۔ اولیائے کرام نے ہمیشہ اطاعت الہی اور خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنایا۔ ان کی زندگی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگیوں اور متابعت رسول ﷺ کا کامل نمونہ ہوتی ہے۔ لہذا اولیائے کرام کی اطاعت احترام اور ان کا تذکرہ بھی باعثِ برکت ہوتا ہے کیونکہ:

ہر کس کہ کمالِ اولیاء را نہ شناخت  
پس شکر کلفت و حب ایشاں نگرید  
ایں نعمتِ خاص بے بہا را نہ شناخت  
میداں بہ یقین کہ او خدا را نہ شناخت

لہذا بہت مبارک ہوتی ہیں وہ محفلیں جن میں ذکرِ اولیاء ہوتا ہے۔ بہت مبارک ہوتی ہیں وہ زبانیں جن سے مدحت و ذکرِ اولیاء کے پھول جھڑتے ہیں اور ان کی تعلیمات کی مہک بکھیرتی ہیں۔ بہت خوش بخت ہوتے ہیں وہ کان جن میں ذکرِ اولیاء کا امرت اترتا ہے اور وہ ان کے ذکرِ خیر سے راہ ہدایت پاتے ہیں۔ بہت سعید ہوتے ہیں وہ دست و قلم جن سے اولیائے کرام کی حیاتِ اطہر کے واقعات اور عزت و تکریم کے زریں الفاظ رقم ہوتے ہیں اور بہت خوش بخت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اولیاء کرام کے سوانح حیات پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ شانِ اولیاء اور فضیلتِ اولیاء کا تذکرہ باعثِ سعادت اور توفیق الہی ہوتی ہے۔ اولیاء کی نگاہِ ناز ہوتی جس جانب اٹھ جائے۔

زیر نظر کتاب میں پنجاب کے چند اولیائے عظام کے سوانح حیات پیش کیے گئے اس موضوع کو چند صفحات میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ اللہ اس تحریر کو عوام کی رہنمائی کا باعث بنا دے۔ امین۔ اس کتاب کی نوک پلک سنوارنے، نکھارنے اور اشاعت میں جن احباب نے تعاون کیا ہے میں ان تمام احباب کے تعاون کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی کرم فرمائی سے مجھے ان اولیائے کرام کی مبارک زندگیوں کے سوانح لکھنے کی سعادت اور شرف حاصل ہوا۔ تذکرہ اولیاء باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے۔

تذکرہ	اولیاء	رحمت	حق	کا	وفور
تذکرہ	اولیاء	کیف	شراب	طہور	
تذکرہ	اولیاء	فقر	و	تصوف	کا نور
تذکرہ	اولیاء	روشنی	شمع	طور	

تذکرہ اولیاءِ تاب و نظر کا ثبات

تذکرہ اولیاءِ ایک ہی راہِ نجات

شاعرِ فطرت عبدالقادر قادری دہلوی

اولیائے کرام مرتبہ ولایت پر فائز ہونے کیلئے بڑی منازل طے کرتے ہیں تن من مارتے ہیں اور سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ احکامِ شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔ خلقِ خدا کی بے لوث خدمت کرتے ہیں اور سرِ پایادِ الہی میں محو ہو جاتے ہیں۔ عشقِ حقیقی ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگتا ہے اور عشقِ رسول ﷺ ان کا نصب العین بن جاتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ۔

تَغْصِي الْأَلَمَ وَ أَنْتَ تَنْظُرُ حَبِيبَ  
وَهَذَا الْعَمْرِي فِي الْأَعْمَالِ بَدِيعِ  
لَوْ كَانَ حَبِيبٌ صَادِقًا لَا طَعَةَ  
إِنَّ الْمَحَبَّ لَمَنْ يَحِبُّ مَطِيعِ

تو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا اس لئے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

خلاف پیہر کسے رہ گزید

کہ ہرگز بمنزلِ خواہد رسید

جو شخص طریقتِ نبوی ﷺ کے خلاف کوئی راہ اختیار کرے گا کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا۔  
قارئین محترم! آپ سے گزارش ہے کہ اس کتاب میں جن اولیاءِ کرام کا تذکرہ رہ گیا ہے ان کے سوانحِ حیات راقم کو بھیج دیں انشاء اللہ بار دوم میں شامل اشاعت کیے جائیں گے۔

اولیائے اُمت

تھے نائبِ مصطفیٰ ، برائے اُمتِ پائیں گے جزائے اہتدائے اُمتِ  
تعظیم ہو ان کی ایک حد میں رہ کر ورنہ دھریں گے اولیائے اُمت

مقامِ در اولیاء

کچھ لے کے اٹھو اہل صفا کے در سے یہ در ہیں قریبِ مصطفیٰ کے در سے

ایمان ، یقیں ، سکون ، رسالت ، سب کچھ ملتا ہے اولیاء کے در سے

توحید

ہر مومن قرآن و حدیث رسول اللہ ﷺ سے بخوبی آگاہ ہے۔ کون سی خلاف شرع ہے؟ اور کون سی بات قرآن و سنت کے مطابق ہے یہ تمیز ہر عاقل و بالغ مسلمان کر سکتا ہے۔ جہاں تک مشاہدہ قدرت و مشاہدہ حق کی بات ہے تو مظاہر فطرت میں اہل بصیرت کو ہر چیز میں اس کی جھلک محسوس ہو جاتی ہے۔

ہر ذرے میں ہے مرکز قوت پنہاں

ہر ذرے میں ہے زور مشیت پنہاں

انساں کی بصیرت میں کمی ہے ورنہ

ہر ذرے میں ہے نور حقیقت پنہاں

آخری بات یہ ہے کہ وہ لوگ غنیمت ہیں جو اس نفسا نفسی اور مادی کشمکش کے دور میں بھی کتاب کو سینے سے لگاتے ہوئے ہیں کتابیں ضرور پڑھیے کیونکہ

وخیر مقام فی الدنی سرج سانج

وخیر مجلس فی الزمان کتاب

دنیا میں بہترین نشست برق رفتار گھوڑے کی زین ہے اور زندگی میں بہترین ساتھی کتاب ہے۔

والسلام: انجم سلطان شہباز

0300-5412374

anjumsultan14@gmail.com

## حضرت داتا گنج بخش

ولادت: 1009ء

وصال: 1072ء؟

مقام: لاہور

حضرت داتا گنج بخش ﷺ کا اصل نام علی بن عثمان بن علی ہے۔ ”کشف المحجوب“ میں آپ نے اپنا نام ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی الجویری الغزنوی تحریر فرمایا ہے۔ گویا کہ آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن، لقب گنج بخش، والد گرامی کا نام عثمان، سکونت غزنی شہر، محلہ ہجویر و جلاب ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ حضرت علی ہجویری بن عثمان بن سید علی بن حضرت عبدالرحمن بن حضرت سید عبداللہ شجاع ، بن ابوالحسن علی بن حسین ، اصغر بن زید بن حضرت امام حسن علیہ السلام بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب عبدالمطلب قریشی و ہاشمی۔

حضرت زید علیہ السلام بن حضرت امام حسن علیہ السلام جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے معرکہ کرب و بلا میں اپنے چچا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ گئے تھے ، لیکن میدان جنگ سے صحیح و سلامت اپنے بھائی حسن مثنیٰ کی طرح سے واپس آئے تھے۔ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے کل آٹھ بیٹے تھے۔ 1۔ حسن مثنیٰ 2۔ زید 3۔ عمر 4۔ قاسم 4۔ قاسم 5۔ ابو بکر 6۔ عبد الرحمن 7۔ طلحہ 8۔ عبید اللہ۔ اس طرح آپ کا شجرہ دس واسطوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ 400ھ میں سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور بعض محققین کے نزدیک آپ کی ولادت ربیع الاول 373ھ میں ہوئی۔ حافظ عبداللہ فاروق ” شیخ علی ہجویری جو داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں وہ 1009ء کے قریب پیدا ہوئے۔ “

شیخ محمد اکرم (آب کوثر) صفحہ نمبر 76

”آپ کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی۔“

ڈاکٹر محمد شفیع مولوی ( مقالات دینی علمی ) جلد اول صفحہ نمبر 223

”بعض لوگوں نے آپ کی پیدائش کا سال 400ھ لکھا ہے “ لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جاسکتا۔“

معین الحق ڈاکٹر ( معاشرتی علمی تاریخ ) صفحہ نمبر 2

”آپ کی پیدائش دسویں صدی عیسوی کے آخر یا گیارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں ہوئی۔“

آر۔ اے۔ نکلن ( انگریزی ترجمہ کشف المحجوب ) صفحہ نمبر 111

جن تذکرہ نگاروں نے آپ کی تاریخ ولادت 400ھ سے اتفاق کیا ہے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

محمد دین فوق	داتا گنج بخش <small>علیہ السلام</small>	غلام جیلانی مخدوم	سیرت گنج بخش
ضیاء الدین عبدالرحمن		بزم صوفیہ	محمد منیر قریشی پیر کامل
پروفیسر طفیل سالک	داتا گنج بخش	خالد محمود	داتا گنج بخش اور ان کا عہد
پروفیسر غلام سرور رانی	حضرت داتا گنج بخش	محمد نصیب	صاحب وقت
محمد مسعود کھدر پوش	گنج بخش	مورخ لاہور محمد دین کلیم قادری	مدینۃ الاولیاء

اے جی سکندر شیخ مقام فقر حضرت داتا گنج بخش

ابوالعالم محمد سلیم حماد حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش

یہ بات بہر حال طے ہے کہ حضرت داتا گنج بخش سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ غزنی شہر کے محلے جلاب اور بھویر میں رہنے کی نسبت سے ”جلابی اور بھویری“ کہلائے۔ آپ کے دو خیال ”جلاب“ اور ”خیال“ بھویر“ میں تھے۔

آپ نے ”کشف الاسرار“ میں لکھا ہے :

”میں نے اپنے والد محترم سے سنا ہے کہ میری پیدائش کا مقام بھویر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے آفات، حادثات اور ظالم بادشاہوں سے محفوظ رکھے۔“

آپ کا خاندان غزنی کے ممتاز اور اہل علم گھرانوں میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کے نانا غزنی کی سرکردہ شخصیات میں تھے اور مالی لحاظ سے بھی نمایاں تھے۔ یہ خاندان روحانیت اور متصوفانہ عقائد کی بناء پر علم و عمل کا گہوارہ تھا۔ آپ کے ماموں اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر ”تاج الاولیاء“ کے لقب سے معروف تھے۔ شرافت اور صداقت میں ان کا کوئی ثانی تھا۔ سادات ہونے کی وجہ سے بھی لوگ انھیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے۔

آپ کے والد حضرت سید عثمان بن علی چوتھی صدی ہجری کے آخر میں عباسی حکمران بہاء الدولہ کے عہد میں بدامنی اور انتشار کے باعث نقل مکانی کر کے غزنی میں آباد ہو گئے۔ ابتداء میں آپ کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال جلد ہی ان پر قابو پالیا اور محلہ جلاب میں آباد ہو گئے۔ آپ ایک عالم دین تھے اور فارغ اوقات میں دینی اور علمی خدمات میں مصروف رہتے تھے۔ تمام عمر رزق حلال سے اپنے اہل و عیال کی کفالت کی۔ بڑے عابد اور زاہد اور شریعت اور طریقت کے مسائل سے پوری طرح آگاہ و پابند تھے۔ فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے۔ عبادت الہی میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ معاملات دنیا میں بھی اخلاق کی بلندی پر فائز تھے۔ ہر ایک سے محبت اور خلوص سے پیش آتے۔ غریبوں، محتاجوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مقدور بھرمد فرماتے اور ان کی دلجوئی کرتے۔ قرآن پاک کی تلاوت باقاعدہ معمول تھا۔ کم گو تھے۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں اور کمالات موجود تھے جو ایک متقی، پرہیزگار، زاہد اور عابد شخص کی شخصیت کا لازمہ ہوتی ہیں۔ آپ کا وصال غزنی میں ہوا اور مدفن بھی وہیں ہے۔ حضرت علی بھویری کی والدہ ماجدہ نہایت نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ حضرت علی بھویری ان کی اکلوتی اولاد تھے۔ آپ بہت شفیق تھیں۔

شرافت اور دین داری کی وجہ سے پورے خاندان میں نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ لوگوں سے محبت اور ہمدردی کا سلوک روا رکھتیں۔ مہمان نواز اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ پردے کی پابند اور شوہر کی اطاعت گزار تھیں۔ آپ کا وصال بھی غزنی میں ہوا اور آپ کو آپ کے بھائی تاج الاولیاء کے قریب دفن کیا گیا۔

حضرت علی ہجویری کا قد میانہ، جسم سڈول اور گٹھا ہوا تھا۔ ہڈیاں مضبوط اور چوڑی تھیں۔ سینہ کشادہ اور ہاتھ پاؤں مناسب تھے۔ چہرہ قدرے بیضوی تھا۔ رنگ سرخ و سفید، پیشانی کشادہ و بال سیاہ گھنے تھے۔ بڑی اور غلافی آنکھوں پر غمدار گھنی ابرو تھیں۔ ستواں ناک۔ ہونٹ میانے اور رخسار بھرے ہوئے تھے۔ چوڑے اور مضبوط شانوں پر اٹھتی ہوئی گردن تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ نہایت جاذب نظر اور پرکشش تھے۔

قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی کے مختلف مدارس سے اس دور کے مروجہ علوم یعنی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد علم فقہ، علم حدیث و تفسیر، علم منطق اور فلسفہ پر عبور حاصل کیا۔ اس طرح آپ کو علم شریعت میں پوری طرح مہارت حاصل ہو گئی جس کے بعد مختلف شہروں میں علوم ظاہری و باطنی کی سعی کی۔ علمی محنت کی حاصل کرنے کیلئے آپ نے جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

حضرت شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن النخعی، حضرت امام ابو العباس بن محمد شافعی، حضرت شیخ ابوسعید ابو الخیر، حضرت خواجہ احمد مظفر بن احمد بن حمدان، حضرت ابو العباس احمد بن محمد قصاب، حضرت ابو جعفر محمد بن مصباح صدلانی باب فرغانی، حضرت ابو عبد اللہ بن علی الداغستانی

حضرت شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبد اللہ گرگانی۔ آخر الذکر شیخ ابوالقاسم گرگانی آپ کے سب سے پہلے استاد ہیں جن سے آپ نے درسی علوم حاصل کئے آپ مرشد کی تعریف کے ضمن میں بتاتے ہیں کہ اسے کس قسم کا ہونا چاہیے:

”ایمان نہ ہو کہ وہ خود ہی ڈوبا ہوا ہو اور اپنے مرید کو بھی لے ڈوبے۔“

محمد دین فوق اپنی تصنیف ”داتا گنج بخش“ میں لکھتے ہیں: ”حضرت نے اپنی پہلی شادی کا نہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ جہاں انھوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ گیارہ سال خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا۔ مقدر نے آخر پھنسا دیا اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔“

سید صباح الدین عبدالرحمن اپنی تالیف ” بزم صوفیہ “ میں رقم طراز ہیں۔

” تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔“

مولانا عبدالمجید دریا آبادی اپنی کتاب ” تصوف السلام “ میں لکھتے ہیں کہ ” قید ازدواج سے معلوم

ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزاد رہے۔“

پروفیسر نکلس انگریزی ترجمہ کشف المحجوب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ” ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ

بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔“

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

” میں ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا، چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا

کہ خدا تعالیٰ نے اپنی محبت اور لطف و کمال سے مجھے نجات عطا کی۔“

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بعد دوسری بیوی کا بھی ایک سال بعد انتقال ہو گیا۔ ان تمام

باتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بچپن ہی میں آپ کا نکاح ہو گیا تھا اور پہلی بیوی کے انتقال کے گیارہ سال تک دوسرا

نکاح نہیں کیا تھا۔ پہلی شادی آپ کی والدین کی موجودگی میں ہوئی اور دوسری شادی بھی والدین کے اصرار پر ہوئی

ہو گی کیوں کہ دوسری بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے زندگی بھر نکاح نہیں کیا۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق سلسلہ جنیدیہ سے ہے۔ حضرت جنید بغدادی طریقت کے شیخ

المشاہد اور شریعت کے امام الائمہ ہیں۔ آپ کا یہ سلسلہ حضرت جنید بغدادی کی طرف سے صوفیاء روحانیت میں اس سلسلہ

طریقت سے مستفید ہوئے ہیں۔

حضرت علی ہجویری جب ظاہری اور باطنی علوم مکمل کر چکے تو ان کے دل میں تزکیہ نفس کیلئے راہ طریقت پر

گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ کے زمانہ میں ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کو شیخ کامل اور ولایت کا بلند درجہ حاصل تھا۔

علوم ظاہری اور باطنی میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں تھا۔ اپنے ہم عصر بزرگوں میں انھیں بلند مقام حاصل تھا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جس زمانے میں سیر و سیاحت میں مشغول تھے۔ اس دوران میں جب ملک

شام پہنچے تو آپ کی ملاقات حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے ہوئی۔ ان کی عالمانہ اور عارفانہ گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے

کہ ان کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ دوسری طرف حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی نے بھی آپ کی پیشانی پر ولایت کا

نور نظر باطن سے دیکھ لیا تھا۔ اس طرح آپ راہ سلوک کی طلب میں سلسلہ جنیدیہ سے منسلک ہو گئے۔  
روحانی فیوض اور برکات آپ نے اپنے مرشد سے حاصل کئے۔ کشف المحجوب میں مختلف مقامات پر اس کا  
اظہار کیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر کے پاس سامان اتنا ہونا چاہیے جو اس کی ضرورتوں کو پورا  
کرے مثلاً مصلیٰ، عصا، لوٹا، خرقہ، جوتا یا چپل وغیرہ تاکہ خرقہ اس سے جسم کو ڈھانپنے کے کام آئے۔ مصلیٰ نماز  
کیلئے، عصا خطرناک چیزوں کو دور بٹانے کیلئے، لوٹا وضو اور پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے۔  
دریش کو چاہیے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور راہ کی تمام مشکلات اللہ کیلئے برداشت کرے اور صبر و ضبط کا مظاہرہ  
کرے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں سفری سہولیات اگرچہ نہ ہونے کے برابر تھیں، اس کے باوجود  
آپ نے اپنے پیرومرشد کے ہمراہ اور اکیلے بھی بہت سے ممالک کی سیاحت کی۔  
ان شہروں میں خراسان، نیشاپور، سمرقند، آذربائیجان، طوس، سنج، بگرام، نیامرو، ماوراء النہر،  
فرغانہ، تستان، خوزستان، طبرستان، بخارا، اہواز، کرمان، فارس، دمشق، جبل لکام، بغداد، وادی بیت الجن، بصرہ، کوہ  
ترکستان، مینہ، رملا اور شمالی ہند کے شہر شامل ہیں۔ دوران سفر آپ کی بہت سے علماء، مشائخ، فضلاء اور اولیاء اللہ سے  
ملاقاتیں ہوئیں اور آپ نے ان سے کسب فیض کیا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں خراسان ایران کا ایک بہت بڑا صوبہ تھا جس کا کچھ حصہ روس کی  
ریاست ترکمانستان میں تھا۔ خراسان کا جو علاقہ ایران میں واقع ہے اس میں طوس، نیشاپور اور بگرام کے علاقے آباد  
ہیں۔ آپ کے زمانے میں نیشاپور خراسان کا دار الحکومت تھا۔ کشف المحجوب میں آپ اپنے سفر خراسان کا ذکر کرتے ہوئے  
آپ نے 'کمند' نامی گاؤں میں 'ادیب کمندی' سے ملنے کا ذکر کیا ہے۔

صوفیائے خراسان کے بارے میں سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل خراسان بزرگوں کی محبت سے مالا  
مال ہیں۔ میں کم از کم تین سو ایسے بزرگوں سے ملا جو اپنے وقت کے ایسے عالم فاضل اور صاحب مشرف بزرگ تھے کہ ان  
میں سے ایک تنہا بھی سارے عالم کیلئے کافی تھا۔ خواجہ محمود نیشاپوری نہایت فصیح زبان تھے۔ اپنے وقت کے امام کا درجہ  
انہیں حاصل تھا۔ خواجہ احمد حماد سرخی ایک مدت تک میرے رفیق رہے، جو اہل مرد صوفی تھے ان کی بہت سی کرامات



کو میں نے دیکھا۔ شیخ محمد معشوق نیک فطرت اور محبت کے نور سے روشن فارغ البال اور خوش وقت تھے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابوالقاسم قشیری کا تعلق نیشاپور سے تھا۔ شیخ ابوسعید البخیری سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس زمانے میں نیشاپور میں مذہبی تعصب کا زہر پھیلا ہوا تھا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہ شجاع کرمانی جو ایک بہت بڑے بزرگ تھے میں مدتوں ان کے ساتھ رہا۔ ایک دفعہ ان کے ہمراہ نیشاپور کا سفر اختیار کیا اور وہاں ہماری ملاقات حضرت ابو حفص سے ہوئی۔ شیخ شجاع نے اس وقت قبا پہنی ہوئی تھی۔ حضرت ابو حفص ہمیں دیکھتے ہی تعظیم کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے، آج میں قبا میں وہ سب کچھ پالیا جس کو میں مدتوں عبا میں تلاش کرتا رہا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیر و سیاحت اور سفر کی صعوبتیں اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین بزرگوں کے وسیلے سے مجھے حق و معرفت اور سلوک کی منازل طے کرا دیں۔ مجھے غیرت کا مقام شاہ شجاع کرمانی سے، رجا کا مقام حضرت یحییٰ معاذی کی محبت سے اور شفقت کا مقام حضرت ابو حفص کی صحبت سے حاصل ہوا۔

آذربائیجان ایران کے شمال اور ترکی کے مشرق میں واقع ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس علاقے کی بھی سیاحت کی۔ اس کا صدر مقام اردبیل ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک معاملے کے حل کیلئے وہ شیخ ابوالقاسم گورگانی کی خدمت میں طوس بھی گئے۔

سرخس

مشہور سیاح ابو عبد اللہ محمد المقدسی نے اپنے سفر نامہ ”حسن التماسیم فی معرفۃ الاقالیم“ میں ان علاقوں کا ذکر کیا ہے جن میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سیاحت فرمائی۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ماوراء النہر میں خواجہ عارف احمد ایلاقی، خواجہ علی بن اسحاق، ابو صغیر محمد بن حسین حرمی، ابو محمد ماقری سے ملاقات کی۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرغانہ کے ایک گاؤں ’سلا تک‘ میں میری ملاقات باب فرغانی سے ہوئی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ خوزستان میں منصور علاج کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے گئے تھے اور انھوں نے وہاں منصور علاج کی تصنیف کردہ بہت سی کتابوں کو دیکھا۔ طبرستان میں بھی آپ تشریف لے گئے اور اس وقت کے نمایاں بزرگوں سے ملاقات فرمائی۔ بخارا، اہواز اور کرمان میں سیاحت فرمائی اور اہل علم بزرگوں سے ملے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کا کچھ حصہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت جنید بغدادی کے شہر بغداد

میں بھی بسر کیا۔ آپ بغداد شہر کے گلی کوچوں اور مسجدوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں گویا شہر کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں منصور حلاج کی تقریباً پچاس کے قریب کتابیں دیکھیں۔ ان تمام کتابوں میں ایسی باتیں میری نظر سے گذریں جو سالک ابتدائی حال میں کرتا ہے۔ ان میں سے بعض باتیں اعلیٰ پایے کی تھیں بعض کمزور ترین کچھ باتیں انتہائی سادہ آسان اور کچھ انتہائی نامعقول تھیں۔ جب کسی پر حق کی روشنی ظاہر ہوتی ہے تو اس کی قوت حال عبارت میں آنے لگتی ہے اور جب فعل جاری ہوتا ہے تو اس سے متعلق باتیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں بالخصوص جب وہ تعبیر میں تعجب کا اظہار کرتا ہے تو فکر اس سے بیگانگی محسوس کرتی ہے اور عقل اس کے ادراک سے قاصر رہ جاتی ہے۔ سننے والے کہتے ہیں کہ یہ کلام بہت عالی ہے۔ اس موقع پر ایک گروہ جہالت کی وجہ سے اس کا منکر اور دوسرا جہالت کی وجہ سے اس کا قائل ہو جاتا ہے۔ ان کا قرار بھی انکار کی مانند ہوتا ہے مگر جب محققین اور اہل بصیرت کو ایسا معاملہ درپیش آتا ہے تو وہ الفاظ میں نہیں الجھتے اور نہ ہی عبارت کی تعجب نمائی ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ مدح و ذم سے بے نیاز ہوتے ہیں اور کسی کا ماننا یا نہ ماننا ان کی حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ جویریؒ اپنی زندگی کا خاص واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عراق میں تھا۔ مجھے دینار کمانے اور اخراج کرنے میں بڑی دلیری اور جرأت حاصل ہو گئی تھی کہ جس کسی کو کچھ ضرورت اور احتیاج کی شے کی پیش آتی وہ میرے ہاں چلا آتا۔ میں اس کی ضرورت پوری کرتا کیوں کہ میں چاہتا تھا کہ کوئی بھی شخص میرے ہاں سے خالی نہ لوٹے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری کمائی اس غرض سے کم پڑنے لگی اور دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے مجھے قرض لینا پڑا اور میں چند ہی دنوں میں مقروض اور سخت پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس زمانے کے ایک بزرگ نے میرے احوال کو دیکھتے ہوئے مجھے نصیحت کی کہ دیکھو یہ تو ہوائے نفس ہے۔ اس قسم کے کاموں میں پڑ کر کہیں خدا سے دور نہ ہو جانا۔ جو ضرورت مند ہے اس کی حاجت ضرور پوری کرو مگر خدا کی ساری مخلوق کے کفیل بننے کی کوشش نہ کرو۔ کیوں کہ انسانوں کی کفالت کا فریضہ خود خدا سے بزرگ و برتر نے انجام دینا ہے۔ مجھے اس بزرگ کی نصیحت سے اطمینان قلب حاصل ہوا اور مجھے محسوس ہوا کہ خدا کی مخلوق سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

یہ روایت درست سمجھی جاتی ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ 431ھ میں اپنے دو ساتھیوں شیخ ابوسعید بھویری اور حماد سرخسی کے ساتھ لاہور تشریف لائے۔ ان دنوں غزنی میں سلطان مسعود غزنوی حکمران تھا اور سلجوقیوں نے جن کا حکمران سلطان الپ ارسلان سلجوقی تھا حملہ کر دیا اور مسعود غزنوی کو شکست دی اس افراتفری اور بد امنی کے دور میں

غزنی کے بہت سے علماء و مقامی لوگ دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ سلطان مسعود غزنوی بھی لاہور آتے ہوئے جہلم کے کنارے گرفتار ہو کر مارا گیا۔

حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی روشنی میں کہ ”آپ کے پیر و مرشد شیخ حسین الخٹلی کا سر ان کے انتقال کے وقت آپ کی گود میں تھا۔ ماننا پڑے گا کہ آپ دو مرتبہ لاہور تشریف لائے پہلی مرتبہ 431ھ اور دوسری مرتبہ 461ھ میں کیونکہ علامہ ذہبی نے اپنی کتاب ’تاریخ الاسلام‘ میں شیخ حسین الخٹلی کی تاریخ وفات 460ھ بیان کی ہے اس لئے ضروری ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری اپنے مرشد کے انتقال کے بعد 461ھ میں دوبارہ لاہور آئے ہوں اور مستقلاً اپنی وفات تک لاہور میں ہی مقیم رہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو آبادی بہت کم تھی۔ سیدھے سادھے گھر تھے اور جہاں سے آپ تشریف لائے تھے وہاں کے ماحول سے ایک بالکل مختلف معاشرت، سیاسی حالت اور مذہبی حالت سے آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی تشریف آوری کے وقت لاہور کا نام ’لیاہور‘، ’لوہور‘ تھا۔

زمانہ قدیم سے پنجاب کی سر زمین حملہ آوروں کو نشانہ بنتی رہی۔ اس زمانے میں لاہور و سرزمین پنجاب کی ریاست کہا جاتا تھا۔ اسلئے یہ شہر کئی بار برباد اور آباد ہوتا رہا۔

آپ کی آمد سے پہلے لاہور میں ہندو دھرم اپنے عروج پر تھا۔ یہاں سورج دیوتا کا مشہور اور قابل دید مندر تھا

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور آمد سے پہلے ہی اگرچہ اسلام کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ آپ کے آنے سے پہلے جو بزرگ یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ان کی کاوشوں سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے مگر ہندو پر وھتوں کی اجارہ داری کی وجہ سے تبلیغ دین میں رکاوٹیں تھیں اور لاہور کی فضا مسلمانوں کے حق میں بڑی ناساز تھی اور ناگفتہ بہ حالت میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کالاہور تشریف لانا اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا جہاد ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کالاہور میں آنے کا مقصد لوگوں کو دین حق کی دعوت دینا تھا اور اس مقصد کیلئے آپ اپنے وطن غزنی کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ آپ نے تبلیغ کا آغاز فرمایا آپ کے پاس جو آتا اسے اللہ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے۔ اسے دین اسلام کے عقائد سے آگاہ کرتے اور سکینے بارگاہ خداوندی میں دعا فرماتے کہ خدا ان کو اسلام قبول کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ لوگ آپ کے پاس آتے۔ اللہ کے ولی کی دعائیں ساتھ لے جاتے۔ آپ کے

پاس آنے والے لوگوں کو آپ کی روحانیت کے باعث دینی اور دنیاوی فیض حاصل ہوتا، آپ کی دعاؤں کی برکت سے کئی مریضوں کو شفا نصیب ہوئی۔ لوگوں کی تنگ دستی خوشحالی میں بدل گئی۔ سب سے پہلے جو غیر مسلم آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوا۔ وہ کوئی عام اور کوئی غیر معمولی غیر مسلم نہیں تھا بلکہ ایک ایسا ہندو راجپوت تھا جو لاہور کی غیر مسلم ریاست کا ایک اہم سیاسی اور کلیدی عہدے دار تھا، جب لاہور یہاں یعنی پنجاب کی ریاستوں کا غرنی سے الحاق ہوا تو کچھ عرصے بعد جب شہزادہ مجدد پنجاب کا حاکم بنا تو رائے راجو کو نائب حاکم پنجاب بنایا گیا تھا۔ کچھ عرصے وہ اس اہم عہدے پر فائز رہا آخر راج پاٹ، گھر بار چھوڑ کر جوگ اختیار کر لیا اور جب استدراج کے مقام پر پہنچا تو رائے راجو جوگی کہلایا۔ آپ سے متاثر ہو کر جوگی دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ آپ نے اسے بیعت کر لیا۔ آپ کی نظر عنایت سے اس کی ظاہری اور باطنی حالت بدل گئی اور آپ نے اس جوگی رائے راجو کو اسلامی نام عبد اللہ اور لقب شیخ ہندی عطا فرمایا۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے حدیث الاولیاء میں آپ کی تبلیغ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں آ کر ہنگامہ فضیلت و مشینیت گرم کیا۔ دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبان حق کو تلقین ہوتی، ہزاروں جاہل ان کے ذریعے سے عالم، ہزاروں کافر مسلمان، ہزاروں گمراہ راہ راست پر آئے، ہزاروں دیوانے صاحب عقل و ہوش، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں فاسق نیکو کار بن گئے۔ تمام زمانے نے ان کی غلامی کو اپنا فخر تصور کیا۔ اس وقت لاہور مرجع علم و مصلح تھا۔ دور دراز سے لوگ آپ کی خدمت میں آ کر فیض یاب ہوتے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ ان کی جلالت اور شان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور ہندوستان روانگی کیلئے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ حضرت کی پابندی کی طرف کھڑے تھے۔

آپ کی زبان مبارک پر یہ شعر آگیا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل ، کاملا را رہنما

اسی وقت سے آپ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے مشہور ہو گئے، گنج بخش کے معنی ہیں ”خزانے بخشے والا“، لیکن تذکرہ نویسوں نے اس بات سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گنج بخش کا لفظ بطور لقب حضرت معین الدین چشتی کے آپ کے مزار پر آنے سے پہلے ہی شہرت پا چکا تھا۔ ان کی رائے میں یہ شعر کسی معمولی اور غیر معروف شاعر کا ہے۔ ایک گروہ اس بات پر بھی اختلاف کرتا ہے کہ خزانے بخشے والا صرف اللہ کی صفت ہے، اس کے بندے کی

نہیں، اس طرح دیگر صفات جو اس شعر میں بیان کی گئی ہیں ان صفات کا خدا کی ذات کے علاوہ کسی اور منسوب کرنا شرک ہے۔

آپ کی طبیعت کا نمایاں جوہر خود داری کا وصف تھا۔ آپ اپنے ذاتی معاملات میں عورتِ نفس اور خود داری کے قائل تھے۔ خود داری کا جذبہ اطاعتِ الہی سے بیدار ہوتا ہے۔ آپ بھی اللہ کے خاص اور برگزیدہ بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسلئے اللہ نے آپ کی طبیعت میں خود داری کا وصف بھردیا تھا۔ خود دار انسان کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ اپنی ضروریات خود پوری کرتا ہے اسلئے آپ نے بھی کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے ان کی ضروریات خود پوری فرمائیں۔ حضرت علیؓ جو پوری علیؓ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ درویش کو چاہیے کہ کسی دنیا دار کے بلانے پر نہ جائے، اس کی دعوت قبول نہ کرے اس سے کوئی چیز طلب نہ کرے

یہ اہل طریقت کی توہین ہے اسلئے کہ دنیا دار درویشوں کو عورت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان دنیا داری ساز و سامان کی کثرت سے دنیا دار نہیں بن جاتا اور اس کی قلت اور کمی سے درویش نہیں بن جاتا جو شخص فقر کو غنا پر ترجیح دیتا ہے وہ دنیا دار نہیں ہے۔ اگرچہ بادشاہ کیوں نہ ہو اور فقر کی فضیلت کا منکر ہے وہ دنیا دار ہے۔ اگرچہ وہ (مغلی کی وجہ سے) مجبور کیوں نہ ہو۔

دعوت میں جائے تو کسی چیز کے کھانے یا نہ کھانے میں تکلف نہ کرے

وقت پر جو کچھ دستیاب ہو اس پر اکتفا کرے

اگر صاحبِ دعوت (ہم جنس، بے تکلف) ہو تو شادی شدہ شخص کھانا گھر سے لے جاسکتا ہے۔

اگر نامحرم ہو تو اس کے گھر جانا صحیح نہیں

کسی بھی حال میں (بچا ہوا) کھانا گھر لے جانا پسندیدہ بات نہیں

حضرت داتا گنج بخش ”کشف الاسرار میں“ فرماتے ہیں ”اے غافل! دیکھ میں اور خودی چھوڑ

دے، مرد راہ بن اور دوسرے کا حق نہ مار۔ دولت دنیا کو عذاب سمجھ اور اسے غریبوں میں لٹایا تو یہ دنیا قبر میں کیڑے بن کر تجھے کھائے گی اور لٹا دیا تو تیری دوست بن جائے گی، تیرے ہاتھ پاؤں تیرے دشمن ہیں جب تو مر جائے گا

تو تیرے پاؤں، ہاتھ گواہی دیں گے کہ

بری جگہ گئے تھے، بری نگاہ ڈالی تھی، دوسرے کی چیز اٹھائی تھی، پس کسی چیز کی خواہش نہ کر، گناہوں پر دن رات توبہ کر، استاد کے حق کا خیال رکھ، مخلوق خدا پر رحم کرم، لقمہ حرام مت کھا، بے عزتی کی جگہ قدم نہ رکھ، اور عزت کرنے والے کے پاس بیٹھ۔“

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو بھی حاضر ہوتا آپ اس کے ساتھ نہایت عاجزی اور انکساری سے پیش آتے۔ اپنا تمام کام خود کرتے کسی کا احسان لینا پسند نہیں تھا۔ آپ کے دروازے ہر خاص و عام کیلئے کھلے رہتے۔ آپ اپنے کپڑوں پر خود ہی پیوند لگا لیتے۔ اللہ کے ولی اللہ اپنے عجز سے ہی پہچانے جاتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے فرمان کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارتے ہیں۔ آپ نے عاجزی کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ ”درویش کو چاہیے کہ بے خودی کے عالم میں مراقبہ کی شکل میں سر جھکا کر چلے۔ اپنے سامنے کے سوا ادھر ادھر نہ دیکھے اگر کوئی شخص سامنے آجائے تو اپنے آپ کو اس سے بچانے کیلئے کپڑے نہ سمیٹے کیونکہ تمام مسلمان اور ان کے کپڑے پاک ہیں۔

آخری عمر میں قیام لاہور کے دوران جب آپ کی قیام گاہ پر لوگوں کا آنا بکثرت ہو گیا تو لنگر کا اہتمام کیا جانے لگا ہر ایک کیلئے کھانا ایک جیسا ہوتا جو پکتا آپ بھی اس میں تناول فرما لیتے جو آگیا اسی پر قناعت لری۔ خوراک میں دودھ، سبزیاں، دالیں، چاول، گوشت اور دیگر اسراف قابل ذکر ہیں۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں فرمایا ہے۔

اے دوست! میں اور تو پردیسی ہیں۔ دعا کر کہ خدا ہم پر کرم کرے اور اپنی یاد کا ذوق عطا کرے۔ میں بے چاہ یہاں آشکارا ہوں اور ہر دم محبوب کا نام لیتا ہوں۔ تعریف اس بے نیاز خدا کی جس نے ہمیں عناصر اربعہ سے بنایا اور نعت پیغمبر کی کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔

فقر بادشاہوں اور حاکموں کی دوستی اور ہم نشینی کو سانپ اور اژدھا کی دوستی جانے فقیر کو بادشاہ کا قرب حاصل ہوتا ہے تو اس کا توشہ برباد ہو جاتا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ تو ہفت ہزاری بھی ہو جائے تو کیا ہے آخر ایک مشت خاک ہی ہو جانا ہے ایک قطرہ ہے پھر اتنا غرور کس لئے بالآخر دنیا سے تجھے جو کچھ ملتا ہے دو چار گز نفن ہے اور خدا جانے وہ بھی ملے

یا نہ ملے۔

مجھے ایک دوست کی بات یاد آتی ہے۔ کہتا تھا اے دوست ! خدا کی عنایت ہو تو جنگل میں جا کر خدا کی عبادت کروں اور کسی سے سوائے خدا کے نہ مانگوں اور میں (علی بن عثمان جلابی) اس کو دوست رکھتا ہوں جو قریب رہ کر دوست رہے۔ برائیوں سے بچے تاکہ بامراد ٹھہرے۔ بلاشبہ حضرت خضر رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے دوست ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ اولیائے اللہ کو بقا اور مشاہدہ ربانی ہوتا ہے۔

اے دوست ! دنیا پانی کی کشتی ہے اور بن پانی ملک کا تو غوطہ خور بن ڈوبنے والا نہ بن وہ کہ جس سے کسی کو تجھ سے فیض ملے نہ وہ کہ جس سے کسی کا دل دکھے۔ دین پناہ بادشاہ کی خدمت یہ کہ وہ جو رستم کا قلع قمع کرنے والا اور رعیت کے نفع و نقصان کو جاننے والا ہو۔ دنیا نہ ڈھونڈ، دنیا مر دار ہے اور اس کا طالب کتا بیان کیا گیا ہے اور عقب کا طالب بھی نہ بن اسے بھی عذاب جان رضائے مولا کا طالب بن کیونکہ رضائے مولیا زہم اولیٰ۔ حرص و ہوس اور لالچ بے کار ہیں۔ انہیں ذلت سمجھ اور طمع نہ کر جس شخص نے قناعت کی عزت پائی، طمع کرنے والا ذلیل ہوا۔

اے طالب ! اپنے حبیب کا غم پیدا کر۔ راہ خدا کا مرد راہ بن رات عبادت میں بسر کر جو اس کو کھول، زیادہ اور کم نہیں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چاہیے کہ کم نہیں اور بہت روئیں۔ صبح کے وقت دریا پر جا کر حضرت خضر رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کر اور اسم مذکورہ کا ذکر کرتا کہ منزل مقصود پر پہنچے۔

جن اکابرین نے آپ کے مزار مقدس پر حاضری دے کر فیض و برکت حاصل کی ان کے نام یہ ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	حضرت بابا فرید الدین گنج شکر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
حضرت شیخ بہلول دریائی قادری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	حضرت مادھو لال حسین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
حضرت شیخ حسن علانی سہروردی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	حضرت شیخ مجدد الف ثانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
حضرت شاہ عنایت قادری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	

اس کے علاوہ جن بادشاہوں کو آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ان میں حسب ذیل

نمایاں ہیں :

شہزادہ داراشکوہ	ظہیر الدولہ
ابراہیم غزنوی	سلطانہ الدولہ بن ارسلان شاہ غزنوی

سلطان معز الدولہ غزنوی بن بہرام شاہ	سلطان خسرو شاہ غزنوی
سلطان خسرو ملک	سلطان محمود غوری
سلطان قطب الدین ایبک	سلطان شمس الدین التمش
سلطان غیاث الدین بلبن	شہنشاہ جلال الدین اکبر
نور الدین جہانگیر	شہاب الدین
شاہ جہاں	اورنگ زیب عالمگیر
نواب عبدالصمد خان	دلیر جنگ
عزالدولہ خان بہادر	نواب زکریا خان
نواب یحییٰ خان	نواب معین الملک

سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی جب غزنی سے لاہور آیا تو اس نے حضرت داتا گنج بخش علیہ السلام کے مزار پر مقبرہ کی تعمیر کروائی سلطنت کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے سلطان ابراہیم کو تقریباً حضرت داتا گنج بخش علیہ السلام کے وصال کے آٹھ سال بعد ہندوستان کی طرف توجہ کا موقع ملا اور جب لاہور پہنچا تو آپ کے مزار پر حاضری دی اور مقبرے کی تعمیر کا حکم دیا، مزار تقریباً ڈیڑھ درعہ طول اور سات درعہ عرض کی ہے۔ ایک ہی سنگ مرمر کی سل سے تعمیر کیا گیا ہے۔ خدا جانے یہ تختہ سنگ مرمر جس سے تعویذ نکالا گیا ہے کس قدر بڑا ہوگا اگر دگر دودھ چھوٹی قبریں ہیں وہ شیخ احمد حماد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری علیہ السلام کی ہیں۔

اگرچہ اب مزار بادشاہ کے حکم سے بنایا جائے اس کی وسعت کہاں تک نہ ہوگی اب بھی آثار و شواہد یہ بتاتے ہیں کہ مزار میں بہت سی زمین شامل تھی لیکن کچھ ناجائز قابضین کے ہاتھوں کم ہو گئی۔

مقبرہ عالیہ پر ہر وقت ایک غلاف پڑا رہتا ہے۔ تعویذ کے گرد ایک چوٹی پنجرہ ہشت پہلو بنا ہوا ہے۔ جس کی میاں غرض خان فیلبان راجہ رنجیت سنگھ نے 1240ھ 1824ء میں تعمیر کروایا تھا۔ پہلے اس مزار پہ گنبد بنوایا اور روضے کے گرد جو ہشت پہلو آئینے لگے ہوئے ہیں۔ ان کو خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین مرحوم نے 1914ء میں لگوائے تھے۔ اس کے بعد مزار کی مرمت محمد گنائی کشمیری رئیس امرت سر نے کرائی۔ چوتھے کے گرد چاندی کا کپڑا ہے۔ یہ نواب غلاب سبحانی کا بنوایا ہوا ہے۔ بلور کا ایک فانوس بھی روضہ اقدس کے تعویذ سے لچھا اوپر لٹک رہا ہے جو خان بہادر شیخ



الموتی 1920ء کا دراندہ ہے۔

روشنے کا گنبد ہشت پہلے بیضوی شکل کا فرش سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ چھت کے اوپر قیمتی محفل سے چھت گیری کی گئی ہے۔ جس پر بہت خوبصورت کارچوبی کا کام کیا گیا ہے۔ 1928ء ماسٹر فیروز دین قلم کار نے پیتل پر رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس کا نقشہ کھود کر بنایا اور اس پر لگاری کی 1823ء میں راجہ رنجیت سنگھ نے روضہ اقدس کی مرمت کروائی تھی اور نئی چھت ڈلوائی تھی مزار مبارک کی سفیدی اور مرمت مورال طوائف، مہر نشان طوائف اور نواب شیخ امام صوبہ دار کشمیر نے کثیر رقم سے کروائی تھی۔

1943ء میں فیروز الدین مالک فیروز پرنٹنگ پریس لاہور نے روضہ مبارک کی کھڑکیاں نکلوا کر اس میں سنگ مرمر کی خوبصورت جالیاں لگوا دیں جو سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مولوی صاحب نے گنبد پر بھی پیش قیمت اور چمک دار چینی ٹائلیں لگوائیں۔ جس سے گنبد کی خوب صورتی میں اضافہ ہو گیا۔ اس پر سات ہزار روپیہ خرچ آیا تھا۔ مرقد کی چوکھٹ میاں عبدالمنان اور میاں غلام جیلانی تاجران لاہور نے بنوائی۔ روضہ مبارک سنہری چمکتا ہوا عکس مستری امیر موحوم نے ایک ہزار روپیہ کا سونا لگو کر بنوایا تھا۔ غلام گردش امیر النساء اہلیہ میاں شاہ نواز نے سنگ مرمر کی تعمیر کروائی تھی۔

روضہ مبارک کی چھت قرآن مجید کی آیات اور خدا تعالیٰ کے پاک اسماء مبارک سے مزین نظر آتی ہے۔ ان آیات کی نقاشی پاکستان کے مایہ ناز کاتب حاجی دین محمد لاہوری نے نہایت فن کاری اور مشاقی سے کی۔ گنبد میں سورہ یاسین کی نقاشی کی گئی۔ محرابوں پر حضور ﷺ کی شان میں شیخ سعدی کے چند اشعار اور قرآن کریم کی بعض دوسری آیات کندہ کی گئیں۔ گنبد کے درمیانی حصے میں ایک بڑا تار بنا ہوا ہے۔ جس کے گرد سورہ اخلاص کندہ کی گئی ہے اور باقی تمام جگہوں میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام بڑی خوبصورتی سے کندہ کئے گئے ہیں۔ مزار مبارک کی چھت پر آیات قرآنی اور خدا تعالیٰ کے اسمائے مبارک کے درمیان خالی جگہوں پر رنگین کام کیا گیا ہے۔ یہ تمام کام داتا صاحب کے ایک عقیدت مند میجر ابراہیم نے 2 رمضان 1960ء میں مکمل کیا تھا اور اس میں دو ماہ کا عرصہ صرف ہوا۔ قرآنی آیات کی کتابت کے درمیان خالی جگہ پر رنگوں کی آمیزش نے چھت کی خوب صورتی اور حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مزار کیلئے دروازے کا یہ تحفہ اصفہان کے ایک کاری گرنے اصفہانی قالین کی طرز پر تعمیر کیا ہے۔ یہ چاندی کا دروازہ ہے اور اس پر سونے کا پانی کیا گیا ہے۔ دروازے کی پیمائش

18×9 فٹ ہے۔

دسمبر 1974ء کو پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے داتا دربار کے اس سنہری دروازے کی رسم افتتاح کی یہ دروازہ دربار کے جنوبی حصے میں، دربار کے سامنے سڑک کی جانب نصب ہے۔

مسٹر خالد محمود نے اپنی کتاب ”داتا گنج بخش اور ان کا عہد“ میں لکھا ہے ”افسوس کہ یہ بیش بہا تاریخی ذخیرہ بعض نااہل سرکاری ملازموں کی نالائقی سے ضائع ہو چکا ہے۔ جب محکمہ اوقاف نے داتا صاحب کے مزار کو اپنی تحویل میں لیا تو کسی نالائق افسر نے یہ سارے قلمی نسخے بوریوں میں ڈال کر راوی میں بہا دینے کیلئے بھیج دیئے۔ تاہم بعض اجزادریا برباد ہونے سے بچ گئے اور نووارد کے شیدائی فقیر غیاث الدین مرحوم کے ہاتھ لگ گئے اور یہ محفوظ ہو گئے۔ مرحوم نے اس تاریخ خزانے کے اتلاف ہونے کی کہانی خود منمائی اور بچے ہوئے اجزاء دکھائے۔ جن میں ایک اکبری دور کی خطاطی کا نمونہ ہے اگر یہ خزانہ نالائق اہل کاروں کے ہاتھ نہ لگتا تو آج دارالقرآن میں موجود ہوتا ہے۔“

وہ قیمتی کتب کا خزانہ آپ کی وفات کے بعد ایک کتب خانے کی شکل میں موجود تھا۔ حضرت داتا گنج بخش علیہ السلام نے جب یہاں مسجد تعمیر کرائی تو اس کے ساتھ ہی ایک جھونپڑا تیار کرایا۔ آپ کے پاس کچھ کتب تھیں۔ دوسرے علماء، بھلاؤ اور شیوخ نادر اور نایاب کتب جمع کرتے اور بطور تبرک کتب احادیث اور قرآن کریم بطور ایصال ثواب لے کر آتے تھے۔ بادشاہ اور عوام اپنے ہاتھوں سے کلام پاک لکھ لکھ کر یہاں بھجواتے اور یہ کتابیں اور قرآن پاک کے قلمی نسخے یہاں جمع ہوتے رہتے۔

جس کمرے میں قرآن شریف رکھے جاتے تھے۔ وہ بھائی ہیرا صاحب کنور نہال سنگھ نے بنوایا تھا۔ بعد میں رانی جنڈال والدہ مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اس کو اور زیادہ کشادہ کرایا تھا۔

ایک قرآن پاک نواب حیدر آباد دکن نظام مومن الملک علاؤ الدولہ جعفر خان نصیری بہادر ناصر جنگ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر نذرانہ پیش کیا تھا۔ قرآن مجید کے اور بھی کئی نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے۔ ان کو مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس پر، اجمیر شریف میں حضرت معین الدین چشتی اجمیری، دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت سالار مسعود غازی اور حضرت سید گیسو دراز بندہ نواز غریب نواز کے مقابر پر بھی ارسال کیا۔ نواب صاحب نے یہ قرآنی نسخہ 1724ء میں مجاور درگاہ حضرت داتا گنج بخش علیہ السلام کو نذر کیا۔ یہ جلد اس وقت ڈاکٹر محمد باقر ایم اے پی ایچ ڈی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ تاریخ لاہور کے مصنف رائے بہادر کنہیا لال کی

کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قرآن شریف محمد خاں چٹھہ احمد نگر قصبہ ضلع گوجرانوالہ نے بطور نذر پیش کیا تھا۔ ایک قرآن احمد بخش لاہوری نے پیش کیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی ایک قرآن نذر کیا تھا۔ جس کی لمبائی دس گرتھی جو پشاو فتح کرنے کے بعد اس نے وہاں سے حاصل کیا تھا۔

اس طرح ایک اور قرآن پاک میاں صمد کشمیری پشیمنے کے سوداگر نے نذر کیا۔ اس کا طول بھی دس گرتھی ہے۔ ایک اور نسخہ قرآن میاں غلام یاسین خوش نویس لاہوری کا نذر کردہ ہے۔ اس کا طول بھی دس گرتھی ہے۔ ایک اور بہت قدیم قرآن مجید کا نسخہ جو بہاری خط میں تحریر کیا ہوا ہے۔ ایک قرآن پاک غزنوی حکمران سلطان ابراہیم غزنوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ایک قرآن شمس الدین التمش کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ حجر مبارک میں شیخ سعدی اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی جلدیں بھی موجود ہیں۔ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن داتا صاحب کی مسجد کے امام کے پاس بھی محفوظ تھا۔ 1960ء میں نادر کتب قرآن حکیم کے نسخے اور دیگر تبرکات گنج بخش دریا برد کر کے ضائع کر دیئے گئے۔

جنوب اور مشرقی حجرے یہ وہ دو منزلہ حجرے تھے جو فخر اور مساکین کے قیام کیلئے تعمیر کئے گئے تھے اور جسے لاہور کے ایک امیر خان بہادر میاں محمد بخش داگر نے بنوایا تھا جب دربار کی تجدید نو کی گئی تو ان حجروں کو گرا دیا گیا اور ان کی جگہ ایک عالی شان دروازہ بنادیا گیا ہے اور سرسید مراتب علی اس خوبصورت دروازے کے اخراجات اٹھائے تھے۔ سرخ پتھر سکھوں کے عہد میں رنجیت سنگھ کے حکم سے مزار پر لگے ہوئے قیمتی پتھر اور جواہر سکھ حکمران نکال کر لے گئے اور اب نہ تو قیمتی پتھر ہیں اور نہ ہی جواہرات موجود ہیں۔

نواب میرمون خان نائب ناظم لاہور کی قبر کے پاس کسی زمانے میں ایک دالان سنگ سیاہ کا ہوا کرتا تھا جو کہ نواب خاناں شہنشاہ اکبر کے عہد میں تعمیر کروایا تھا۔ 1812ء کے زلزلے میں یہ دالان منہدم ہو گیا۔ ایک ڈیوڑھی میاں غلام حسین ولد حاجی غلام حسن مرحوم نے جنوری 1905ء میں بنوائی تھی۔ محکمہ اوقاف نے اس کو گرا کر نیا دروازہ بنادیا۔ اس کا خوبصورت اور چمکتا ہوا فرش میاں عبدالمنان مالک پیر اماؤنٹ ٹاکیہ بھائی دروازہ نے 1930ء میں لگوایا تھا جو سنگ مرمر کا تھا۔

دالان رانی چند کور کی تعمیر رانی چند کور (والدہ کنور نونہال سنگھ اہلیہ راجہ کڑک سنگھ) نے کروائی تھی۔ کسی

زمانے میں اس دالان میں قرآن پاک رکھے جاتے تھے۔ اس دالان کو بھائی ہیر سنگھ کنور نہال سنگھ نے شروع کرایا تھا مگر رانی چند کور نے اس کی تکمیل کی تھی۔ مہارانی نے یہ دالان 1938ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اب یہ دالان مسجد میں آ گیا ہے۔

اکبری دالان: شہنشاہ اکبر نے اپنے زمانے میں روضہ اقدس کے جنوب کی طرف ایک خوب صورت دالان تعمیر کروایا تھا جو کہ اب موجود نہیں ہے۔ رائے بہادر کنہیا لال تاریخ لاہور میں طراز ہیں کہ خوب صورت اور متبرک مقبرے کے گرد بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تھیں مگر سب کی سب سکھوں نے تباہ کر دیں۔ راجہ رنجیت سنگھ اگرچہ مزار کا بہت ادب کرتا تھا اور ہزاروں روپے نذرانے کی صورت میں بھجواتا تھا مگر باہر کی عمارت اس نے ایک بھی نہ چھوڑی۔ سب کے پتھر اتروا کر ان کی بنیادیں تک زمین سے نکلوا دیں۔ صرف مزار کا مکان باقی رہ گیا۔ مقبرہ کے ساتھ ہی ایک مکان کبوتروں کیلئے بنا ہوا تھا جس میں ہزاروں کبوتر رہتے تھے وہ بھی موجود نہیں۔

مسجد کے صحن میں حجرہ اعتکاف حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عقب میں ایک قبر سید حضوری شاہ کی بیان کی جاتی ہے یہ بزرگ حضرت داتا صاحب کے قریب کے زمانے میں گذرے ہیں۔

مسجد کی مشرقی طرف زمینہ حجرہ اعتکاف خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک چھوٹی سی پختہ قبر زمین کے ساتھ بنی ہوئی ہے جو حضرت داتا گنج بخش کے مزار کے سب سے پہلے مجاور حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تیرہویں پشت کے ایک مجاور شیخ سلیمان کی ہے۔ یہ قبر شہنشاہ اکبر کے زمانے میں بنی تھی۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے سامنے اور مشرقی سمت جو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں وہ سب مجاوروں کی ہیں اور دو قبریں جو اٹھی اور الگ ہیں۔ ایک سب سے پہلے مجاور حضرت شیخ ہندی کی ہے۔ میاں محمد بخش مرحوم نے جب نئے دالان اور کمرے تعمیر کرائے تو ایسی قبریں بھی جو احاطہ مزار سے باہر تھیں۔ چار دیواری کے وسیع ہونے کی وجہ سے مزار کے احاطہ کے اندر آ گئیں۔

جس دالان میں قرآن پاک رکھے ہوئے ہیں اور جہاں لوگ بیٹھ کر تلاوت کلام پاک کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک دالان میں نواب شیخ امام الدین صاحب صوبہ کشمیر کے گورنر کی قبر ہے۔ ان کی وفات 1275ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی قبر کے ساتھ آپ کے خاندان کے دیگر لوگوں کی قبریں ہیں۔ جن میں شیخ فیروز الدین سابق وزیر بہاولپور (م 1299ھ) اور ایک خاتون (م 1289ھ) کی ہیں۔ دالان سے قدرے باہر نواب غلام سحانی کے صاحبزادے کی قبر ہے۔

خان بہادر میاں محمد بخش ٹھیکیدار نے کثیر رقم خرچ کر کے مزار کے احاطہ کے اندر خوب صورت دو منزلہ کمرے تعمیر کرائے۔ نچلے حصے کے دروازے تو احاطہ سے باہر کی طرف ہیں۔ ان میں عام مسافر اور فقر آ رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ ان کمروں کی چھت مزار مبارک کی سطح زمین کے برابر ہے۔ اس لئے ان پر چھت ڈلو کر ان کو دو منزلہ بنا دیا گیا ہے تاکہ سردی گرمی میں عام لوگ یہاں رہ سکیں۔

مزار مبارک 11 جنوری 1960ء بروز پیر سے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دیا گیا۔ ان 38 سالوں میں دربار شریف کی تمام قدیم عمارتوں کی جگہ نئی عمارات نے لے لی ہے۔ محکمہ اوقاف نے دربار کو اپنی تحویل میں لیتے ہی اس کی توسیع کی منصوبہ بندی شروع کی تاکہ زائرین کو سہولیات تمیز آسکیں۔ ابتدائی منصوبہ بندی میں اس دربار کے ساتھ ایک عظیم الشان مسجد تعمیر شامل تھی۔ چنانچہ اس مسجد کی تعمیر کے ڈیزائن کیلئے ایک بین الاقوامی مقابلہ ڈیزائن منعقد کرایا گیا جس میں مختلف ممالک سے ماہرین تعمیرات نے حصہ لیا اور اس اعلیٰ سطح کی ٹیم کی سربراہ جنرل محمد صہاء الحق تھے۔ ان کی سرکردگی میں موصول ہونے والے ڈیزائنوں کا جائزہ لیا گیا اور 19 فروری 1980ء کو تقویٰ اینڈ صدیقی کا ڈیزائن منتخب کر لیا گیا۔ اس ڈیزائن کی خوبی یہ تھی کہ اس میں بادشاہی مسجد لاہورم شاہی مسجد ٹھٹھہ، مسجد وزیرخان اور برادر اسلامی ملک ترکی کی گرین مسجد کی اعلیٰ طرز تعمیر کی روایات کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی۔

جنرل محمد صہاء الحق نے اس عظیم الشان مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی مالی مدد کی۔ میاں محمد نواز شریف (سابق وزیراعظم پاکستان) نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے منصوبہ کی تکمیل کیلئے مکمل سرپرستی کی۔

مسجد کی باقاعدہ تعمیر 1982ء کے وسط میں شروع ہوئی۔ مسجد دربار حضرت داتا صاحب سے ملحق اور جامع مسجد داتا گنج بخش کے نام سے معروف ہے۔ مسجد کی تعمیر کا کام 1989ء میں مکمل ہوا اور اس کا افتتاح 28 ربیع الثانی بمطابق 1410ھ (28 نومبر 1989ء) بعد دوپہر جناب میاں نواز شریف وزیراعلیٰ پنجاب نے کیا۔ اس موقع پر بہت سے مقامی اور غیر مقامی علماء و مشائخ اور دانشوروں نے شرکت کی۔ بھارت سے جامع مسجد دہلی کے امام عبداللہ بخاری، سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء نے بھی شرکت کی۔

محکمہ اوقاف کی آمدنی 96-1995 کے مالی سال کے دوران پہلے آٹھ ماہ یعنی جولائی 1995 سے فروری 1996ء میں حقیقی آمدنی 10 کروڑ 44 لاکھ 24 ہزار 647 روپے ہوئی۔ جب کہ مالی سال 97-1996 کے پہلے آٹھ ماہ کی آمدنی 11 کروڑ 27 لاکھ 60 ہزار 427 روپے ہوئی۔

اس طرح سال 1997-98 کے پہلے آٹھ ماہ کی حقیقی آمدنی 11 کروڑ 30 لاکھ 40 ہزار 809 روپے

آمدنی ہوئی۔

محکمہ اوقاف پنجاب کے قیام کا مقصد علماء کرام کے علمی اور فکری خیالات کی اشاعت کے ساتھ اس وقت اراضی کی نگہداشت بھی شامل ہے جو دربار کیلئے وقف کر دی گئی ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے محکمہ ہر سال دربار سے وابستہ مزارات اور مساجد کی تعمیر و مرمت اور تزئین و آرائش کا کام بھی کرتا ہے اور اس کیلئے خاصی رقم رکھی جاتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی توسیع کی گئی ہے۔ روضہ مبارک میں لوح مزار مرکز تجلیات اور مزار مبارک کے ارد گرد سنگ مرمر کی جالیاں بھی تبدیل کروائی گئی ہیں۔ یہ کام ان کے عقیدت مند صابر خان نے اپنی جیب سے کروایا اور مزار مبارک کا کوئی پتھر اگر خراب ہوتا ہے تو اسے اپنے خرچ پر تبدیل کراتے ہیں جو ان کی محبت کا مظہر ہے۔ لوح مزار اور مزار مبارک کے باہر سورۃ حمد اور درود تاج شریف اور دیگر آیات کی خطاطی پاکستان کے ممتاز خطاط خورشید عالم گوہر نے بطور محبت اور عقیدت بلا معاوضہ کی ہے۔ یہ ان کا بہت بڑا فنی کارنامہ ہے جو تادیر زندہ رہے گا۔ فنی اعتبار سے دربار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند میں معروف خطاطی شدہ مقامات میں سے ایک اہم مقام کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ لوگوں کی ان سے محبت، چاہت اور عقیدت کا ثبوت ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر درج ذیل میلے زائرین منعقد کرتے ہیں اور آپ کے مزار مبارک پر پھول بچھاؤ کرتے ہیں۔ چھوٹا عرس جو 19 صفر کو ہوتا ہے۔ بڑا عرس 20 صفر کو ہوتا ہے۔ آخری جمعرات قوالی ہوتی ہے اور لوگوں کا جم غفیر ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کو ہر سال 9 محرم یعنی ان کے عرس کی تاریخ چالیس روز پہلے غسل دیا جاتا ہے اور پھر ان کا 19 اور 20 صفر کو سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ ان کے عرس کے موقع پر زائرین پاکستان کے تمام شہروں سے حاضری دینے کیلئے جمع ہوتے ہیں۔ یہ اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مزار کو غسل دینے کیلئے کئی من عرق گلاب اور کیوڑہ استعمال کیا جاتا ہے اور مزار کو غسل دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر زائرین کی تعداد بے شمار ہوتی ہے۔

اعلاہ مزار کو بجلی کی رنگ برنگی روشنیوں سے منور کیا جاتا ہے۔ فقرا اور مساکین کیلئے لنگر سے کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ عقیدت مند ندریں چڑھاتے ہیں اور مجادروں میں سے بعض کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ زائرین ہزاروں کی

تعداد میں مقبرے کے گرد قرآن پاک کی تلاوت میں دن رات مصروف نظر آتے ہیں۔ احاطہ سے باہر قوالی کی ایمان افروز محفلیں منعقد کی جاتی ہیں اور نامور قوال اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دربار کے اندر بڑے بڑے علماء مجلس وعظ منعقد کرتے ہیں۔ جن سے لاکھوں لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

### اقوال زریں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی زبان کا ایک ایک لفظ گوہر تابدار کی مانند ہے جس پر وقت کی دھول نہیں پڑی۔ جس کی چمک آب و تاب سے آج بھی قلب و نظر میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ انھوں نے دین داروں کیلئے اقوال زریں کا ایسا لازوال خزانہ چھوڑا ہے کچھ اقوال زریں ان کی کتاب کشف المحجوب اور کشف الاسرار سے قارئین کی ندر میں:

- ☆ جو ولی کی معرفت کے نہ ہونے کے قائل ہیں ان کا قول معتبر نہیں۔
- ☆ روح ایک لطیف شے ہے جو خدائے بزرگ و برتر کے حکم سے آمد و رفت کرتی ہے۔
- ☆ جو لوگ خدا کی رحمت سے ناامید ہوئے انھوں نے کفر اختیار کیا اور وحدت سے انکار کیا بے شک ناامیدی شرک کی دلیل ہے۔
- ☆ خداوند تعالیٰ شکستہ دلوں میں پایا جاتا ہے۔
- ☆ ولی مخصوص دلوں میں پایا جاتا ہے۔
- ☆ علم سے بے پرواہی کرنا محض کفر ہے۔
- ☆ تجھے لازم ہے کہ اپنے ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھے۔
- ☆ لوگوں نے حرص کا نام شریعت اور تکبر کا نام عروت رکھ لیا ہے۔
- ☆ غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا لیا ہے۔
- ☆ پیٹ بھر کر کھانا جانوروں کا کام ہے اور یہ کوئی خوبی نہیں۔
- ☆ بے علم بادشاہ، بے عمل عالم، اور بے توکل فقیر شیطان کی نزدیکی کا باعث ہیں۔
- ☆ استاد کا حق ضائع نہ کر۔
- ☆ حرام کے لقمہ سے پرہیز کر۔
- ☆ بھید کو نہ کھول اور نماز کو نہ بھول۔

- ☆ اگر کسی کی ایک کھجور کی گٹھلی بھی تجھ پر نکلتی ہو، اس سے سبکدوشی حاصل کر۔
- ☆ سچ جانو کہ تم ناپاک مٹی کا صرف ایک ذرہ ہو پھر اس تکبر و نخوت سے کیا حاصل۔
- ☆ اے دانا! ہما ہی کے خیال کو اپنے دل سے نکال اور مرد مسافر ہو جا۔
- ☆ ہر نبی لازمًا ولی ہوتا ہے لیکن کوئی ولی پیغمبر نہیں ہوتا۔
- ☆ یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ ایک بہترین فرض ہے۔
- ☆ تھوڑی غذا کھانے سے عمر زیادہ طویل ہوتی ہے۔
- ☆ پروانہ شمع پر ہی جان دیتا ہے، پ اگر پروانہ کی طرح یہ جان بھی اسی (شمع حقیقت) کے غم میں جل مرے تو بات ہے۔
- ☆ علی کو پہلے شکر کا خزانہ بخش اور پھر فقر کی دولت عطا فرما، پہلے اسے کدورت سے پاک فرما اور پھر اپنا بھید مرحمت فرما، پہلے صبر کی لذت عنایت کر اور پھر رنج و بیماری بھی بخش۔
- ☆ متبذی کو چاہیے کہ راگ اور سماع سے پرہیز کرے کیونکہ یہ راستہ اس کیلئے بہت مشکل ہے۔
- ☆ جوانوں کو چاہیے کہ وہ بوڑھوں کا احترام کریں، کیونکہ وہ ان سے زیادہ متقی عابد اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ بوڑھوں کو چاہیے کہ جوانوں کی رہنمائی کریں کیونکہ اس سے گناہ کم ہوتے ہیں۔
- ☆ عارف عالم بھی ہوتا ہے مگر ضروری نہیں ہے کہ عالم عارف بھی ہو۔
- ☆ تحفہ و ہدیہ و خیرات وغیرہ کے طور پر جو چیز بے طلب خود بخود سامنے حاضر ہو جائے اسے رد نہ کر۔
- ☆ فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کی حضوری رکھے یعنی مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے، جو دریائے معرفت کا غوطہ خور ہو نہ کہ کنارہ پر رہنے والا۔
- ☆ مخلوق کا مخلوق سے مانگنا ایسا ہی ہے جیسا ایک قیدی دوسرے قیدی سے مدد مانگے، پس مخلوق سے سوال نہ کر، صرف اللہ پاک سے مانگ جو ماری مخلوق کا خالق ہے۔
- ☆ محبت حال ہے اور حال کبھی قال نہیں ہوتا یعنی اگر محبت زبردستی پیدا کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے کیونکہ یہ عطائے الہی ہے یہاں زور و زکا کام نہیں۔
- ☆ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے تابع ہیں کہ انھوں نے نفس کی تابعداری چھوڑ



دی، ان کی وجود کی برکت سے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین سے نباتات پیدا ہوتی ہے۔

- ☆ جس کام میں میں نفسانی غرض شامل ہو جاتی ہے۔ اس سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔
- ☆ نفسانی خواہشات کی تکمیل دروازہ دوزخ کی چابی ہے اور خواہش و شہوت کی پیروی نہ کرنا بہشت کی چابی ہے۔
- ☆ میری کتاب کشف المحجوب سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو قوی اور عارفی غفلت میں ہیں۔ حق و صداقت کا انکار جن لوگوں کا حصہ بن چکا ہے۔ انہیں اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔
- ☆ اتنا علم شریعت حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جس سے عمل کی ادائیگی درست ہو سکے۔
- ☆ علم اور عمل نہایت ضروری ہے۔
- ☆ علم کی روشنی کے بغیر عمل کروانے والے کو لہو کے بیل کی طرح ہیں۔
- ☆ عمل اس وقت عمل کہلائے گا جبکہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کا خراج تحسین

سید بجزیرِ مخدوم اُمم	مرقد او پیرِ بنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسخت	در زمین ہند تخمِ سدرہ ریخت
عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد	حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ ام الکتاب !	از نگاہش خانہ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دم آوزندہ گشت	صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیارِ عشق	از جبینش آشکار اسرارِ عشق

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہر زمانہ میں اولیاء کاملین اور علماء ربانین آپ (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کے در اقدس پر حاضر ہوتے رہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوانِ جود و کرم سے جھولیاں بھر کر لیجاتے رہے۔ اس زمانہ میں بھی جب کہ اولیائے کرام کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضری کو بدعت و شرک ثابت کرنے کی ایک تند و تیز مہم جاری ہے، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ انور کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ رات دن طالبانِ حق کا تانتا بندھا رہتا ہے گرمی ہو یا سردی، بارش ہو یا دھوپ، دن ہو یا رات کوئی

لحمہ ایسا نہیں جب بندگانِ خدا کا ہجوم اللہ تعالیٰ کے اس محبوب اور برگزیدہ بندہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل نہ کر رہا ہو وہاں پہنچ کر اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

”فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرْوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ“

(سورۃ البقرہ آیت ۱۵۲)

(مقدمہ کشف المحجوب (۵، ۳، ۵۲)

## حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1174ء وصال: 1266ء مزار: پاک پتن شریف

حضرت بابا فرید گنج شکر کا اسم گرامی فرید الدین مسعود اور لقب ”گنج شکر“ تھا۔ ان کے والد محترم کا اسم گرامی قاضی شیخ جمال الدین سلیمان تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسم پاک ’قرسم خاتون‘ تھا۔ قرسم خاتون کے والد ملتان کے ایک معروف بزرگ تھے جن کا اسم گرامی حضرت مولانا و بیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اسلاف میں حضرت فرخ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نمایاں حیثیت کا حامل ہے جن کی چوتھی پشت میں حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ شیخ موصوف کے کردار و سیرت کا یہ عالم تھا کہ سلطان محمود غزنوی نے اپنی ہمیشہ کا عقد ان سے کر دیا۔ اگرچہ سلطان محمود غزنوی بادشاہ وقت تھا اور ہمہ وقت اپنے خزانوں کا منہ شیخ موصوف کیلئے کھولے رکھنے کا متمنی تھا مگر ان کی کمیت نے کبھی گوارا نہ کیا کہ وہ ایک دنیا دار کے سامنے دست سوال دراز کریں۔

جب سلطان محمود غزنوی فوت ہو گیا تو اس کی سلطنت میں بھی انتشار پیدا ہوا جس سے تاتاریوں نے فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اسی دوران ایک معرکہ میں حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی شہید ہو گئے۔ ان حالات میں حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فیصلہ کیا کہ غزنی سے نقل مکانی کر لی جائے۔

حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اہل خاندان کو اس فیصلے سے آگاہ کیا اور ان کے خاندان کے لوگ ان کے قافلے میں آن ملے۔ حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہلیہ اور تین صاحبزادیوں کے ساتھ سفر کی صعوبتیں جھیلنے ہوئے بال آخر لاہور تشریف لے آئے اور یہاں سے قصور چلے گئے۔ اہل قصور کے پاس آپ کی شہرت پہلے ہی پہنچ چکی تھی انھوں نے آپ کا پر تپاک استقبال کیا۔ قصور کے قاضی نے آپ کی تشریف آوری کے بارے میں سلطان شہباز الدین محمد غوری کو مطلع کیا تو اس نے آپ کو بے شمار مراعات و جاگیر کی پیش کش کی، تاہم آپ نے صرف عہدہ قضا پر اکتفا کیا اور کھوتوال کے قاضی مقرر ہو گئے۔ قاضی کا عہدہ سنبھالنے کے بعد آپ نے وہاں شریعت کا نفاذ بطریق احسن کر دیا۔

قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش

جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

قاضی شیخ جمال الدین سلیمان، حضرت شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بیٹے تھے۔ آپ عالم شباب میں ہی علم و فضل کے لحاظ سے گرد و پیش میں مشہور ہو گئے تھے۔ آپ کے کردار و سیرت کے مولانا و بیہ الدین اس قدر گرویدہ ہو گئے کہ انھوں نے اپنی نیک سیرت صاحبزادی ”قرسم ناتون“ کا عقد آپ سے کر دیا۔

تذکرہ بابا فرید میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی پس منظر کے بارے میں ہے۔ ”درویش فرخ شاہ کی چوتھی پشت میں شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی شادی سلطان محمود غزنوی کی ہمیشہ سے ہوئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ غزنوی سلطنت کے زوال کے بعد حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے والد شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ چنگیزی حملہ میں

شہید ہوئے تھے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ فرخ شاہ رحمۃ اللہ علیہ روحانی سلطنت کے بادشاہ تھے۔ شاہانِ غزنی ان سے اور ان کی اولاد سے نیاز و عقیدت رکھتے تھے۔ غزنی کے تاجدار حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد کا بھی ادب و احترام کرتے تھے۔ اب اگر انھوں نے بر بنائے عقیدت مندی ملتان کے سہروردیوں کو جاگیر داری اور شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی شادی محمود غزنوی نے اپنی ہمیشہ سے کردی تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ چشتی مشرب رکھنے کی وجہ سے شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد نے حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد کے اصول کے خلاف جا سکتا ہے لیکن اس زمانہ کے خیالات کے ماتحت اس کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواز اس حقیقت سے واضح ہے کہ کاشغر کے کسی ترک بادشاہ نے 1026ھ میں سلطان محمود غزنوی کو اس کی لڑکی کا پیغام دیا تھا۔ سلطان نے جواب میں لکھا تھا کہ ہم لوگ کسی غیر مسلم کو لڑکی نہیں دیا کرتے لیکن اگر اسلام قبول کر لو تو لڑکی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اب رہی شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حملہ چنگیزی میں شہادت تو یہ قطعی غلط ہے۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو تو ان کی شہادت کے بعد شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی ہندوستان میں آمد عہد شمسی میں ہونا چاہیے اور یہ خلاف واقعہ ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت حملہ چنگیزی سے بہت پہلے غزنین کی کسی تاخت میں ہوئی ہو۔

اپنے والد شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شہید ہو جانے کے بعد شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کابل سے لاہور آتے ہوئے قصور پہنچے۔ قاضی قصور نے ان کا استقبال کیا۔ اپنے یہاں رکھا اور حکومت سے سفارش کر کے کھوٹوال کے عہدہ قضا پر مامور کروا دیا۔ شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ کی سکونت اختیار کر لی۔ شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل اور روحانیت میں کمال رکھتے تھے ان کی بزرگی اس واقعہ سے ثابت ہے کہ صاحب کوٹ کھر وڑ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے بعد اپنے صاحبزادہ احمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں بشارت دی کہ کھوٹوال جا کر شیخ جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور فیض حاصل کریں۔ وہ تین برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ حضرت احمد غوث رحمۃ اللہ علیہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے خاندانوں میں اس طرح ابتداء ہی سے مراسم و روابط ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شادی ملتان کے مولانا و بیہ الدین خجندی عباسی کی دختر نیک اختر قمر خاتون سے ہوئی تھی۔ ان کے لطن سے ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے تولد ہوئے۔ صاحبزادوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

اعزاز الدین محمود

فرید الدین مسعود ؑ

نجیب الدین متوکل

حضرت جمال الدین سلیمان ؑ کی صاحبزادی بی بی حاجرہ تھیں، جن کی شادی پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؑ کے پوتے اور شیخ عبدالوہاب ؑ کے صاحبزادے شیخ عبدالرحیم ؑ سے ہوئی تھی اور یہی بی بی صاحبہ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر ؑ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شجرے کی مختلف خامیوں کی وجہ سے 1915ء میں رشید احمد صاحب رضوی امرہوی نے ایک رسالہ ”سیادت فریدی“ شائع کر کے ثابت کیا تھا کہ حضرت بابا صاحب ؑ فاروقی نہیں بلکہ سید تھے۔ اس رسالہ نے جملہ فریدیوں میں تہلکہ ڈال دیا تھا مگر اس مسئلہ کے متعلق پیر غلام دستگیر ؑ نے اپنی ’تاریخ جلید‘ میں استدلال کیا ہے۔

بابا صاحب ؑ فاروقی تھے، مگر ننھیالی رشتے سے سید بھی تھے۔ کشتی تہذکرہ میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر کی اولاد میں ناصر و منصور دونوں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ادھم کے والد کا نام منصور شاہ تھا جو فوقندہ میں پیدا ہوئے تھے اور ان کا مزار تاشقند میں ہے۔ فرخ شاہ کے متعلق درج ہے کہ یہ عرفیت ہے ورنہ اصل نام شہاب الدین علی تھا اور یہ بادشاہ کابل تھے۔ ان کی پیدائش کابل میں بمقام پنجندہ ہوئی تھی اور ان کے والد بخارا میں پیدا ہوئے تھے۔ شیخ احمد کی شہادت بھی چنگیز کے سپاہی کے ہاتھ سے قلعہ غزنی میں بتائی ہے۔ اس کے بعد تفصیل یہ ہے کہ اپنے بہنوئی شیخ شعیب کو سلطان محمود غزنوی نے 499ھ میں بسلسلہ تبلیغ دیپالپور بھیجا تھا اور سلطان کی اجازت سے شیخ جمال الدین سلیمان بعمر اکیس سال 500ھ میں اپنے والد کے پاس آئے تھے۔ ان کی شادی قرسم خاتون سے نہیں بلکہ مریم خاتون سے 501ھ میں ہوئی تھی اور بمقام کھوتوال بعد عشاء 17 جمادی الاول کو قاضی محمد اکرم شاہ کابلی نے نکاح پڑھایا تھا۔ انہیں مریم خاتون کے بطن سے بڑے صاحبزادے فرید الدین مسعود بعد نماز مغرب شب سہ شنبہ 4 ذی الحجہ 502ھ کو تولد ہوئے۔ عزیز الدین کی پیدائش 526ھ میں رعلت 555ھ میں ہوئی۔ نجیب الدین متوکل 541ھ میں پیدا ہوئے۔ بی بی حاجرہ عرف جمیلہ خاتون 557ھ میں پیدا ہوئیں اور ان کا انتقال 620ھ میں ہوا۔ ایک دوسری دختر بی بی زینب کا اضافہ کیا ہے جو 546ھ میں پیدا ہو کر 555ھ میں انتقال کر گئیں سیدہ مریم کا وصال بہ عمر 158 سال 641ھ میں ہوا واللہ اعلم۔

اس کشتی تہذکرہ میں سیدہ مریم خاتون کا پورا حال درج ہے کہ 483ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ بی بی صاحبہ کے

نانا عبداللہ شاہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے تھے۔ سید عبداللہ شاہ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک کی شادی مولانا وجیہ الدین خجندی عباسی سے ہوئی تھی۔ ان کا اصل نام محمد عیسیٰ تھا اور ان کا سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ ان کی صاحبزادی کے بطن سے محمد یعقوب اور بی بی فاطمہ پیدا ہوئے۔ محمد عیسیٰ المقلب بہ وجیہ الدین خجندی کسی جگہ ملتان میں مقیم ہو گئے تھے۔ سید عبداللہ شاہ کی دوسری صاحبزادی کے شوہر کا نام نہیں لکھا ہے، مگر ان کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی مسماء مریم خاتون۔ جب مریم خاتون چھ ماہ کی ہوئی تو ان کی والدہ کا بعارضہ دق انتقال ہو گیا اور مریم خاتون کی پرورش ان کی خالہ زاد بہن نے کی تھی اس لئے عرف عام میں وہ مولانا خجندی کی بیٹی کہلائیں اور غلطی سے مریم خاتون کو قرسم خاتون کہا جانے لگا یا ستمت کی غلطی سے نام بدل گیا۔

اگرچہ کشفی تذکرے کے بیانات بڑے عجیب و غریب ہیں مگر کچھ ایسے احوال بھی ہیں جو تاریخی خلا کو پورا کر دیتے ہیں۔ اگر ان کو صحیح مان لیا جائے تو ظاہری تذکروں کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا خجندی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی شادی حضرت وجیہ الدین محمد غوث سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ تولد ہوئے۔

آپ کی والدہ ایک پابند صوم و صلوة خاتون تھیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد شیخ جمال الدین کا وصال ہو گیا تو اولاد کی تربیت و پرورش کی ساری ذمہ داری حضرت قرسم خاتون پر آ گئی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت مختلف کتب میں مختلف ہے تاہم سب سے زیادہ جس تاریخ پر اتفاق پایا جاتا ہے وہ 569ھ ہے

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے دو بھائی اور ایک ہم شیرہ تھی۔ بھائیوں کے اسمائے گرامی حضرت اعر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نجیب الدین متوکل تھے جبکہ آپ کی ہم شیرہ کا اسم گرامی حضرت ہاجرہ رحمۃ اللہ علیہ تھا اور انہی نیک طینت و دیندار خاتون کے بطن سے اپنے عہد کے مشہور و معروف بزرگ حضرت علی احمد صابری رحمۃ اللہ علیہ نے جنم لیا۔

روایات کے مطابق ابھی حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف پانچ یا چھ برس تھی کہ ان کے والد محترم حضرت جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یتیم ہو گئے۔ اب بچوں کی پرورش و پرداخت کا بار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ حضرت قرسم خاتون رحمۃ اللہ علیہ کے شانوں پر تھا۔

حضرت بابا فرید اللہ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے صاحبزادے کی ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر سے کیا۔ اس کے بعد ان کو کھوٹوال کے مکتب میں داخل کر دیا گیا جہاں انہیں سید نذیر احمد کی شکل میں ایک نہایت ہی قابل استاد سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ اسی دوران حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام نے صرف گیارہ برس کی عمر میں قاری محمد اللہ علیہ السلام کے پاس قرآن پاک حفظ فرمالیا۔

تحفیظ القرآن کا مرحلہ طے ہوا تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے حج بیت اللہ شریف کا ارادہ فرمایا اور اس سفر میں دیگر عزیز و اقربا کو بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام اپنے اساتذہ کا احترام دل و جان سے کرتے تھے خصوصاً انہیں استاد محترم سید نذیر احمد سے خاص لگاؤ اور انسیت تھی اس لئے ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ جس مقدس سرزمین پر جانے کی سعادت شاگرد کو حاصل ہو رہی ہے وہاں جانے کا شرف استاد گرامی کو بھی حاصل ہونا چاہیے۔ انھوں نے اپنی اس معصوم خواہش کا اظہار اپنی والدہ کے سامنے بھی کیا اور جب ان کی رضامندی حاصل ہو گئی تو یہ مبارک سفر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام کیلئے دوہری خوشیوں کا حامل ہو گیا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کا حج ادا کیا، شعائر اللہ کی زیارت کی اور تسکین و تشفی کے انمول خزانوں سے اپنا دامن بھر کے واپس لوٹے۔

حج کی سعادت حاصل ہونے کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام کو علم کی مزید تحصیل کیلئے ملتان بھیجا گیا اور رہوار شوق انہیں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں لے گیا۔ وہاں انھوں نے دینی تعلیم میں گہری دلچسپی لی اور ہمہ وقت مطالعہ ان کی فطرتِ ثانیہ بن گیا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام کو اس مسجد میں حصول علم میں کئی برس لگ گئے۔

587ھ میں جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام کا سن مبارک 18 برس ، اور عالم شباب تھا۔ ایک روز اس مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اللہ علیہ السلام کے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی اللہ علیہ السلام تشریف لائے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی اللہ علیہ السلام یہاں حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اللہ علیہ السلام کی دعوت پر آئے تھے۔ جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی اللہ علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اللہ علیہ السلام ایک کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے۔ جونہی ان کی نظر حضرت قطب الدین بختیار کاکی اللہ علیہ السلام کے رخِ انور پر پڑی، دل مضطرب ہو گیا اور نگاہوں نے اس نورانی صورت کا طواف شروع کر دیا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی اللہ علیہ السلام

نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی اور پھر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھتے ہی ادب و احترام سے کھڑے ہو گئے اور سر اپانیا بن گئے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو دیکھ کر فرمایا۔

”انشاء اللہ یہ کتاب تمہیں نفع ہی پہنچائے گی“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بولے

”میرا نفع تو آپ کی نظر کرم پر منحصر ہے“

اس پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ متبسم ہو گئے اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے شانوں کو تھپکتے ہوئے فرمایا کہ وہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مہمان ہیں اگر فرصت ہو تو وہیں ملاقات ہو سکتی ہے۔

اس حوصلہ افزائی پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو بہت مسرت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خدام کے ساتھ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو دعاؤں سے نوازتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے۔

یہ شب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجب عالم اضطراب میں گزاری اور اگلے روز نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ کا رخ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو لوگوں کا ایک اژدھام نظر آیا۔ استفسار پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں اور لوگ ان سے ملنے اور ان کا دیدار کرنے کیلئے بے چین ہیں۔

اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ کل مسجد میں تشریف لانے والی ہستی کون تھی۔ ان پر ایک کیفیت کا عالم طاری ہو گیا اور وہ اس خیال سے کہ کل حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ خود ان کے پاس آئے تھے سرشار ہو گئے۔ کافی دیر ایک ہی جگہ کھڑے رہنے کے بعد انہوں نے ایک خادم سے کہا کہ وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ خادم نے جواب دیا کہ ان سے تو سب ہی ملنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی قطار میں کھڑے ہو جائیں، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ باہر تشریف لائیں گے تو زیارت کر



لینا۔

اس پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کر کے کہا کہ آپ صرف حضرت کو اتنا بتادیں کہ ایک طالب علم فرید ملنے آیا ہے۔ غلام انہیں عجیب سے انداز میں دیکھتا چلا گیا، تاہم اس نے آپ کا پیغام حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ کا نام سنتے ہی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ گویا ہوئے۔

”تو پھر اسے جلد بلاؤ، ہم اسی کے منتظر ہیں“

غلام نے باہر آ کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مژدہ جانفزا سنایا اور انہیں اندر تشریف لے جانے کیلئے کہا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بڑے مؤدب انداز میں حجرہ شریف میں داخل ہوئے، سامنے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ انہیں سلام کر کے ان کے سامنے نگاہیں جھکا کر دو زانو بیٹھ گئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

”یہ فرید ہے، میرا فرید“

اس پر حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے تحسینی نگاہوں سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور ماشاء اللہ کہا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام آٹھ روز تک اس خانقاہ میں رہا اور ان ایام میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دست بستہ ان کی خدمت میں رہے۔

جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو الوداع کہا اور عازم دہلی ہوئی تو چند منازل تک حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ساتھ رہے۔ تیسری منزل کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔

”بابا فرید! اب واپس جاؤ اور علوم ظاہریہ حاصل کرو۔ قدرت الہی کا مشاہدہ کرو، بندگانِ خدا سے ملو اور دیکھو کون کس مقام پر ہے اور کیا کر رہا ہے۔ ان کاموں سے فراغت کے بعد دہلی چلے آنا، میں تمہارا انتظار کروں گا“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے جدائی شاق تھی مگر ان کے حکم سے سرتابی کی مجال بھی نہیں تھی لہذا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دل گزنی کے عالم میں ان سے رخصت ہو کر واپس چلے آئے۔ روایت ہے کہ انہی دنوں میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

کو بیعت فرمالیا تھا۔ اس وقت حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اٹھارہ برس تھی اور بعد ازاں جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سیاحت عالم سے واپس لوٹے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو انھوں نے تجدید بیعت کی اور اسے بیعت رضوان سے مشابہ قرار دیا۔ علاوہ ازیں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر صرف 18 برس کی عمر میں سلسلہ چشت سے منسلک ہو گئے اور بعد ازاں آپ اس سلسلہ کے مہر منور بن کر طلوع ہوئے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ملتان سے کھوٹوال پہنچے اور اپنی والدہ محترمہ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا حال سنایا اور ان کا حکم سیاحت بھی گوش گذار کیا۔ ان کی والدہ محترمہ کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس سعادت پر مبارک پیش کی کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم بزرگ خود ان سے ملے۔ انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کو تاکید فرمائی کہ وہ حکم مرشد کو بجالائیں، تاکہ وہ ان سے راضی ہو جائیں۔

والدہ محترمہ کا عندیہ یہ پا کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے رخت سفر باندھا اور مادر محترمہ کی دعاؤں کے سائے میں بغداد کا قصد کیا اور راہ میں بخارا میں قیام فرمایا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے اپنی عمر عزیز کا ایک طویل عرصہ سیاحت میں گزاری اور اس دوران ان کی ملاقات نادر روزگار ہستیوں سے ہوئی جن کے دامن دولت سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت کچھ پایا۔ ایک طویل سیاحت کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ وطن واپس لوٹے اور اپنے پیرو مرشد کو بتایا کہ وہ ان کا بتایا ہوا مجاہدہ اور ریاضت مکمل کر کے آئے ہیں۔ تاہم ابھی بہت سے مجاہدے اور ریاضتیں ان کی منتظر تھیں۔

بخارا میں ان دنوں ایک بزرگ حضرت اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ تھا۔ یہ بزرگ امراء سے میل جول پرند نہیں فرماتے تھے اور ان کے نزدیک درویشی کا معیار یہ تھا کہ فقیر دنیا دار لوگوں اور امیروں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے بڑے تپاک سے ملے اور ان کی آمد کو باعث طمانیت قرار دیا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بخارا کے گرد و نواح کی بھی سیر کی اور اس دوران ایک روز

ان کا گذر ایک غار کے پاس سے ہوا جس میں ایک بزرگ ایک عرصہ سے عبادت تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے تارک الدنیا ہو جانے کے متعلق دریافت فرمایا تو وہ بزرگ بولے۔

”جب یہ دنیا انسان کے درپے آزار ہو جائے اور اس کی ہلاکت کا سامان کرنے لگے تو انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ بستی کو چھوڑ کر بیاباں کا رخ کرے اور اگر وہاں بھی اسے سکون نہ ملے تو اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔“

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے رخصت ہوئے تو غار کے مکین نے ان کے زاوراہ میں بہت سی دعائیں بھی شامل کر دیں اور دعاؤں کا حیل تحفہ لیکر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوٹے اور اس سے اگلے روز ان کے آب و دانہ نے اگلی منزل کی جانب بڑھنے کا اشارہ دے دیا۔ بخارا سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد شریف کا رخ کیا۔

بغداد شریف میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان انہی کی مشہور عالم تصنیف ’عوارف المعارف‘ کا کچھ حصہ پڑھا اور اس کے مفہوم سے آگاہی حاصل کی۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ 549ھ میں ’سہرورد‘ کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی نے فقہا کی شکایت پر شہید کر دیا تھا۔ اس لئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مقتول بھی کہلاتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرد درویش تھے ان کے پاس جس قدر بھی محتاف یا نذرانے آتے فی الفور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ درویش اپنی ذات کو اللہ کیلئے فروخت کر دیتا ہے لہذا اسے دنیاوی آسائشوں سے اپنے وجود کو آلودہ کر کے امارت کی تہمت مول نہیں لینا چاہیے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اومد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ سید تانی بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے رخصت ہوئے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج

شکر اللہ علیہ کی اگلی منزل سیتان تھی، جہاں حضرت اوصد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نادر روزگار ہستی ان کی منتظر تھی۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور کچھ عرصہ ان کے یہاں قیام کیا۔ شیخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کا کچھ حصہ خود پڑھایا اور اس کے مطالب ذہن نشین کرائے۔ شیخ کا خانقاہ میں فتوحات کی کثرت تھی وہ سب روز کی روز صرف کر دی جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دولت جمع کی جائے تو لوگ کہیں گے درویش مالدار ہے حالانکہ درویش کے معنی خود فراموشی کے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس پر ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے اور حیرت و دہشت کے مقام میں جگہ دیتا ہے۔ عظمت و بزرگی کا یہی مقام ہے۔ اسی مقام میں پہنچ کر بندہ اللہ کی حفظ و حمایت میں آجاتا ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ کی بے حد خدمت کی تھی۔ بغداد میں چولہا سر پر رکھے ہوئے جا رہے تھے اور اس پر پانی گرم کرنے کی دیگچی رکھی تھی۔ لوگوں نے دریافت کیا تو بتایا کہ حج کو جا رہے ہیں۔ اس طرح شیخ الشیوخ کی پچیس سال خدمت کی۔ اس خدمت سے فارغ ہو کر شیخ تبریزی تنہا ملتان آئے تھے اور حضرت بابا صاحب کو انار دیا تھا۔

ایک مرتبہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ بہاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ اوصد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ برہان الدین سیوستانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں شیخ بہاء الدین سہروردی کے فرزند نے شیخ الشیوخ سے خرقہ کی درخواست کی۔ فرمایا آج معاف کروں گا۔ دوسرے دن جب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا! رات خرقہ پوش کا حشر تم نے خواب میں دیکھ لیا کہ میرا ویرانہ کو فرشتے دوزخ میں لئے جا رہے تھے۔ اس لئے کہ وہ خرقہ کے نام سے دنیا کمایا کرتے تھے۔ پھر ارشاد کیا کہ جب تک انسان دنیوی آلائش سے صاف نہ ہو اسے خرقہ دینا چاہئے نہ اسے پہننا چاہیے۔

ایک مرتبہ بغداد کے سفر میں مسجد کنیف میں شیخ اوصد الدین کرمانی کے پاس متعدد دعویٰ حاضر تھے۔ مسئلہ یہ پیش تھا کہ لوگوں کی شکل و صورت، طبیعت، اوضاع اور اطوار مختلف کیوں ہوتے ہیں۔ حضرت کرمانی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت رسول خدا سے اسی قسم کا سوال کیا تھا تو جواب مرحمت فرمایا تھا کہ حق سبحانہ نے حضرت آدم کے مختلف اعضا مختلف زمینوں کی مٹی سے بنائے تھے۔ اسی واسطے ان کے فرزندان میں فرق و اختلاف

ہے۔

بغداد کے باہر ایک غار میں ایک سوکھے سا کھے درویش کو دیکھان کی حالت کے بارے میں دل کو فکر ہوئی تو انھوں نے خود بخود کہا چالیس برس سے اسی غار میں گھاس پھوس پر گزر رہے اور ذکر الہی میں محو ہوں۔ ذکر الہی سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں ہے۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اوحہ الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی تو انھوں نے مصافحہ فرمانے کے بعد فرمایا ”زہے سعادت کہ تم ہمارے پاس آئے“ اس وقت چند اور درویش بیٹھے ہوئے تھے ان کی فرمائش پر ہر صاحب نے اپنی کرامت دکھائی سب سے پہلے خود حضرت کرمانی نے اپنی کرامت دکھانے کے طور پر کہا کہ یہاں کا حاکم مجھے پریشان کیا کرتا ہے آج وہ چوگان بازی کھیلنے گیا ہے۔ اللہ ہی ہے جو صحیح سلامت واپس آئے۔ ابھی یہ بات ختم نہ ہوئی تھی کہ کسی نے خبر سنائی کہ وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اب مجھے حکم دیا تو میں نے عرض کیا کہ سب صاحبان اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھ بند کرتے ہی ہم سب خانہ کعبہ میں تھے۔ آنکھیں کھولنے پر ہم سب اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ بقیہ درویشوں نے اپنے کمال کا یوں اظہار کیا کہ اپنے اپنے خرقے اپنے اوپر ڈال لئے۔ بعد میں دیکھا تو سب غائب تھے خالی خرقے پڑے رہ گئے تھے۔

حضرت اوحہ الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ روحانیت کے مردان کمال میں سے تھے اور اکثر بزرگ حاضرین سے کرامت دکھانے کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی انھوں ایک دن مجلس میں کرامت پیش کرنے کیلئے کہا۔ آپ پہلے تو انکار کرتے رہے مگر ان کے اصرار پر آپ نے حاضرین سے درخواست کی کہ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیں، جب سب نے آنکھیں بند کیں تو انھوں نے اپنے آپ کو بیت اللہ شریف میں موجود پایا۔ اس پر حضرت اوحہ الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو اس مقام کیلئے مبارک باد پیش کی۔ ایک دن حضرت سیوستانی کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شخص کو آتے دیکھ کر فرمایا جاجمند آرہا ہے۔ اُس نے حاضر ہو کر اولاد کی دعا چاہی۔ چنانچہ بتایا کہ ”رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ“ پڑھا کرو۔ پھر فضل الہی سے اس کے لڑکا پیدا ہوا اس لڑکے کو سجدہ دیا گیا اور اس نے ستر حج کیے۔

اسی جگہ ایک اور بزرگ کی خدمت میں جانا ہوا وہ کثرت ذکر کی وجہ سے عالم سگر میں تھے۔ ہوش میں آکر بتایا کہ اس شغل سے سعادتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔

بدخشاں میں ان دنوں حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور بزرگ تھے جو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا داری ترک کر دی تھی اور شہر سے باہر ایک غار میں فروکش ہو گئے تھے۔ اگر وہاں آ کر کوئی ان سے دنیاوی مطلب کیلئے دعا کا خواستگار ہوتا تو آپ اس سے بیزاری کا اظہار فرماتے اور اس تلقین فرماتے کہ وہ بھی اس فانی دنیا کے پرفریب چہرے کو پہچان لے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ انہی کے منتظر تھے انہوں نے بڑے گرم جوش کلمات سے ان کا خیر مقدم کیا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کئی روز تک ان کے پاس مکین رہے اور اس دوران ایک روز حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک روز ان سے ملاقات کیلئے ایک نہایت وجیہہ و دلکش خاتون آئی تو ان کا دل بھی چاہا کہ وہ اس غار کو خیر آباد کہہ کر باہر کی دلکش فضاؤں میں چلے جائیں۔ جب انہوں نے اس ارادے سے قدم اٹھایا تو گویا ان کے دل کی گہرائیوں سے گونجتی ہوئی یہ آواز برآمد ہوئی۔ ’بس اتنا ہی دعویٰ تھا عشق الہی کا؟‘

یہ آواز نہیں تھی گویا تازیا نہ تھا۔ یہ آواز سنتے ہی انہوں نے اپنے قدم و پیر روک لئے اور پھر عالم جوش میں اپنی ایک ٹانگ بی بدن سے الگ کر دی تاکہ اگر باہر نکلنے کا خیال بھی آئے تو کبھی ہوئی ٹانگ ان کے اس ارادے میں حائل ہو جائے۔ انہیں اب اس گوشہ تنہائی میں ستر برس بیت چکے تھے۔ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ داستان سنی تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

کچھ دنوں بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اجازت چاہی تو حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ ملول ہو گئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اتنی جلدی وہاں سے چلے جائیں۔ لیکن بعد ازاں انہوں نے ان کو جانے اجازت دیدی اور فرمایا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آپ بھی چلے جائیں گے، سب چلے جائیں گے۔ یہ دنیا فانی ہے یا مدام کون کسی کے پاس رہ سکتا ہے۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سینے لگا لیا اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو یوں محسوس ہوا گویا آگ کے لپکتے شعلے ان سے گلے مل رہے ہیں۔ یہ پیش حضرت شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کے سوز عشق کا نتیجہ تھی۔

بدخشاں سے چلے تو چشت کے مقام پر پہنچے۔ یہاں ایک معروف بزرگ حضرت ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا

مزار مبارک تھا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مزار پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی فرمائی۔

دشمن میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے کئی معروف بزرگان دین کی خدمت میں حاضری دی

اور پھر کچھ ایام حضرت شہاب الدین زندوسی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی بسر فرمائے۔ حضرت شہاب الدین زندوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید سے خرقہ خلافت بھی واپس لے لیا تھا جو اس خرقہ کو دنیا کمانے کیلئے استعمال کر رہا تھا۔

نیشاپور میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات عہد حاضر کے معروف بزرگ حضرت فرید

الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں ایک خانقاہ تعمیر کرا رکھی تھی، جہاں بے شمار طالبان حق آیا کرتے تھے۔

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ مشہور تخلیق منطق الطیر ہے جس میں فقر کی سات منازل بڑے دلنشین

پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کر کے ان

سے رخصت ہو گئے تو اس کے چند برس بعد ایک نہایت ہی المناک سانحہ رونما ہوا۔ نیشاپور پر تاتاریوں نے حملہ کیا تو

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی شمشیر بے نیام لے کر ان کے مقابلہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ خونریز جھڑپ کے بعد اہل نیشا

پور کو شکست ہوئی اور آپ بھی گرفتار ہو گئے۔ جس تاتاری نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا تھا اس نے ایک ساتھی سے کہا کہ اس

بابا کو ایک ہزار سکوں کے بدلے فروخت کر دیا جائے۔ آپ نے اس کی بات سنی تو فرمایا۔

”میری قیمت ہزار سکوں سے کہیں زیادہ ہے لہذا مجھے ہزار سکوں میں ہرگز فروخت نہ کرنا“

کچھ مزید سفر کے بعد اس تاتاری نے فیصلہ کیا کہ آپ کو گھاس کی ایک گٹھڑی کے عوض فروخت کر دیا۔ یہ

بات سنی تو آپ نے فرمایا۔

”بے شک! میری قیمت اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی“

آپ کی یہ بات سن کر وہ تاتاری غضبناک ہو گیا اور اس نے اپنی تلوار کے ایک تیز و تند وار سے آپ کا سر قلم

کر دیا۔ جب اس المناک سانحہ کی اطلاع حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو آپ نہایت ملول خاطر ہو گئے

اور فرمایا۔

”اللہ ان کی لحد کو منور فرمائے، بیشک وہ جانناز قتل گاہِ عشق سے پہلے کہیں ٹھہر ہی نہیں سکتا تھا“

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب وقت آئے تو فقیر خانقاہ سے نکل کر میدانِ جہاد میں آ جاتے ہیں۔

غزنین میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے چند درویشوں کے ساتھ یادِ الہی میں رات گزاری۔ ان درویشوں میں سے ایک درویش مرضِ اسہال میں مبتلا تھا۔ ہر قضائے حاجت کے بعد غسل کرے تھے ایک سو بیس رکعتیں پڑھنے کیلئے ساٹھ مرتبہ غسل کیا۔ آخری مرتبہ غسل آخر ثابت ہوا اور ان کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک غار میں گئے جہاں ایک خدا ترس یادِ الہی میں مشغول تھے اور قریباً تیس سال سے اسی غار میں رہ رہے تھے۔

ان کی خوراک کا اہتمام غیب سے ہوتا تھا ایک روز حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان کے ساتھ نماز ادا کی تو دل میں خیال آیا کہ آج افطار کس سے کریں گے۔ افطاری کا وقت ہوا تو اس مردِ درویش نے نزدیک ہی ایک کھجور کے درخت کو بلا یا جس پر سے دس کھجوریں جھڑیں ان میں سے پانچ انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کر دیں۔ اس کے بعد انھوں نے زور سے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے پانی ابل پڑا۔

شام میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے پاس حاضری دی جن سے ملاقات کیلئے ایک اور بزرگ تشریف لائے اور انھوں نے ان سے مشورہ کے انداز میں دریافت کیا کہ میں اپنے ایک مرید کو خرقة دینا چاہتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے؟

انھوں نے جواب دینے کی بجائے موضوع گفتگو ہی بدل دیا۔ اس پر خرقة کے امیدوار نے اس گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے بحث شروع کر دی تاکہ اس کی قابلیت کا علم ہو جائے۔

اس پر وہ بزرگ بولے کہ یہ مرید ابھی لائق خرقة نہیں ہوا۔

مزید انھوں نے فرمایا۔

”خرقة بذاتِ خود کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ اس کی اہمیت خرقة پوش کے کردار پر منحصر ہوتی ہے“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے۔ بغداد کے سفر سے واپسی میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا گذر ایک بار پھر بخارا سے ہوا۔ آپ نے یہاں حضرت شیخ سیف الدین



فردوسیہ علیہ السلام کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ انھوں نے آپ کو دیکھا تو پیشین گوئی فرمائی کہ یہ نوجوان معروف مشائخ عالم میں شمار ہوگا۔ کچھ روز حضرت شیخ سیف الدین فردوسیہ علیہ السلام کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام نے ملتان کیلئے رخت سفر باندھ لیا۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام واپس پلٹے تو بخارا میں حضرت اجل شیرازی علیہ السلام کے یہاں حاضری دی۔ دیکھتے ہی فرمایا: ”بیائے لنگر عالم۔ نیک آمدی“ چند دن ان کی خدمت میں قیام رہا۔ ان کی خانقاہ سے کوئی شخص محروم نہیں جاتا تھا۔ کچھ نہ ہوتا تو سوکھا خرما دے کر دعا فرماتے کہ اللہ رزق میں برکت دے۔ جس کو یہ دعا دیتے وہ زندگی بھر کسی کا محتاج نہ ہوتا۔ جب درویشوں کے متعلق گفتگو چلی تو حضرت جنید علیہ السلام کا یہ قول بیان فرمایا کہ فقیر کو اہل دنیا سے راہ و رسم کھنا اور امیروں سے ملنا قطعاً حرام ہے۔

ایک روز بخارا کے ایک غار میں ایک بزرگ کو عبادت میں مصروف پایا۔ انھوں نے فرمایا: اے فرید میں ساٹھ سال سے یہاں رہتا ہوں کوئی گھڑی ایسی نہیں گذرتی جو مجھ پر بلا نازل نہ ہوتی ہو اور جب بلا نازل نہیں ہوتی تو گریہ و زاری کر کے خود اس کیلئے استدعا کیا کرتا ہوں جب مرضی دوست آزمائش و بلا میں ہے تو میں کیوں نہ اس کی آرزو کروں۔ بلاؤں پر ثابت و صابر رہنا چاہیے۔

آگے بڑھ کر ایک حجرے میں شمس العارفین علیہ السلام کے ایک مرید سے ملاقات ہوئی۔ 34 سال سے معتکف تھے۔ فرمایا جبرود ہشت طاری ہے لیکن نجات رضائے دوست ہی میں ہے۔ پھر ایک اور ایسے ہی بزرگ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ حق سے یگانگی کی خاطر سب سے بیگانہ ہو جانا چاہیے۔ رات کو عالم غیب سے لذیذ کھانا ملا، رات گزار صبح کو جو دیکھا تو وہ بزرگ غائب و لاپتہ تھے۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے حضرت شیخ سیف الدین فردوسیہ علیہ السلام کے یہاں چند روز قیام کیا۔ انھوں نے جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام سے ملاقات فرمائی تو فرمایا کہ ”کہ یہ نوجوان مشائخ روزگار میں سے ہوگا اور تمام جہان میں اس کے مرید و فرزند ہونگے“

اس کے بعد انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کو سیاہ گدڑی مرحمت فرمائی۔ حضرت شیخ سیف الدین فردوسیہ علیہ السلام کا دسترخوان ہر کسی کیلئے حاضر تھا۔ ایک بار ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ اس کے پاس مال ہے مگر اس میں نقصان برابر ہو رہا ہے اور علاوہ ازیں وہ مختلف بیماریوں میں بھی مبتلا ہے۔

حضرت شیخ سیف الدین فردوسیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا

”دولت کا نقصان زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہوتا ہے اور جسمانی بیماری باطنی صحت کی علامت ہے“

اس طویل سیاحت کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ملتان پہنچے اور اپنی والدہ گرامی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ والدہ محترمہ نے اپنے لخت جگر کو سینے سے لگایا اور بے شمار دعاؤں سے نوازا۔ انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے سفر کی روند ادنیٰ اور پھر فرمایا کہ تم نے اپنے پیرومرشد کے حکم کی تعمیل کر دی ہے، انشاء اللہ وہ تجھ سے راضی ہو جائیں گے۔

کچھ دن والدہ محترمہ کی خدمت کرنے کے بعد آپ نے ان سے دہلی جانے کی اجازت طلب فرمائی، جب آپ کو مادر محترم سے اجازت مل گئی تو خوشی خوشی دہلی جانے کی تیاری کرنے لگے۔ بخارا سے واپسی کے بعد جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ملتان پہنچے تو روایت ہے کہ انھوں نے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری دی۔

”حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخارا سے ملتان آئے اور حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا :

”کہاں تک ترقی کر لی؟“

جواب دیا : ”اگر آپ کی کرسی کو اشارہ کر دوں تو مع آپ کے ہوا میں اڑنے لگے“

یہ کہنا تھا کہ کرسی نے بلند ہونا شروع کیا تو حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ سے دبا کر اسے نیچے لے آئے۔ فرمایا:

”مولانا فرید خوب ترقی کی ہے“

سیاحت کے سلسلہ میں کسی تذکرہ نگار نے دو واقعات کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ حرمین شریف کی زیارت سے مُشرف ہوئے تھے اور حاجی کہلاتے تھے، مگر خدا جانے اس کی عام طور پر روایت کیوں نہیں کی گئی۔ دوسرے یہ کہ ملتان پہنچ کر والدہ صاحبہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوئے اس حاضری کے کم و کیف کا نقشہ تصور میں جمایا جاسکتا ہے۔ پہنچتے ہی قدموں پر گرے والدہ صاحبہ نے اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ طرفین کی خوشی نے گریہ کی صورت اختیار کر لی۔ آخر کار تکان و نقاہت ملاحظہ کر کے والدہ صاحبہ نے تسلی دی کہ سفر نمونہ سقر ہوتا ہے۔ اس لئے مشقت و کمزوری ناقابل توجہ ہیں۔ باطنی جائزہ لے کر فرمایا۔ سفر وسیلہ ظفر بھی ہے۔ الحمد للہ تمہیں ظفر و نصرت نصیب ہوئی۔ جواب

میں خاکساری و عجز کے ساتھ والدہ صاحبہ کی شفقتوں کا اعتراف زبانِ حال سے کیا۔ جب کچھ عرصہ قیام کر لیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا اب خدمتِ شیخ میں جانے کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ لہذا تمہیں جانا چاہئے۔ یہ حکم پا کر خوشی سے اُچھل پڑے اور قدموں پر سر رکھ دیا۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے راستے پر گامزن ہوئے تو مرشد سے ملاقات کے تصور سے ان کے دل کی عجیب ہی حالت تھی اور وہ اس قدر مضطرب تھے کہ فوراً اڑ کر مرشد کی خدمت میں پہنچ جانا چاہتے تھے۔ دہلی کی راہ انہیں اب غیر معمولی طور پر طویل لگ رہی تھی۔ جب آپ دہلی پہنچ گئے تو آپ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا پتہ پوچھا اور جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آستانہ قطب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پہنچے تو فطرہ عقیدت و جوش جذبات سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پر ایک عجیب سا عالم طاری ہو گیا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدت سے سر خم کیا اور خانقاہ کے سامنے زود بانہ ساکت و صامت کھڑے ہو گئے۔ پھر جب ذرا سنبھلے تو فوراً شوق سے لرزتے ہوئے خانقاہ عالیہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تدریس میں مشغول تھے اور ان کی مجلسِ عرفاں میں اس وقت حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمود رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علاؤ الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بھی جلوہ افروز تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اندازِ بے نیازی سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور دوبارہ درس میں مشغول ہو گئے۔

اس بے نیازی پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہوں کے سامنے ہر چیز دھندلانے لگی اور ان کے دل میں خیال آیا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ جس ہستی نے انہیں دشت و جبل اور نگر و نگر کی سیاحت پر روانہ کیا تھا اسی کی نگاہوں میں آج اجنبیت تھی اور آشنائی کی کوئی ریق تک نہ تھی۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سوچنے لگے اب کیا ہوگا؟ کیا انہیں دوبارہ یاد دہانی کرانا پڑے گی کہ ان کا فرید آیا ہے؟

طالب علم فرید.....

جس سے ان کی پہلی ملاقات ملتان میں ہوئی تھی۔

کیا انہیں یاد دلانا پڑے گا کہ انہوں نے ہی حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں انہیں حکم سیاحت دیا تھا؟

اگر پھر بھی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے شاسانی کا اظہار نہ کیا تو کہہ جاؤں گا؟ ابھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ انہی خیالوں میں غطاں و پیچاں تھے کہ ان سماعت تک چند الفاظ گویا سارے جہان کی شیرینیاں سمیٹے امرت کاروپ دھار کر داخل ہوئے۔

”بابا فرید! سب کام مکمل ہو گئے ہیں نا؟“

یہ الفاظ سنتے ہی گویا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے تن بدن میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ وہ جو کسی ستون کی طرح ساکت کھڑے تھے اور حاضرین میں سے کسی نے انہیں بیٹھ جانے کیلئے بھی کہا تھا مگر ان کے دل و دماغ میں اک عالم ہیجان برپا تھا، اب لپک کر آگے بڑھے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ ان کی آنکھوں سے اشکوں کا میل جاری ہو گیا اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس ساون کی چھم چھم میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے لبوں سے بس یہی الفاظ نکل رہے تھے۔

”یا شیخ! اگر آپ اس فقیر کو نہ پہچانتے تو اس کا ٹھکانہ کہاں ہوتا؟ پھر اسے کون پہچانتا؟“

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو تھپکتے ہوئے اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا اور تجدید بیعت فرمائی۔ اس بیعت کے موقع پر بہت سے بزرگ اور عالم بھی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس پاک میں تشریف فرما تھے۔

تجدید بیعت کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو طے کاروزہ رکھنے کا حکم دیا۔ یہ روزہ عام روزوں کے برعکس ایک شام چھوڑ کر اگلی شام کو افطار کیا جاتا ہے۔ اس روزے کے دوران عبادت و ریاضت کیلئے گوشہ تنہائی درکار تھا، لہذا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو غرنی دروازے کے ساتھ ایک برج میں ٹھہرایا گیا۔ جب تیسرے روز افطاری کا وقت ہوا تو ایک شخص آپ کیلئے طعام لے کر آیا، آپ نے یہ طعام قبول فرمایا مگر اس کو کھانے کے فوراً بعد ہی آپ کو قے ہو گئی اور تمام کی تمام غذا معدے سے نکل گئی۔ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا

واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ درحقیقت وہ شخص شراب نوش تھا جس نے کھانا پیش کیا تھا اور اللہ کو منظور نہیں تھا کہ اس کے بندے کے معدہ میں حرام رزق کا ایک ذرہ بھی رہے اس لئے اس نے قے کرا دی۔ اس کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو طے کا ایک روزہ اور رکھنا ہوگا اور افطار صرف اسی چیز سے کرنا ہوگا جو اللہ غیب سے فراہم فرمائے گا۔ الغرض حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے ایک اور روز کیلئے مذکورہ برج میں قیام فرمایا اور تیسرے روز آپ نے پانی سے روزہ افطار فرمایا اور نماز مغرب کے بعد غیب سے آنے والے طعام کے منتظر ہو گئے۔ عشاء کا وقت ہو گیا، آپ نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد بھی غیب سے کچھ ظہور نہ ہوا۔ اب بھوک ناقابل برداشت ہونے لگی۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ذکر الہی میں مشغول ہو گئے مگر جسم کا اب غذا کیلئے فطری تقاضا بڑھتا جا رہا تھا لیکن دور و نزدیک کھانے کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جب بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پہلو بد لئے لگے۔ پیٹ میں بھوک سے ٹپٹپٹ اٹھنے لگیں۔ معدہ سلگنے لگا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اضطراری حالت میں زمین پر ہاتھ مارا تو کچھ کنکر ہاتھ میں آئے۔ آپ نے وہی کنکر منہ میں ڈال لئے۔ یہ کنکر آپ کے منہ میں جاتے ہی نہایت شیریں مٹھائی کی طرح محسوس ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ بھی کھانے کی کوئی اشتباہ آمیز شے نہ ہو، آپ نے فوراً یہ چیز باہر نکال دی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ بھوک نے زور کیا تو پھر کچھ کنکر اٹھا کر منہ میں ڈال دیے۔ یہ کنکر دراصل وہ نفس کی سرکشی کو ختم کرنے کیلئے ڈالتے تھے، اب کی بار پھر یہ کنکر شیرینی میں بدل گئے۔ آپ نے پہلے کی طرح انہیں اگل دیا، تاہم جب تیسری بار یہی صورت حال پیش آئی تو ان کے دماغ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد تازہ ہو گیا کہ اب افطاری غیب سے ہوگی۔ آپ نے اس شکر و شیرینی کو طعام غیب سے تعبیر فرمایا اور ان کنکروں سے پنی بھوک مٹائی۔

اگلے روز جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرومرشد کے حضور حاضر ہوئے تو انھوں نے متبسم انداز میں فرمایا: ”بابا فرید! روزہ افطار کر لیا؟“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تمام روئیداد سنائی تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور پھر انہیں اسی طرح اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ وہ کنکر ہی تھے مگر جب تمہارے ہونٹوں سے چھو جاتے تو اللہ کی قدرت سے وہ اپنی خاصیت تبدیل کر کے شکر بن جاتے تھے۔ اسی طرح جب

انسان روحانی طور پر پُر ثنائتوں سے پاک ہو جاتا ہے اس کا نفس رام ہو جاتا ہے تو انسان کو نجات حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح سرشار ہو جاتی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں طے کے روزہ کی کامیاب تکمیل اور انعام الہی پر مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ آج کے دن سے وہ ”گنج شکر“ ہیں۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے یہ خطاب آپ کیلئے نکلا تو اس کے بعد تمام لوگوں نے آپ کو ”گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ“ کہنا شروع کر دیا۔

امیر خرد کرمانی صاحب ”سیر الاولیاء“ کا بیان ہے کہ دراصل حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں باب منزہ کے قریبی برج کے ایک حجرے میں ٹھہرائے گئے تھے اور یہی ان کی قیام گاہ تھی۔ طے کے روزے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے وظیفے بتائے۔ ایک چلہ ختم ہوتا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دوسرے چلے کا حکم ملتا۔ اس پر ایک روز حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی کہ یا پیر و مرشد اب اس خادم سے مزید فراق برداشت نہیں ہوتا، لہذا اب خادم کو اپنے قدم مبارک میں بیٹھنے کا موقع دیا جائے۔ اس پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

”بابا فرید! یہ دوری نہیں ہے قرب اور حضوری ہے“

یہ 612ھ کا واقعہ ہے کہ سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے دہلی تشریف لائے۔ جب سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خانقاہ میں پہنچے تو ملنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ حتیٰ کہ شہنشاہ ہند سلطان شمس الدین التمش بھی آپ کی زیارت کیلئے ایک عام آدمی کی طرح حاضر ہوا۔ جب ملاقاتوں اور زیارت کا یہ سلسلہ اختتام کو پہنچا تو سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

”خواجہ! آپ نے مجھے تحریر کیا تھا کہ ایک مرید فرید الدین بھی یہاں موجود ہے مگر میرا خیال ہے ابھی تک وہ سامنے نہیں آیا“

اس پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ فرید بھی ضرور زیارت کیلئے حاضر ہوتا مگر اس وقت وہ ایک برج میں چلکڑ ہے۔

یہ سن کر سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر فرید یہاں نہیں آ سکتا، ہم تو وہاں جاسکتے ہیں نا۔ چلیں ہم ابھی فرید سے ملیں گے۔

سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دہن مبارک سے یہ الفاظ سنے تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک عالم کیفیت طاری ہو گیا اور وہ زیر لب فرمانے لگے کہ فرید کی خوش بختی قابل رشک ہے آج شہنشاہ ہند خود اس کے پاس چل کر جا رہے ہیں۔

جب سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ اکبر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ برج مذکورہ تک پہنچے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس وقت حجرے میں فروکش تھے۔ خوشبو کا ایک جھونکا آیا اور ان کے مشام جاں کو تر کر گیا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً آنکھیں کھولیں تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی آواز ان کی سماعت میں گونجنے لگی۔

”اٹھو فرید! دیکھو آج کون سی ہستی آئی ہے۔ اٹھو اور اپنی قسمت پر ناز کرو کہ میرے مرشد پاک سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس تم سے ملنے کیلئے تشریف لائے ہیں“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرط جذبات سے اٹھنا چاہتے تھے مگر بار بار لوکھڑا کر زمین بوس ہو جاتے تھے۔ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اٹھنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو انھوں نے اپنا سر زمین پہ ڈال دیا اور ان کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ان کی اس حالت کو بغور دیکھتے رہے پھر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔

”کب تک یہ نوجوان مجاہدات کی آگ میں دہکتا رہے گا؟ وہم اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے اس فرزند کی عبادت و ریاضت کو قبولیت کا شرف بخشے“

اتنا فرما کر سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا دایاں بازو تھام لیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے بایاں بازو تھاما۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اس نوجوان کو کامل درویشی عطا فرما۔ دعا سے فارغ ہو کر سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید

الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو سینے سے لگالیا اور سینے سے لگتے ہی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو محسوس ہوا کہ ان کا جسم تیز شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کی نگاہوں کے سامنے سے تمام حجاب ہٹ گئے اور وہ منزل عرفاں میں داخل ہو گئے۔ جن منازل کو حاصل کرنے میں برسہا برس تک مجاہدے کرنا پڑتے ہیں وہ منازل حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نگاہ التفات سے مل گئیں۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مقام عرفانیت 612ھ میں حاصل ہوا۔

دہلی میں قیام کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں ان سے علم ہوتا ہے کہ آپ 613ھ کے لگ بھگ دہلی میں تشریف لائے اور یہاں مجاہدات میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آپ نے ہانسی میں رہائش اختیار فرمائی تو ریاضت و عبادت و مجاہدات کا سلسلہ وہاں بھی جاری رہا۔

614ھ یا 615ھ میں نور الدین غزنوی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے ”شیخ الاسلام“ تھے۔ سلطان شمس الدین التتمش ان کی بے حد تعظیم کرتا تھا اور وہ شرعی معاملات میں بسا اوقات سلطان سے سختی سے بھی پیش آیا کرتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دہلی میں 615ھ کو ان کی موجودگی میں ایک مرتبہ حضرت قطب عالم قدس سرہ العزیز کی خدمت میں سلطان شمس الدین التتمش کا وزیر آیا اور عرض کیا کہ سلطان علیل ہیں، صحت کیلئے دعا فرمائیے۔ اس پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے سب حاضرین کو حکم دیا کہ سلطان کیلئے فاتحہ پڑھو اور وزیر سے فرمایا ”جاؤ انشاء اللہ صحت ہوگی“ اور فرمایا علالت صحت ایمان کی علامت ہے، بیماری سے گناہ دھل جاتے ہیں۔

اسی سال حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھووال تشریف لے گئے۔ شیخوپورہ اور اجمہیانی ضلع بدایوں کے درمیان سڑک کے کنارے ایک گاؤں گنورہ ہے۔ وہاں فقراء کیلئے شاہی زمانہ کی معافی دوام ہے جو بابا صاحب کے نام کی ہے۔ شہرت یہ ہے کہ یہاں چلہ کیا تھا۔ اسی کی یادگار میں اسی زمانہ میں کسی نے زمین معافی کے طور پر لکھ دی تھی۔

قصبہ فرید پور ضلع بریلی میں تحصیل کی عمارت کے قریب یادگار کے طور پر ایک دیوار باقی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحب نے یاں چلہ کیا تھا۔ بریلی کا گزٹیر بتاتا ہے کہ فرید پور کا نام یا بابا فرید کے نام پر رکھا گیا



ہے۔ یاروہیلوں کے گورنر فرید الدین کے نام پر ہے واللہ اعلم۔ اسی طرح مختلف مقامات پر حضرت بابا صاحب کے چٹوں کی روایت ہے۔

جب حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت حاصل ہوگئی تو وہ اس کے بعد دس سال تک دہلی میں مقیم رہے اور عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ اسی دوران 614ھ میں ایک واقعہ پیش آیا، ہوا یوں کہ ان ایام میں دہلی کے قاضی حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور انہیں ”شیخ الاسلام“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سلطان شمس الدین اتمش بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شاہی بدایونی میں کسی معاملے میں ناچاقی پیدا ہوگئی اور دونوں میں بات چیت تک ختم ہوگئی۔ دہلی میں موجود بزرگوں نے دونوں میں کشیدگی ختم کرانے کی کوششیں کیں، جو ناکام ثابت ہوئیں۔

ان دونوں بزرگوں میں صلح کرانے کیلئے حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ آپ حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے کمرے میں چھپا کر سلطان العارفين حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لے گئے۔ یہ شام کے بعد کا وقت تھا اور ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ جب حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا کہ حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں تو وہ باہر تشریف لائے۔ جونہی مصافحہ کیلئے آگے بڑھے حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو آگے بڑھا دیا۔ جونہی سلطان العارفين حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کیا، حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بولے۔

”شیخ شاہی بدایونی! یہ میں نہیں ہوں آپ نے حضرت نور الدین غزنوی سے مصافحہ کیا ہے“

سلطان العارفين حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بولے۔

”حضرت نور الدین غزنوی تو مجھے یہاں نظر نہیں آ رہے؟“

حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا اور حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو سامنے کر دیا۔ سلطان العارفين حضرت شیخ شاہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بہت حیران ہوئے تاہم انہوں نے دوبارہ حضرت نور الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا۔ اس طرح حضرت شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی فراست سے دونوں ناراض بزرگ آپس میں راضی ہو گئے۔

618ھ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بدایوں تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شیخ جلال الدین

تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات فرمائی۔

جن دنوں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ملتان کی ایک مسجد میں زیرِ تعلیم تھے ان دنوں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ملتان آئے تو کسی سے پوچھا کہ یہاں کون کون سے اہل اللہ موجود ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

جب حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں پہنچے تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھتے ہی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں بیٹھ جانے کیلئے کہا تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔

”میں آپ جیسی شخصیت کے سامنے بیٹھنے میں ندامت محسوس کرتا ہوں“

یہ سن کر حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ گویا جھوم اٹھے اور فوراً ایک انار نکالا اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو دیتے ہوئے فرمایا۔

”فرید! اسے رکھ لو، اس وقت درویش کے پاس تمہارے لئے یہی تحفہ ہے“

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روز روزہ رکھا ہوا تھا، لہذا انہوں نے انار لیا اور اس کے دانے نکال کر حاضرین میں تقسیم کر دیئے اور اپنے لئے صرف ایک ہی دانہ رکھا۔

جب حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بولے۔

”میرے لئے یہ ایک دانہ ہی کافی ہے“

اس جواب پر حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ مسرور سے انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں تھے تو ایک روز باتوں باتوں میں انہوں نے اپنے مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ تمام واقعہ عرض کیا اور فرمایا۔

”مجھے علم نہیں ہے کہ وہ بزرگ کون تھے؟“

اس پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بولے۔

”وہ بزرگ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور تمہیں انار دینے کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ فرید! یہ تمہاری بڑی سعادت ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ خود چل کر تمہیں یہ انار دینے گئے۔“

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بولے۔

”مگر میں نے تو صرف ایک ہی دانہ کھایا تھا“

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

”ہاں! مگر اسی ایک دانے میں خزیئہ فیض تھا۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تمہاری دریا دلی اور ساتھیوں سے سلوک پر بہت خوش ہوئے تھے۔“

اس کے بعد جب حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان سے ملا کرتے تھے۔ بعد ازاں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بدایوں چلے گئے جہاں ایک برس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قیام فرمایا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ روایات کے مطابق حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ 612ھ میں بدایوں تشریف لے گئے اور ایک سال بعد 619ھ واپس دہلی تشریف لے آئے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو عام طور پر ”گنج شکر“ کہا جاتا ہے اس ضمن میں مختلف روایات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ ابھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کم سن ہی تھے کہ ان کی والدہ محترمہ نے انہیں نماز پڑھنے کی تلقین کی۔ اس پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں کیا ملتا ہے۔ والدہ نے جواب دیا جو بچے باقاعدگی سے نماز پڑھیں انہیں پہلے تو شکر ملتی ہے اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ انہیں اور بھی بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ننھے ذہن نے اس بات کو گرہ میں باندھ لیا۔ اب ہوتا یہ کہ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے حضور نماز ادا کرتے تو ان کی ماں مصلے کے نیچے ایک کونے میں کچھ شکر رکھ دیتیں۔ بچے میٹھی چیزوں کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نماز ادا کرتے، دعا مانگتے اور مصلے کے نیچے سے شکر اٹھا کر کھا لیتے۔ ایک روز ماں شکر رکھنا بھول گئیں۔ بعد میں یاد آیا تو حضرت بابا

فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا آج تمہیں شکر نہیں ملی؟ اس پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ شکر تو مجھے ملی گئی ہے۔ ان کی والدہ جان گئیں کہ ضرور یہ شکر اللہ کی جانب سے انہیں ملی ہے۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا جو اپنے بندوں کی ہر لحظہ پاسبانی فرماتا ہے۔

ایک روایت یہ کہ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق طے کاروزہ رکھا اور افطاری کیلئے کچھ نہ پا کر انہوں نے کنکر ہی منہ میں بھرتے تو یہ کنکر ان کے منہ میں شکر بن گئے۔ اس پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے انہیں ”گنج شکر“ کا لقب عطا ہوا۔ ”اخبار الاخیار مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ“ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ شکر کے کچھ سوداگر اونٹوں پر شکر لئے جارہے تھے۔ راہ میں ان کا گزر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ہوا تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا۔

”اونٹوں کے کچاؤوں میں کیا بھرا ہوا ہے“

انہوں نے مذاق اڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

”اونٹوں پر نمک لدا ہوا ہے آپ کو کیا چاہیے؟“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

”اگر آپ لوگ نمک کہتے ہیں تو نمک ہی ہوگا“

یہ سوداگر جب منڈی میں پہنچے تو شکر کا سودا کرنے لگے۔ لیکن جب اونٹوں سے بوریاں اتاری گئیں تو ان میں نمک ہی نمک تھا۔

یہ دیکھ کر ان کی لوگوں کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی اور انہیں یاد آیا کہ انہوں نے راہ میں ایک بزرگ سے مذاق کیا تھا۔ غالباً یہ اسی کی سزا ہے۔

منڈی میں لوگ ان سب کا مسخرہ اڑا رہے تھے کہ شکر بتا کر نمک بیچتے ہیں۔

یہ سوداگر واپس حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں پہنچے اور معافی کی درخواست کی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا۔

”مگر تم لوگوں نے کیا کیا ہے جس کی معافی مانگ رہے ہو؟“

اس پر سودا گروں نے وہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بولے  
 ”مسلمان کسی کو بد دعا نہیں دیتا، بہر حال میں تمہارے حق میں دعا کرتا ہوں امید ہے اللہ قبول فرمائیں  
 گے۔“ جب سودا گر یہاں سے واپس گئے تو بوریوں میں نمک کی جگہ اب شکر تھی۔

گنج شکر کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نہایت شیریں بیاں تھے اور  
 جس کسی کے کانوں میں آپ کے الفاظ پڑتے گویا مرت بن کر دل میں اتر جاتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ امراء و سلاطین سے دوری اختیار فرمائی۔ اور دوسروں کو بھی ان کی  
 صحبت سے الگ رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی نے ایک امیر کی  
 مدد قبول کر لی تھی اور اس نے انہیں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرا دی تھی۔ بعد ازاں وہ غبن کے سلسلے میں ماخوذ ہوا  
 اور حضرت بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں بات خانقاہ سے گذر کر ان کی ذات تک نہ آ پہنچے۔ اس صورت حال  
 میں انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو عریضہ تحریر کیا اس کے بارے میں سیر العارفین میں درج  
 ہے کہ

”آپ نے اپنے پیر بھائی شیخ بدر الدین غزنوی کو دی، جو حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلفاء میں سے  
 تھے۔ دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کیلئے ایک خانقاہ بنوا دی تھی اور ان کے آرام و آسائش کا سارا سامان  
 بہم پہنچایا کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ زکثیر کے غبن کے الزام میں ماخوذ ہوا۔ شیخ بدر الدین کے کام میں بھی خلل پڑنا  
 شروع ہوا۔ انھوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط لکھا۔ سارے حالات بیان کیے اور درخواست  
 دعا کی۔

بابا صاحب نے رقمہ پڑھا تو سر مبارک کو بلایا اور جواب میں لکھا۔  
 عزیز الوجود کا رقمہ ملا اور جو کچھ اس میں درج تھا۔ اس سے آگاہی ہوئی جو کوئی اپنے بزرگوں کی روش پر نہ چلے گا۔ ضرور  
 ہے کہ اُسے اس طرح کا ماجرہ پیش آئے اور وہ غم و الم سے دو چار ہو۔ آخر ہمارے پیرانِ عظام میں سے کون تھا، جس  
 نے اپنے لئے خانقاہ بنوائی؟ اور اس میں جلوس فرمایا ہو۔“  
 اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امراء سے وابستہ فتنوں کی حقیقت سے آگاہ تھے اس لئے ہمیشہ ان سے دور رہتے  
 تھے اور دوسروں کو بھی دور رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

شادی سنت رسول ﷺ ہے اور قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو شادی کا حکم دیا ہے۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ چونکہ درویشی کے راستے پر چل رہے تھے اور اس راہ کے مسافروں کا دھیان صرف ایک ہی منزل کی جانب رہتا ہے۔ اس لئے انھوں نے بھی کافی عرصہ تک شادی نہیں کی۔ ایک بار حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ فرمایا کہ جب تک درویش آخضر مہمند کی ایک ایک سنت پر عمل پیرا نہ ہو، اس کی درویشی مکمل نہیں ہوتی۔ اس پر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ نے ارادہ کر لیا کہ وہ یہ سنت بھی پوری کریں گے اور اس طرح ان کے مرشد کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ کو یہ حکم حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ نے 621ھ میں دیا تھا۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ جب بھی حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ سے شادی کا تذکرہ کرتے، حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ شرم و حیا سے سر جھکا لیتے اور لبوں سے کچھ نہ بولتے۔ اس پر ایک روز حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ نے پوچھا۔

”کیا بات ہے فرید! جب بھی تم سے شادی کی بات کی، تم نے سر جھکا لیا، مگر کبھی ہاں یا ناں میں جواب نہیں دیا؟“

اس پر حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ نے فرمایا۔

”پیر و مرشد! شادی کرنے میں درویش کو کوئی عار نہیں، مگر اندیشہ کہ کہیں اولاد سعادت مند نہ نکلے تو روز قیامت اللہ کے سامنے ندامت ہوگی“

اس پر حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

”فرید! تم روشن پہلو کو مد نظر کیوں نہیں رکھتے؟ مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ خیر کی توقع رکھے، لیکن اس کے باوجود اگر تمہارے دل میں دھڑکا ہے تو ہم تم سے ایک عہد کرتے ہیں، کہ سعادت مند اولاد تمہاری اور جو سعادت مند نہ ہو وہ ہماری۔ اس کے بعد اللہ جانے اور ہم جانیں، اب تم شادی کی تیاری کرو“

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ نے 621ھ میں ایک خاتون نجیب النساء سے عقد فرمایا جو ہانسی میں مقیم تھیں۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ بھی بارہ برس تک ہانسی میں مقیم رہے اور یہاں نجیب النساء کے بطن سے ان کی سات اولادیں تولد ہوئیں، مگر ان میں سے چھ چھوٹی عمر میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ایک صاحبزادی شرف النساء حیات رہیں، جن کا عقد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ نے اپنے بھانجے حضرت علاؤ الدین صابر

کلیری علیہ السلام سے کیا۔

634ھ میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام نے ایک اور نیک سیرت عورت ’خاتون بیگم‘ سے عقد فرمایا، ان کے بطن سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کی کئی اولادیں ہوئیں اور نسل فریدی کو فروغ ہوا۔ روایت ہے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام نے سید قیام الحق کے انتقال کے بعد اس نیت سے ان کی بیوہ سے عقد فرمالیا تھا تا کہ اس نیک سیرت خاتون کی کفالت فرما سکیں۔

علاوہ ازیں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کی ہمیشہ بی بی ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے بھی آپ ہی کی کفالت میں تھے۔ مختلف روایات میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کی ازواج کی تعداد مختلف ہے جو زیادہ سے زیادہ پانچ تک ہے۔ حضرت بی بی ام کلثوم

بی بی ام کلثوم سید انعام الحق کی بیوہ تھیں 639ھ میں ان سے نکاح کیا۔ ان کا مزار اجدہن میں ہے۔ ان کے صاحبزادے کا نام نصیر الدین تھا

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کی صلیبی اولاد کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے جن میں سے کچھ بچے کم سنی ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

(1) حضرت شہاب الدین گنج علم علیہ السلام

(2) حضرت نظام الدین شہید علیہ السلام۔ عہد غلجی میں بمقام رحمتیہ شہید ہوئے۔

(3) حضرت بدر الدین سلیمان۔ بعض نے ان کو فرزند اکبر لکھا ہے۔

(4) حضرت شیخ محمد یعقوب۔ امر وہہ جا کر مردان غیب میں شامل ہو گئے۔

(5) حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام۔ اہلبیہ بدر الدین اسحاق علیہ السلام مزار دہلی میں ہے۔

(6) حضرت بی بی شریفہ علیہا السلام۔ مشہور ہے کہ ان کو خلافت دینا چاہتے تھے ’مگر کشفی تذکرہ کے مطابق بیچن میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

(7) شیخ عبداللہ بیابانی علیہ السلام۔ مفدول نے بیچن میں شہید کیا ’مزار پاکپتن میں ہے۔

(8) بی بی مستورہ۔ سن بلوغ میں یا بعد شادی انتقال ہوا۔ ان کے شوہر کا نام شیخ عمر صوفی بتایا جاتا ہے۔

(9) بی بی ہاجرہ اور بی بی زینب ’صرف کشفی تذکرہ نے یہ نام بتائے ہیں انتقال شیرخوارگی میں ہوا۔

حضرت نجیب النساء سے درج ذیل اولاد ہوئی

(1) خدیجہ عرف شرف النساء۔ اہلیہ مخدوم صابر علیہ السلام۔

(2) اصغری۔

(3) بصری

(4) محمد نعیم الدین

(5) محمد سلطان الدین

(6) محمد فرید بخش

(7) عزیز الدین۔ ایک مہمل روایت کے مطابق یہ جلال صابری کی نذر ہوئے۔

غیاث الدین بلبن کو سلطان شمس الدین التمش نے 628ھ میں بخارا کے تاجروں سے خریدا، تب اس کا نام الغ خان تھا۔ جلد ہی اس کا شمار شمس الدین التمش کے معتمدین میں ہونے لگا اور سلطان نے اپنی وفات سے قبل اپنی ایک صاحبزادی کا عقد الغ خان سے کر دیا۔

یہ سنتے ہی الغ خان نے اپنا سر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے قدموں میں ڈال دیا اور ان کی نظر کرم کا خواستگار ہوا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام نے فرمایا۔

”الغ خان! اٹھ جاؤ، فقیر تمہارے حق میں دعا کرے گا۔ اگر اللہ کو منظور ہو تو تم بادشاہ بن جاؤ گے۔ اگر اسے منظور نہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آگے دم مار سکے یا اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ جاؤ! فیاضی اور سخاوت سے کام لو، یہ چیزیں تمہارے کام آئیں گی“

الغ خان نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کے اس ارشاد پر عمل کرنا شروع کر دیا اور 664ھ میں جب سلطان ناصر الدین محمود اس جہان فانی سے عالم بقا کو روانہ ہوا تو الغ خان کو اتفاق رائے سے نیا بادشاہ منتخب کر لیا گیا، اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب اختیار کیا اور تاریخ میں اسی نام سے محفوظ ہو گیا۔

اپنے دور اقتدار میں وہ اکثر اس بات کا اعتراف کیا کرتا تھا کہ اس کی بادشاہی دراصل حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ السلام کی دعاؤں کا ثمر ہے۔



حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ماہ ربیع الاول میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی، چار دن مرشد کی خدمت میں مصروف رہے۔ اسی دوران محفل سماع منعقد ہوئی جس میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی اور اس کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے واپس ہانسی جانے کیلئے اجازت طلب فرمائی تو انہوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو سینے سے لگایا اور فرمایا۔

”فرید! تم دونوں جہانوں میں میرے رفیق ہو، میرا مقام دراصل تمہارا مقام ہے۔ میں تمہاری امانت قاضی حمید الدین ناگوری کو دے جاؤں گا“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان سے رخصت ہو کر ہانسی چلے آئے چند یوم بعد شب کو خواب میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں فوراً چلے آنے کیلئے فرمایا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ خواب سے بیدار ہوئی تو رات کا پچھلا پہر تھا۔ آپ بموجب خواب رخت سفر باندھنے لگے تو شریکۂ حیات نجیب النساء بیگم نے عرض کیا۔

”یا حضرت! کہاں کا ارادہ ہے؟“

”مجھے دہلی جانا ہے“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔

”مگر دہلی سے تو آپ کو تشریف لائے ہفتہ بھی نہیں ہوا“

نجیب النساء نے حیرت سے کہا۔

”ہاں! مگر مجھے ابھی جانا ہے۔ پیرو مرشد میرے منتظر ہیں“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اک عالم وارفتگی میں جواب دیا۔

اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے صبح ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور فوراً عازم دہلی ہوئے۔ چوتھے روز دہلی پہنچے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کیلئے گویا ساری دنیا ہی بدل چکی تھی۔ دہلی کے آفتاب ولایت اور ان کے مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ عالم بالا کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ دہلی کا گوشہ

گوشہ ان کے غم میں یاسیت کے لبادے میں ملبوس تھا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ لڑکھڑاتے قدموں سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرامگاہ پر پہنچے۔ وہاں پہنچتے صبر و ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دیوانہ وار مرقد سے لپٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ بدن مبارک بچکیوں سے لرزنے لگا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بارے میں ایک اور روایت بھی کہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو سماع سے گہری دلچسپی تھی ”فوائد الفوائد“ میں ہے کہ ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ قطب الدین علی سہستانی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، جہاں سماع کی محفل عروج پر تھی اور قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را  
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یہ شعر سن کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت ہی بدل گئی اور بے ہوشی طاری ہو گئی انہیں واپس لایا گیا مگر جب ہوش آیا تو قوالوں کو بلا کر وہی شعر پڑھنے کیلئے فرمایا۔ انہوں نے وہ شعر پھر پڑھا تو پھر وہ بدطاری ہو گیا۔ الغرض چار دن اور راتوں تک یہی کیفیت اور یہی عالم رہا اور پھر اسی عالم میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وصال 27 دسمبر 1235ء ہے۔ اگلے روز قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ خرقہ پیش کیا، جو سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ زیپ تن کر چکے تھے اور جو بعد ازاں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پسینے سے معطر ہوتا رہا تھا۔

خرقے کو دیکھ کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اسے قبول کرنے میں متامل ہوئے تو قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وصیت تھی کہ جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آئیں تو یہ خرقہ چشتیہ اور دیگر تبرکات ان کے حوالے کر دیے جائیں کہ ان کے علاوہ ان تبرکات گراں مایہ کا اہل کوئی اور نہیں ہے۔ اس خرقہ چشتیہ کے ساتھ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کھڑاؤں (لکڑی کے نعلین)، عصا اور مصلّا

بھی پیش کر دیا گیا۔

خرقہ حاصل کرنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور ان کی سماعت میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ گونجنے لگے: ”میرا مقام دراصل تمہارا ہی مقام ہے“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے رقت انگیز انداز میں حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

”میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں انہوں نے میرے سپرد ایک گراں بہا امانت اور ذمہ داری کی ہے، آپ سب سے گزارش ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں اس بار گراں کا متحمل ہو سکوں اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کو زندہ رکھ سکوں“

روایات کے مطابق حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ قریباً سات روز تک حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر نشین رہے اور اس کے بعد اس مسند خلافت سے واپس ہانسی تشریف لے گئے۔

اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رہا کہ اکثر دہلی تشریف لاتے اپنے پیرو مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد کی زیارت کرتے اور صوفیاء و درویشوں سے ملاقاتیں فرماتے اور چند روز قیام کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دوسری شادی کے بعد سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کیلئے اجمیر تشریف لے گئے اور وہاں صندل مسجد کے پیچھے جہاں سے ایک زینہ سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی جانب جاتا ہے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چلہ کاٹا۔ اس مقام پر ایک کھڑکی تھی جسے بعد ازاں بند کر دیا گیا اور اسے صرف 6 محرم کو زائرین کیلئے کھولا جاتا ہے، جہاں سے وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مقام چلہ کشی کی زیارت کر سکتے ہیں۔ روایت ہے کہ سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سامنے چلہ کشی کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے علوم معرفت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

اجمیر سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کا رخ کیا۔ ان کی آمد سے دہلی والوں کے

چہرے مسرت سے دمکنے لگے۔ اس بار حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک خاص مقصد سے دہلی تشریف لائے تھے اور وہ مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے پیرومرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد کا کوئی نشان قائم کر دیں۔

درحقیقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے قبل وصیت کی تھی کہ ان کی قبر زمیں کی سطح کے برابر رکھی جائے اور باہر سے کوئی نشان معلوم نہ ہو۔ مگر اب چونکہ اس مقام پر قبر کا کوئی نشان نہیں تھا، اس لئے باہر سے آنے والوں کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس خاک تلے کون سا آفتاب معرفت موحوب ہے۔ اس صورت حال حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بہت بے چین رہتے تھے۔ وہ شب کو رو کر گریہ کرتے، بالآخر خواب میں انہیں یہ اشارہ مل گیا کہ وہ مرقد پر مٹی ڈال کر اسے بلند کر دیں۔ صبح ہوتے ہی تمام لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کمر پر مٹی ڈھوڈھو کر لا رہے ہیں اور مرقد پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کام میں شریک ہونا چاہا مگر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں منع کر دیا۔ دن بھر میں انھوں مرقد کو بلند کر دیا اور سوچا کہ اگلے روز وہ اس مٹی کو برابر کر دیں گے، مگر اسی شب پھر خواب میں انہیں تاکید کی گئی کہ مرقد کا نشان تو بن گیا ہے۔ اب اسے اسی طرح ناہمواری رہنے دیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے مرقد کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ بعد ازاں بزرگان چشت نے اس مرقد پر ایک سانبان تعمیر کرا دیا، تاکہ باد و باران سے متاثر نہ ہو۔ نواب خورشید جاہ آف حیدر آباد نے اس مزار کے ارد گرد سنگ مرمر کی خوبصورت ریلنگ بنوادی، جو 1947ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گئی تاہم بعد میں مسٹر مہاتما گاندھی نے یہ جنگلاد و بارہ تعمیر کرا دیا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس تک ہانسی میں قیام کیا اور اس کے بعد جب یہاں رشد و ہدایت کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تو آپ نے اجودھن کا رخ کیا۔ اجودھن میں اس وقت اگرچہ مسلمان بھی واضح تعداد میں تھے، لیکن غیر مسلموں کی بھی ایک اکثریت وہاں آباد تھی، اس لئے اب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمایا کہ تبلیغی سرگرمیوں کیلئے اجودھن کو مرکز بنایا جائے۔

اگرچہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں بھی اگرچاہتے تو مسجد خلافت پر جلوہ گرہ سکتے تھے، مگر دہلی دارالحکومت تھا جہاں ہر وقت سیاسی سرگرمیوں کا زور رہتا تھا اور پھر وہاں موجود بڑے بڑے بزرگ اور عالم بھی

ان سرگرمیوں میں دلچسپی لے رہے تھے۔ اس لئے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے مناسب یہی خیال کیا کہ اجودھن میں قیام کیا جائے۔

جب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اجودھن کی جانب گامزن ہوئے تو ان کے ساتھ ان کے کم سن بچوں کے علاوہ، چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ، بھانجے علی احمد صابری رحمۃ اللہ علیہ، سرہنگا مجذوب اور چند عقیدت مند تھے۔

اجودھن پہنچ کر یہ نے شہر سے باہر درختوں کے ایک جھنڈ میں قیام فرمایا، جہاں نزدیک ہی ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی۔ اگرچہ اب اہل قافلہ کے پاس سامانِ خورد و نوش کی قلت تھی مگر سب کو اللہ پہ بھروسہ تھا۔ اجودھن میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کا چرچا ہوا تو کچھ اہل ثروت کی توجہ ان کی جانب ہوئی اور جب ان کی مفلسی اور درویشی کا حال دیکھا تو انہوں نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی درخواست حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے منظور تو کر لی مگر صرف اس حد تک کہ درویشوں کی سانسوں کا تسلس قائم رہے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ خود طعام کی لذتوں سے دور ہی رہتے تھے اور اکثر اہلی ہوئی بے نمک ترکاریاں استعمال فرماتے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت اس بات پر عمل پیرا تھے کہ کھانا زندگی کیلئے ہے مگر زندگی کھانے کیلئے نہیں ہے۔

اجودھن میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو جن کی عمر قریباً بارہ برس تھی، چند شریکوں نے شہید کر دیا۔ حاکم اجودھن چونکہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے عداوت رکھتا تھا اس لئے یہ بھی کہا جانے لگا کہ اس واردات کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ حاکم اجودھن کیلئے بددعا فرمائیں۔

مگر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت صبر و استقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے کہا۔  
”مسلمان کسی کو بددعا نہیں دیتا، پھر جس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہی دوسروں کو دیتا ہے۔ میں بھی وہی دول گا جو میرے پاس ہے“

اسی طرح ایک بار حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے

اور تمام مرید خاموش اور مودب بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک قلندر وہاں آیا، اس نے جب سکوت کا یہ عالم دیکھا تو زور سے بولا۔

”فرید! یہ تماشا کیا ہے؟“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی نرمی سے فرمایا۔

”آپ کس تماشے کی بات کر رہے ہیں؟“

قلندر نے کہا۔

”کیا یہ تماشا نہیں ہے کہ خود پتھر کے دیوتا کی طرح بنے بیٹھے ہو اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتے ہو“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے پھر بڑی متانت سے جواب دیا۔

”میری کیا مجال کہ میں اپنی ذات کو کچھ بناؤں، جو کچھ بھی ہوں اللہ نے بنایا ہے“

قلندر مزید کرخٹ لہجے میں گرجا۔

”نہیں تم نے خود اپنی ذات کو بت بنالیا ہے“

اس پر بھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی شکن آلود نہ ہوئی اور آپ نے اسی شیریں

انداز میں فرمایا۔

”بالکل نہیں! کوئی انسان اپنے آپ کو کچھ نہیں بنا سکتا، ہاں اللہ جسے چاہے اپنے بندوں میں سرفراز

فرمادے“

اس پر قلندر نے پر مسرت انداز میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور

بولا۔

”شیخ! آپ کے صبر و تحمل پر آفرین ہے۔ اللہ کرے یہ صبر و تحمل ہمیشہ قائم رہے“

یہ قلندر درحقیقت حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے صبر و تحمل کی آزمائش کر رہا تھا اور حضرت بابا

فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس آزمائش پر پورے اترے تھے۔

اجودھن کا حاکم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ واسطے کا بیر رکھتا تھا اور جب اس نے دیکھا

کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادے کی شہادت پر بیکیہ استقامت میں اور اجودھن سے جانے

کانام نہیں لے رہے تو اس نے ایک سوالنامہ تیار کر کے علمائے ملتان کے پاس روانہ کیا تا کہ ان کے فتوے کے بعد اسے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے علاقے سے بے دخل کرنے کا جواز مل جائے۔ اس کا پہلا سوال ہی نہایت خطرناک تھا لکھا تھا۔

”اجودھن میں ایک شخص ہے جس کا قیام مسجد میں ہے اور وہاں گانا سنتا ہے اور پھر خود رقص کرتا ہے“ اگرچہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سماع سنتے تھے اور سماع کے بارے میں مختلف لوگ مختلف آراء رکھتے ہیں مگر آپ سماع ہمیشہ خانقاہ میں سنتے تھے۔ اس سماع کے دوران بسا اوقات ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جسے حاکم نے ”رقص“ کا نام دے دیا۔

پہلا سوال ہی بھڑکا دینے والا تھا اس لئے علماء چونک اٹھے اور انہوں نے پوچھا۔

”اس شخص کا نام کیا ہے جو اس طرح کی حرکتوں میں مبتلا ہے“

”اس کا نام فرید الدین مسعود ہے اور وہ اجودھن میں رہتا ہے“

حاکم نے تیز لہجے میں کہا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتے ہی علماء کی کیفیت بدل گئی اور انہوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

”اب ان کا نام ادب سے لینا، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہرگز ہرگز خلاف شرع کوئی کام نہیں کر سکتے“

علمائے ملتان نے اتنا کہنے کے بعد اس سوالنامے کو پڑے پڑے کر دیا۔ اس سے جہاں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کا علم ہوتا ہے وہیں علمائے ملتان کی فراست کا بھی علم ہوتا ہے ورنہ ماضی سے لے کر حال تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کسی شخص کی بات یا تحریر کو توڑ موڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور پھر اس شخص کو صفائی کا موقع دیے بغیر ہی فتویٰ جاری کر دیا جاتا ہے۔ اسلام ہر معاملے میں اچھی طرح تحقیق کا حکم دیتا ہے اور ان لوگوں کے خلاف بھی جو محض نام کے ہی مسلمان ہوں سخت اقدامات کی اجازت نہیں دیتا۔

حاکم اجودھن ملتان سے بے نیل مرام لوٹا، اب اس نے ایک ملنگ خرید لیا اور اسے قائل کر لیا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ اس ملنگ کی آنکھوں پر اس نے ثواب کی پیٹیاں باندھیں،

دماغ میں لالچ کی ہوا دی اور ہاتھ میں تیز دھار خنجر تھما دیا۔

یہ ملنگ سیدھا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں پہنچا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نماز ادا کے کرنے کے بعد بھی سجدہ کی حالت میں سر خاک پہ ڈالے رہتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس روز وہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے انھوں نے دیکھا ایک ملنگ چڑے کے لباس میں ملبوس، کانوں میں بالے ڈالے خانقاہ میں ٹپکتی ہوئی نگاہوں سے داخل ہوا۔

وہ سیدھا حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور زور سے آواز دی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ عالم جذب سے نکل آئے مگر سر نہ اٹھایا اور فرمایا۔

”کیا یہاں کوئی ہے؟“

اس پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بولے۔

”یا حضرت! خادم حاضر ہے“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

”مولانا! اس ملنگ کے پاس چھری ہے اور یہ درویش کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہے“

یہ سنتے ملنگ لرز اٹھا، کسی ان دیکھی طاقت نے گویا اس کی ساری جسمانی اور ذہنی طاقتیں سلب کر لیں۔

اسی عالم میں اس کی سماعت میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ پہنچے۔

”مولانا! اسے کہہ دیں کہ یہ درویش کو قتل نہیں کر سکتا، میں اسے معاف کرتا ہوں یہ فوراً یہاں سے چلا جائے“

یہ سنتے ہی ملنگ کے حواس واپس آ گئے اور تیزی سے بھاگتا ہوا حاکم اجودھن کے پاس جا پہنچا اس نے

اس کا خنجر اسے واپس لوٹاتے ہوئے کہا۔

”میں اس مردِ قلندر کو قتل نہیں کر سکتا، بلکہ دنیا میں شاید کوئی بھی اس فقیر کا بال تک پکا نہیں کر سکتا“

اس کے کچھ روز بعد وہ حاکم بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا اور اس طرح اس کی سازشوں کا باب ہمیشہ کھلنے بند ہو گیا۔

اجودھن کا قاضی عبداللہ بھی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے پرغاش رکھتا تھا۔ ایک بار حضرت

بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اجودھن کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے تشریف لے گئے۔ اس مسجد کا امام بھی اسی



قاضی کا مقرر کردہ تھا۔

ایک بار امام نے نماز پڑھائی تو دورانِ نماز اس سے غلطی ہو گئی۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز دوبارہ ادا کی جائے۔ امام دوبارہ نماز نہیں پڑھانا چاہتا تھا مگر لوگوں کے اصرار پر اسے نماز پڑھانا پڑی۔

اس پر قاضی عالم غرض میں کہنے لگا۔

”پتہ نہیں یہ بیکار قسم کے لوگ کدھر کدھر سے آ کر اچھڑاؤں میں جمع ہو گئے ہیں“

اس پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں نے بولنا چاہا تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں خاموش کرادیا۔ اس واقعہ کے کچھ روز بعد قاضی پر فالج کا ٹیک ہو گیا اور اس کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا۔ قاضی کچھ شکر، آنا اور ایک بکری بطور نذر لے کر آیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صبر کی تلقین فرمائی مگر وہ بدستور معافی کیلئے گڑگڑاتا رہا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قرآن پاک سے فال نکالی، مگر اب اس قاضی کی قسمت میں نہیں تھا کہ وہ دوبارہ اپنی پہلی حالت پہ واپس آ جاتا۔ قاضی گھر پہنچا اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

عمر بھر کی باقی رہنے والی جدوجہد جب روح کے نقطہ کمال کو پہنچی تو حضرت فرید گنج شکر مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو روح الارواح نے اپنی طرف کھینچ لیا رجعت کا وقت رات میں مقرر تھا۔ رات عشاق کیلئے عید ہوا کرتی ہے یہ روح پاک یہ کہتی ہوئی مرکز کی طرف چلی گئی۔

در کوئے تو عاشقان چناں جان بدہند

کاخجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

محرم کے پانچویں روز دن میں قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ پھر ذکر میں مشغول ہوئے۔ فارغ ہو کر شام کے وقت حاضرین سے کہا

” تنہا چھوڑ دو بلا نے پر آ جانا “

عشاء کی نماز پڑھی۔ فوراً ہی پیغام آ گیا سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ یہ غشی خدا جانے کیسی تھی مگر ہوشیاری کے معنی کھتی تھی۔ اس غشی کے معاہدے کو انتہائی محویت کہا جاسکتا ہے اس سے رجوع الی اللہ کے معنی کھلتے ہیں۔

حاضرین باہر سے اندر آگئے ہوش میں آئے تو دریافت فرمایا

”کیا میں نے نماز پڑھ لی؟“

جواب دیا گیا۔

”آپ نماز ادا فرما چکے ہیں“

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا

”اگر دوبارہ پڑھ لوں تو کیا مضائقہ ہے“

بعد ادا سے نماز پھر محویت طاری ہوگئی تین مرتبہ یہی صورت پیش آئی نماز کی عادت تھی سجدوں سے ذوق تھا یہ عادت بندگی مرض الموت میں بھی نہیں چھوٹی۔ آپ غلہ یعنی جوڑوں کے درد کے مرض میں مبتلا تھے مگر اس کے باوجود نماز ادا فرمائی۔ بندہ کا کمال یہ ہے کہ ”عبدہ“ بن جائے یہ ”عبدہ“ ہونے کا ثبوت ہے کہ مالک حقیقی کی صحیح معرفت کا اظہار آخری سجدے میں کیا۔ یہ آخری سجدہ تھا جس میں اپنے عجز اور معبود کی کبریائی بلند آواز میں اعلان کیا۔ ’یا حی یا قیوم‘ کہہ کر برحمت پیوست۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

وہ اسی دن کھلے جیتے تھے حیات دنیوی کے ہر حصہ میں اس گھڑی کی آرزو کرتے تھے اور وجد و ذوق میں ہر وقت پڑھا کرتے تھے زبان سے ہی نہیں بلکہ دل سے پڑھتے تھے اور دل کی آواز روح کی گہرائیوں میں سما گئی تھی۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم

خاکے بشوم و بزیں پائے تو زیم

مقصود من بندہ ز کونین توئی

از بہر تو میرم و ز برائے تو زیم

آپ کا وصال محرم کی پانچ تاریخ کو ہوا سن قمری کے لحاظ سے یہ 664ھ کا سال تھا اور حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک اپنی عمر کی پچانوے بہاریں اس جہان رنگ و بو میں گزاری چکے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی تدفین اجودھن کی فصیل سے باہر قبرستان شہداء میں کی جائے۔ جس شب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا

وصال ہوا، اسی شب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لائے تھے مگر شہر کے دروازے بند ہو جانے کی وجہ سے انہیں یہ شب باہر گزارنا پڑی۔ صبح کے وقت جب وہ شہر کی جانب بڑھے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ تیار تھا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حواس پر یہ خبر بجلی کی طرح گری اور آپ کی آنکھیں اس دائمی جدائی کے دکھ میں برسنے لگیں۔

جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا کہ صاحبزادگان حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو فیصل شہر کے باہر قبرستان شہداء میں دفن کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو شہر سے باہر دفن کر دیا گیا تو زائرین ادھر ہی سے فاتحہ خوانی و زیارت کر کے چلے جایا کریں گے اور ان کے صاحبزادوں کے پاس کوئی نہیں آئے گا۔ لہذا ان کے مشورے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو اسی حجرے میں دفن کیا گیا جس میں آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ لحد کیلئے کچی اینٹیں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مکان سے لائی گئیں۔ اس مقام پر اب ایک شاندار روضہ ہے۔

#### ارشادات و ملفوظات

- ☆ جس طرح ظاہر میں ایمان ہے اسی طرح باطن میں یقین ہے۔ ایمان میں دو چیزیں ہیں۔ عقائد و اعمال۔
- ☆ طاعت بغیر معرفت کے بیکار ہے اور معرفت طریقت سے حاصل ہوتی ہے۔
- ☆ بندے کو اختیار سے کوئی واسطہ نہیں۔ بندے کا اختیار وہی ہے جو اللہ چاہے۔
- ☆ عبادت کی انتہا عقل ہے۔ بغیر علم کے عبادت فضول اور علم بغیر عقل کے درد سر ہے۔ عقل اشرف ہے اس لئے کہ اس سے معرفت الہی کا علم ہوتا ہے۔
- ☆ فقر اہل عشق ہیں اور علماء اہل عقل۔ اسی لئے دونوں میں اختلاف ہے۔ راہ سلوک میں درویش کا عشق عالم کی عقل پر غالب ہے۔
- ☆ ارادت میں صبر سے کام بنتا ہے جب ارادت درست ہو جاتی ہے تو برکتوں کے دروازے کھلتے ہیں۔

- ☆ عقل مند وہ ہے جو اللہ پر توکل کرے اور کسی سے اُمید نہ رکھے۔
- ☆ زحمت خیریت کی دلیل ہے اس لئے کہ تکلیف سے گناہ دھل جاتے ہیں۔
- ☆ انسان پر جب مصیبت پڑے تو اس کے اسباب پر غور کرے اور سبق لے جو ہر وقت طاعت میں رہتا ہے اسے کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔
- ☆ دل کو شیطان کا کھلونا نہ بننے دو۔
- ☆ اپنے ظاہر سے زیادہ باطن سے واقفیت رکھو۔
- ☆ جو بے نیت دے اور اللہ واسطے نہ دے وہ اسراف ہے۔
- ☆ وعظ و نصیحت بیکار ہے جب تک کہ خود نمونہ نہ بنا جائے۔
- ☆ کشف و کرامات حجاب ہیں۔ استقامت کا نام محبت ہے۔
- ☆ درویشی پردہ پوشی ہے 'خود فروشی ہے اور قناعت ہے۔
- ☆ بہشت میں نہ نماز ہے نہ عشق۔
- ☆ ہر شخص کا کھانا نہ بھلاؤ بلکہ ہر شخص کو کھلاؤ۔
- ☆ مستحقین کو کبھی ہرگز فراموش نہ کرو۔
- ☆ قیاس پر رائے قائم نہیں کرنا چاہیے۔
- ☆ حالت جنگ میں صلح کا تصور فضول ہے۔
- ☆ دشمن سے بے خوف نہ رہو خواہ وہ شیر میں سخن ہی کیوں نہ ہو۔
- ☆ جو تم سے ڈرتا ہے اس سے تم بھی ڈرو۔
- ☆ خدا سے علیحدہ ہو کر اپنی قوت پر اعتماد نہ کرو۔
- ☆ خواہشات نفسانی کے وقت خود دار بنو۔
- ☆ اہل دولت کی صحبت میں اپنے دین کو نہ بھولو۔
- ☆ دشمن کو نیک مشورہ سے شکست دو اور دوست کو تواضع سے غلام بناؤ۔
- ☆ دشمن کی دشمنی اس سے مشورہ کرنے سے جاتی رہتی ہے۔

- ☆ اپنے عیوب پر نظر رکھو۔ دشمن کی عیب جوئی پر خفا نہ ہو۔
- ☆ آسودگی چاہتے ہو تو حمد سے بچو۔
- ☆ زندہ دل وہی ہے جس میں محبت و اشتیاق ہو۔
- ☆ تم جیسے ہو ویسا ہی ظاہر کرو ورنہ تمہاری اصلیت لوگ ظاہر کر دیں گے۔
- ☆ جذبہ حق حاصل کرنا دونوں جہان کی عبادت سے بہتر ہے۔
- ☆ اگر بزرگی چاہتے ہو تو بندگان شاہی سے التفات نہ کرو۔
- ☆ تدبیر میں آفت ہے اور تسلیم میں سلامتی۔
- ☆ ذلیل وہ ہے جو کھانے پینے میں مشغول ہو۔
- ☆ جس طرح موت آدمی کو تلاش کرتی ہے اسی طرح رزق بھی تلاش کرتا ہے۔
- ☆ کام کیے جاؤ تا کہ مرنے سے پہلے زندگی حاصل ہو۔ انسان کو جو ملتا ہے وہ مجاہدوں سے ملتا ہے۔
- ☆ ایسی کوشش کرو کہ مرکز نہ کہلاؤ۔
- ☆ مہمان سے تکلف کی ضرورت نہیں 'مغرور و سرکش سے تکبر کرو۔
- ☆ عاشق کیلئے حضور و غائب یکساں ہے۔
- ☆ رسوم و علوم کچھ نہیں، اخلاق اصل ہے۔ اسی سے نجات ملتی ہے۔
- ☆ جو اللہ کے کام میں ہوتا ہے اللہ اس کے کام میں ہوتا ہے۔
- ☆ علوم و ہنر حاصل کرنے میں نکتہ چینی و خواری کی پروا نہیں کرنا چاہیے۔
- ☆ نامرادی مردوں کی معراج ہے۔
- ☆ سبک سار رہنا کمزور کی علامت ہے۔
- ☆ صوفی وہ ہے جس سے ہر چیز صاف ہو جائے اور کوئی چیز اسے گندہ نہ کرے۔
- ☆ احمق کو زندہ نہ سمجھو۔
- ☆ وہ چیز فروخت نہ کرو جو خریدی نہ جاسکتی ہو۔
- ☆ گناہ پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

- ☆ آرائش کے پیچھے نہ پڑو۔
- ☆ سچ اس طرح کا نہ بولو کہ جھوٹ سمجھا جائے۔
- ☆ عاقل نما، نادان سے دوری اختیار کرو۔
- ☆ اندرونی حالت کو بیرونی حالت سے اچھا رکھنا چاہیے۔
- ☆ وقت کا کوئی بدل نہیں ہے۔
- ☆ نیکی کرنے کیلئے یہاں ڈھونڈو۔
- ☆ مصیبت خدا کی طرف سے آئے تو ہر اسل نہیں ہونا چاہیے۔
- ☆ کچھ ہو تو کچھ نہیں، کچھ نہ ہو تو بھی غم نہیں۔ لطف بے نیازی میں ہے۔
- ☆ درویش کو مرجانا بہتر ہے۔ مگر لذت نفس کیلئے قرض نہ لے کیونکہ قرض اور توکل میں مشرق و مغرب کا بعد ہے۔
- ☆ اپنے نیک و بد کو مخفی رکھو۔
- ☆ قیاسی بات منہ سے نہ نکال۔
- ☆ بلا و مصیبت کو اپنی ہوس کاری کا نتیجہ سمجھو۔
- ☆ کسی عاجز اور نو بڑھے امیر سے قرض نہ لو۔
- ☆ قدیم خاندان کی حرمت کا لحاظ رکھو۔
- ☆ جہاں تک ہو سکے عورتوں کو بدزبانی سے روکو۔
- ☆ حضور و مشاہدہ کی نعمت قرآن سے حاصل ہوتی ہے۔ مدعائے تلاوت ہمکلامی کا شرف ہے۔ جسے ہمکلامی کا ذوق نہیں وہ مدعی کاذب ہے۔

## حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1170ء وصال: 1267ء مقام: ملتان

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ الشیخ الکبیر شیخ الاسلام بہاؤ الدین ابو محمد زکریا القریشی الکبیر ہاشمی المعروف ” بہاؤ الحق “ کوٹ کھر وڑلیہ (ملتان) میں 1170ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ کے عظیم صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے دادا شاہ کمال الدین علی شاہ قریشی الہاشمی مکہ مکرمہ سے خوارزم کے راستے ملتان تشریف لائے۔ آپ طریقت میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے اور خلافت آپ کو 17 دن میں ہی مل گئی تھی۔ پندرہ سال تک آپ مختلف مقامات پر گھومتے اور تبلیغ کرتے رہے اور آخر کار 1222ء میں ملتان میں مقیم ہوئے۔

آپ کا وصال 1267ء میں ہوا۔ آپ کا عظیم الشان مزار ملتان میں واقع ہے۔ جو اندر سے پندرہ میٹر کا مربع ہے اور ایک خوبصورت گنبد ہے۔ 1848ء میں انگریزوں کے محاصرے کے دوران روسیوں نے نقصان پہنچا جسے بعد میں عقیدت مندوں دوبارہ درست کر لیا۔ آپ کی اولاد پاکستان بھر میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام ، حضرت ابو محمد بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کا خاندان زمانہ سلف سے مکہ مکرمہ کا متوطن تھا۔ خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں اس خاندان کو نجوا (خوارزم) میں ترکستان میں ایک جاگیر عطا کی تھی۔ اس خاندان میں سے ایک بزرگ امیر تاج الدین نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے خوارزم ترکستان میں مستقل رہائش اختیار کی جبکہ دوسرے بھائی کی اولاد مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر رہی۔ بعد ازاں اُن میں سے ایک امیر منذر بن زبیر جو حکم بن عوانہ اور محمد بن قاسم کے بیٹے عمر بن محمد بن قاسم کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور جرأت و بے باکی و ہمت و شجاعت میں لاثانی تھے اور مدبران عرب کی حیثیت سے معروف تھے۔ اور جب خلافت کی طرف سے حکم بن عوانہ کو وائی سندھ مقرر کیا گیا تو وہ اپنے دوستوں منذر بن زبیر اور عمر بن محمد بن قاسم کو بھی ساتھ لے کر سندھ پہنچا۔ بعد ازاں منذر بن زبیر نے اپنے خاندان کے ساتھ یہاں ہی مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہ خاندان سندھ میں اموی اور عباسی دونوں کے عہد میں سلطنت کے کاموں میں شریک رہا۔ یہاں اس خاندان کی تعداد بڑھی 235ھ میں سندھ انتشار کا شکار ہوا۔ عرب کا ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن ہو رہا تھا۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ حجازیوں کی طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی اور اُس وقت اُن کا سردار عمر بن عبدالعزیز تھا جو منذر بن زبیر کا پوتا تھا۔ یہ بڑا ہوشیار اور مدبر عرب سردار تھا۔ سندھ کا حاکم اُس سے دہنے لگا۔ حاکم سندھ نے اُسے اپنے ساتھ ملائے رکھا کیوں کہ اس کی شخصیت اس قدر بلند ہو گئی تھی کہ تمام عرب قبائل اسے اپنا رہنما ماننے لگے تھے۔ 235ھ میں خلافت عباسیہ بغداد کی طرف سے ہارون ابی خالد حاکم سندھ مقرر ہو کر

آیا تو اس نے اس پالیسی پر عمل نہیں کیا جس سے اختلافات بڑھ گئے اور اورنوبت یہاں تک پہنچی کہ 240ھ میں ہارون بن ابی خالد کو قتل کر دیا گیا۔ عمر بن عبد العزیز ہبہاری نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور شہر منصورہ پر قبضہ کر لیا اور ایک عرضداشت عباسی خلیفہ المتوکل کی خدمت میں بغداد روانہ کی جس میں والئی سندھ ہارون بن ابی خالد کی بدعنوانیوں اور بدانتظامی کا تفصیل سے ذکر کیا اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور درخواست کی کہ اگر حکومت سندھ اس کے سپرد کر دی جائے تو وہ اس کا بہترین انتظام کرے گا کیونکہ وہ یہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہے۔ اس وقت چونکہ عباسی سلطنت بھی انتشار کا شکار تھی اور صوبوں سے پریشان کن خبریں آرہی تھیں۔ خلیفہ نے اسے غنیمت جانا اور اس نے عمر بن عبد العزیز ہبہاری کی درخواست منظور کر لی اور صوبہ سندھ کی حکومت کا پروانہ اس کو بخود یا عمر نے اسی وقت خلیفہ کی برائے نام اطاعت کے ساتھ خود مختارانہ حکومت شروع کر دی۔ اس طرح سلطنت ہبہاریہ سندھ قائم ہوئی جو 417ھ تک سندھ کی ایک خود مختارانہ سلطنت تھی۔ عمر بن عبد العزیز کا شجرہ نسب یوں ہے۔ عمر بن عبد العزیز بن منذر بن عبد الرحمن بن امیر سیدنا ہبہار بن اسعد۔

سندھ اور مارواڑ کی سرحد سے ہبہاری سلطنت کے چھ ہزار پانچ سو پچاسی سکے ملے ہیں جو سب کے سب چاندی کے ہیں اور جودھ پور (بھارت) کے عجائب گھر میں ہیں۔

امیر تاج الدین کی اولاد خوارزم میں مقیم رہی وہاں یہ خاندان ہمیشہ نمایاں اور معزز و محترم رہا کیونکہ شجاعت، سخاوت اور فضل و کمال میں اس خاندان کے بزرگ نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ خوارزم میں بھی امیر تاج الدین کی اولاد بڑھی اور اکابر خاندان نے وہاں ہر طرح سے بڑا نام پیدا کیا، مافیت قائم کرنے اور ملک میں دین اسلام پھیلانے میں غلٹ اور سلاطین وقت کی امداد کرنے سے جاگیرات اور منصب حاصل کئے اور ہر اک عہد میں سلطنت کے کاروبار میں ارکان اعظم رہے۔ چنانچہ امیر تاج الدین سے سلطان ابوبکر تک ملک کے والیان ریاست میں شمار ہوتے تھے اور خلفاء اور شاہان وقت سے خطابات امیر و سلطان پاتے تھے اور جو بزرگ علم دین کی طرف توجہ فرماتے تھے علماء اور مشائخ کبار کے درجے کے ہوتے تھے۔ غرضیکہ امیر تاج الدین کی اولاد سے ایک بزرگ سلطان حمین قدس سرہ جو سلطان محمود غزنوی کے تیسرے حملہ ہند میں اُن کے ہمراہ ہندوستان آئے اور دیگر حملوں اور معرکوں میں بھی شرکت کی اور دہلی شجاعت کی بے شمار داستانیں اپنے خون جگر سے رقم کیں۔ جب محمود غزنوی نے جابجا قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں تو اپنے قابل قدر اور جرأت مند جرنیل سلطان حمین قدس سرہ کے کارہائے نمایاں کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں قلعہ کوٹ



کروڑ (ضلع مظفر گڑھ) کا حاکم مقرر کیا۔ اور سلطان حسین نے مع اپنے بھائیوں اور قبیلے کے وہاں رہائش اختیار کی اور حکومت کرنے لگے۔ انہی کی اولاد میں سے غوث العالمین، شیخ الاسلام، حضرت بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانی قدس سرہ (566ھ) کو پیدا ہوئے۔ آپ ساتویں صدی ہجری میں برصغیر کے بلند مرتبت صوفی تھے آپ نے ملتان شہر میں قیام فرماتے ہوئے اپنی اولاد، خلفاء اور عقیدت مندوں کے ذریعہ برصغیر کے گوشے گوشے میں اور اس کے بعد مشرق بعید کے ملکوں میں اسلام کا ابدی اور نورانی پیغام پہنچایا۔ آپ برصغیر میں سہروردیہ سلسلے کے بانی تھے۔ بگل، برما، چین، فلپائن، انڈونیشیا، اور ملائیشیا میں تبلیغ حق اور سہروردیہ سلسلہ کا تعارف آپ کی اولاد اور آپ سے فیض یافتہ سہروردی مشائخ کے ذریعہ ہوا۔ شہنشاہ ہند کی طرف سے آپ کو شیخ الاسلام ہند (چیف جسٹس) کا عہدہ جلیلہ ملا ہوا تھا اور مدت تک یہ عہدہ آپ کی اولاد کے پاس رہا۔ آپ کی اولاد میں کئی نامور اور قابل فخر ہستیاں پیدا ہوئیں آپ کی اولاد میں حضرت صدر الدین عارف (ملتان)، حضرت شاہ رکن الدین رکن عالم (ملتان)، حضرت پیر علی قتال قدس سرہ (ٹہہ قائم دین میلسی) میاں نور (وادی سون سکیسر خوشاب) ہوئے۔

واضح رہے کہ آپ ملتان سے سون سکیسر تشریف لائے تھے اور آپ کی اولاد خطہ پوٹھوہار، ریاست جموں و کشمیر اور صوبہ سرحد میں آباد ہے۔ حضرت رکن الدین المعروف پیر خواجہ نوری قدس سرہ پیل پیراں ضلع خوشاب، پیر محمد حسین شاہ کرولی پیراں، پیر شاہ جمال قدس سرہ وٹلی پیراں نزد چوآ سیدن شاہ چکوال، مخدوم پیر شاہ شہر اللہ کرولی پیراں چکوال، حافظ رکن الدین وٹلی پیراں، پیر جلال شاہ، پیر محمد غوث شاہ، پیر گل بہار شاہ، پیر محمد اقبال شاہ قدس سرہ سوہاؤہ ضلع جہلم، پیر اچھا شاہ موضع کچر پیل پیراں، پیر بھادون شاہ عمراں سوہاؤہ، پیر کرم شاہ بیکڑا دینہ، پیر وڈا شاہ بیکڑا سوہاؤہ، پیر محمد شاہ بھیرہ، جسٹس پیر کرم شاہ الازہری بھیرہ، پیر قلیہ سلطان ہاشمی بھنہر جہلم، پیر امیر حسین شاہ جاتلی گوجران، پیر خواجہ غلام نبی شاہ کھنوال اور پیر فتح حیدر شاہ کھنوال بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں جن کے حالات و واقعات برصغیر کی مختلف کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ پیر علی قتال قدس سرہ ملتان سے، خوبصورت اور دیدہ زیب پہاڑی سلسلے اور سنگلاخ چٹانوں کی پربہار وادی سون سکیسر تشریف لائے اور ایک پہاڑی پر جھونپڑی بنا کر عبادت و ریاضت کرنے لگے۔ ”پیل“ ملتان کی سرانگی زبان میں جھونپڑی کو کہتے ہیں اس لئے اس جگہ کا نام ”پیل پیراں“ پڑ گیا۔ یہ جگہ اس وقت کے حاکم راجہ سلطان سنگھ خان جنجوعہ کے گھوڑوں کی چراگاہ تھی راجہ سلطان سنگھ خان نے آپ کی بزرگی کی بناء پر اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا اور پیل، چانبل اور گردونواح کا تمام علاقہ اپنی بیٹی کے ہمیز میں دے دیا۔ اُن

کے بیٹے رکن الدین المعروف پیر خواجہ نوری تھے۔ جن کا عظیم الشان مزار پیل پیراں ضلع خوشاب میں مرجع خلائق ہے اُن کی اولاد نے بعد ازاں خطہ پوٹھوہار، شمال مغربی صوبہ سرحد اور ریاست جموں و کشمیر میں اپنے نامور آباد اجداد کا تبلیغی مشن جاری رکھا اور آج بھی وہ ان علاقوں میں آباد چلی آرہی ہے۔

## حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1192ء بخارا (ازبکستان) وصال: 1291ء، مزار: اوج شریف (بہاولپور)

آپ کا اصل نام ”جلال الدین“ تھا اور ”جلال اعظم“ اور ”شاہ سرخ“ القاب تھا۔ آپ ہر وقت سرخ لباس زیب تن فرماتے جس سے ”سرخ پوش“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کو جلال گنج، پیر جلال الدین قطب الاقطاب، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور شیر شاہ سید جلال بھی پکارا جاتا ہے۔

آپ کی ولادت 5 ذوالحجہ 595ھ کو بروز جمعۃ المبارک سید علی ابوالمؤید بن سید جعفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بخارا (ازبکستان) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے آثار ولایت نمایاں تھا اور سن بلوغ تک پہنچنے سے قبل ہی سیکڑوں لوگ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو چکے تھے۔ آپ کی ساری زندگی سفر میں گزری۔ اس دوران سومرو، سمہ، چدھر، سیال، ڈاہر قبیلے کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ سندھ اور جنوبی پنجاب میں فروغ اسلام کھلنے آپ کی خدمات بے مثل ہیں۔ بلوچستان کے مزاری قبیلے کے افراد نے بھی آپ کی ارادت اختیار کی۔

حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا عقد سیدہ فاطمہ بنت سید قاسم سے بخارا میں ہوا جن سے سید علی اور سید جعفر پیدا ہوئے۔ اپنی اہلیہ کی رحلت کے بعد آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ 635ھ میں بھکر تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔

(مخدوم جہانیاں جہاں گشت از محمد ایوب قادری)

حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مظہر جلالی، اخبار الاخبار، روضۃ الاحباب، معراج الولايت، مناقب قطبی، سیر الاقطار، سیر العارفین، مناقب الاصفیہ میں ملتا ہے جو قلمی کتب ہیں اور بخاری سادات کے پاس محفوظ ہیں۔

ان کتب کے حوالے سے آپ کا ایک عقد چنگیز خان کی بیٹی سے بھی ہوا۔ آپ کی اولاد برصغیر کے طول وارض میں بکثرت آباد ہے۔ آپ کے بیٹوں سید علی اور سید جعفر کے مزار بخارا میں ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے بہا الحکیم سندھ میں آباد ہوئے تھے۔ حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ 1244ء میں اوج شریف آباد ہوئے۔ یہاں آپ نے سید بدر الدین کی دختر نیک اختر زہرہ بی بی سے شادی کی جن سے سید محمد غوث پیدا ہوئے۔ اس اہلیہ کی رحلت کے بعد آپ نے ان کی دوسری بہن سے عقد فرمالیا جن کے بطن سے مخدوم سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ جن کا اصل نام مخدوم سید جلال الدین حمین تھا۔

سکندر اعظم نے جہاں ”سکندریہ“ شہر تعمیر کیا تھا وہاں ہی اوج شریف آباد ہے۔ اوج شریف کا پہلا نام دیوگرھ تھا۔ سلطان ناصر الدین بن سلطان التتمش نے دہلی سے آکر اسی شہر میں آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے یہاں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ سلسلہ سہروردیہ میں جلالی یا جلالیہ سلسلہ آپ سے شروع ہوا۔

حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 19 جمادی الاول 690ھ (20 مئی 1291ء) کو اوج شریف میں ہوا۔ آپ کی تدفین سوئک بیلا (موضع چناب رسول پور) میں ہوئی مگر دریائے گھاگھرا (چناب) کے کٹاؤ کی وجہ سے بعد میں آپ کو اوج شریف میں جہاں اب حضرت صدر الدین راجن قتال کی خانقاہ ہے دفن کیا گیا۔ سجادہ نشین مخدوم حامد بن ناصر الدین نے ازاں بعد دوبارہ آپ کے جہد اطہر کو موجودہ مقام پر منتقل کر کے روضہ تعمیر کیا جس میں نواب محمد بہاول خان ثالث نے بھی توسیع کی۔ اس کا تالاب اور کنواں خانقاہ کے احاطے میں ”خان سر“ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد نواب صادق محمد خان نے بھی اس خانقاہ کی مرمت، تزئین اور توسیع کا کام کیا۔ \*

1617ء: \* میں کٹاؤ کی وجہ سے آپ کے جہد اطہر کو منتقل کرنا پڑا تھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ نے (م 1384ء) نے چھتیس مرتبہ سرزمین حجاز کا سفر کیا۔ ابو محمد عبداللہ المعروف بہان الدین (م 1453ء)، سید محمد شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ (م 1475ء) نے گجرات میں نمایاں تبلیغی کام کیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (، 1266-1174) حضرت بہا الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ (، 1267-1170)

حضرت سخی شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ (، 1274-1177) اور حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ

( 1294-1192 ) نے اس خطے میں اسلام کیلئے نمایاں کوشش کی اور دنیائے تصوف میں ” چاریار “ مشہور ہوئے۔

پنجاب کے 17 نمایاں قبیلوں نے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا جن میں کھڑل، وٹو، ڈھڈی اور ٹوٹی شامل تھے۔

پنجاب کی لوک داستان ” ہیرا رنجا “ کی ہیریاں (عزت بی بی) کا والد چوہدری چوچک حضرت مخدوم سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا جو حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ بی بی جیوندی رحمۃ اللہ علیہ اور چانن پیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ مکلی (ٹھٹھہ) اور بھنہور میں بھی آپ کی اولاد میں سے اولیاء کے مزارات ہیں۔ اوچ شریف کے جس حصے میں آپ کی اولاد آباد ہے وہ اوچ بخاریاں کہلاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (1078ء تا 1116ء) سے سلسلہ قادریہ کی ابتداء ہوئی۔ حضرت ابو حفص عمر السہروردی (1144-1234ء)، شہاب الدین سہروردی نے جو خانقاہی نظام شروع کیا تھا اس کی بنیاد بھائی چارے اور انسانیت پر تھی۔

اوچ شریف اور ملتان مذہبی مراکز بن کر ابھرے۔ حضرت صفی الدین گدرونی (980ء تا 1007ء) نے اوچ میں پہلی درس گاہ قائم کی۔ علی بن حامد بن ابو بکر کو فی نے ” چچ نامہ “ تحریر کی۔ حضرت مخدوم سید بہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ (1308ء تا 1384ء) نے نمایاں دینی تبلیغی کام کیے۔ منہاج سراج مصنف ” طبقات ناصری “ نے زندگی کا بڑا حصہ اوچ شریف میں بسر کیا۔ بی بی جیوندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاء الحکیم رحمۃ اللہ علیہ اور استاد نوریہ کے رو بہ زوال مزارات یکڑوں گمنام قدیم قبروں کے درمیان بلند ٹیلے پر واقع آج بھی عظمت رفتہ کی یادگار ہیں۔

ان گنبد کینوں کی زندگی کے کامل حالات نہیں ملتے۔ استاد نوریہ کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمار تھا اور اسی نے حضرت مائی جیوندی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ تعمیر کیا تھا جو سب سے پرانا اور تعمیراتی میٹریل اور طرز تعمیر کے لحاظ سے منفرد ہے۔

اوچ شریف میں عرس و میلہ مارچ اپریل میں ہوتا ہے۔ دیسی مہینے چیت میں لوگ کام کاج سے فارغ ہو کر آتے ہیں۔ اس دوران بازار بھی لگتے ہیں اور مختلف تقریبات اور مظاہرے ہوتے ہیں۔ یہ میلہ دراصل حضرت مخدوم

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس جلسے (600ھ میں) کا تسلسل ہے جس میں آپ نے بہت سے صوفیا اور درویشوں کو بلایا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام سید محمد اسماعیل بخاری نوری حضوری بالا راجہ حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی اولاد میں ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

حضرت شیخ الاسلام سید محمد اسماعیل بخاری نوری حضوری بن سید حامد بڈھا شاہ بن سید محمد کیمیا نظر موج دریا بن مخدوم سید رکن الدین ابو الفتح بن سید حامد کبیر بن مخدوم سید زناصر الدین بن حضرت مخدوم سید جلال الدین حسین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے علوم ظاہری، علم شریعت، علم طریقت اور علم حقیقت کو اپنے بزرگوں ہی سے حاصل کیا۔ علم شریعت میں تفسیر قرآن، احکام فقہ، اور علم حدیث میں ماہر و کامل ہونے کے ساتھ علوم فاضلہ میں بھی دسترس حاصل تھی اس لئے شیخ الاسلام کا لقب ملا۔ جب اس چراغ رشد و ہدایت سے کرنیں پھوٹنے لگیں تو والد محترم نے تبلیغ اسلام کیلئے سفر کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس کو بالا راجہ بنا کر بھیج رہا ہوں ان شاء اللہ ہر مکتب فکر کے لوگ آپ کی حکمرانی اور سرداری کو تسلیم کریں گے۔ آپ کا مزار بمقام ٹھٹھی شرقی ضلع چنیوٹ میں موجود ہے۔

### حضرت پیر شاہ جیونہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1493ء قنوج

جھنگ سے 30 میل بطرف شمال بخاری سادات کا معروف قصبہ شاہ جیونہ واقع ہے جو سید فیصل صالح حیات کا آبائی قصبہ بھی ہے۔ جنوبی سمت، گنجان درختوں میں حضرت محبوب عالم المعروف شاہ جیونہ کا مزار ہے۔ آپ نے اسلام کی تبلیغ اپنے مثالی کردار سے کی۔ ہر سال 10 مئی کو رسم چراغ ہوتی ہے جسے دیکھنے کیلئے بے شمار لوگ آتے ہیں۔ عرس کی تقریبات 4 مئی کو سجادہ نشین کے تبرکات کی رسم سے شروع ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ جیونہؒ کے ہاتھ پر کئی قبائل نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی زندگی شریعت سے عبارت تھی۔ تلاوت

کلام مجید معمول تھا۔ ہمہ وقت آیات کی تلاوت فرماتے۔ خاص طور پر سورۃ مزمل پڑھتے۔ آپ کی تلاوت کا انداز سننے والوں پر اثر کرتا۔

آٹھ واسطوں سے آپ کا شجرہ نسب حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری اور 16 واسطوں سے حضرت امام علی نقی تک جا پہنچتا ہے۔

آپ کی ولادت 895ھ 1493ء میں قنوج (اتر پردیش) میں حضرت مخدوم سید صدر الدین شاہ کبیر بن سید زین العابدینؑ کے ہاں ہوئی۔ انھوں نے نومولود کا نام سید محبوب عالم رکھا۔

آپ نے حضرت قاضی بہاء الدین سے قرآن، حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی اور دینی خدمت میں محو ہو گئے۔ عربی اور فارسی پر عبور تھا۔

بعد میں جب آپ جھنگ مقیم ہوئے بیلہ چناب میں ایک کروڑ مرتبہ سورۃ مزمل تلاوت فرمائی جس سے آپ ”پیر کروڑیہ“ بھی مشہور ہوئے۔

1158ء میں آپ قنوج سے حیدر آباد دکن اور پھر حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی خانقاہ پر چلے گئے۔ وہاں سے آپ لاہور اور پھر پیل پدھر اڑتشریف لائے اور اس ویرانے کو آباد کیا۔ یہاں سے آپ نے جھنگ کا رخ کیا جہاں آپ کے آباء کے مریدین (سیال) موجود تھے۔

1559ء میں آپ نے جھنگ سے 30 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں میں نقل مکانی کی اور اسے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا جو بعد میں ”شاہ جیونہ“ کے نام سے معروف ہوا۔ مڑل، بھروانہ، چپہ، کھوکھر، چدھڑ، بھٹی، بلوچ اور راجکوس قبائل کے بہت سے افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے فرزند سخی شاہ حبیب اور پوتے لدھن امام بھی ولی اللہ تھے۔

آپ نے سکندر لودھی، ابراہیم لودھی، ظہیر الدین بابر، شیر شاہ سوری، نصیر الدین ہمایوں اور جلال الدین اکبر کا عہد دیکھا۔

حضرت شاہ جیونہ کا وصال 971ھ 1569ء کو ہوا۔ سید عبدالوہاب بخاری (گورنر دہلی) اور شیخ فرید الدین بخاری نے بھی آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ دربار اکبری سے ایک وفد نے آکر شرکت اور تعزیت کی۔

مخدوم سید فیصل صالح حیات کے دادا مخدوم خضر حیات ایک صوفی منش انسان تھے جبکہ آپ کے والد محترم

مخدوم سید محمد غوث نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(تحریر حاجی غلام رضا)

## سلطان العارفين حضرت سلطان باہو ؒ

ولادت: 1629ء وصال: 1691ء مزار: جھنگ

آپ سروری قادری سلسلے کے عظیم صوفی بزرگ تھے۔ آپ خانوادہ اعوان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے مؤثر اعلیٰ امیر علی بن قطب شاہ تھے۔ آپ کے والد بازید محمد دربار مغلیہ میں اہم مقام رکھتے تھے۔ آپ کی پرورش و پرداخت آپ کی والدہ حضرت بی بی مائی راستی ؒ نے فرمائی جو خود بھی ایک ولیہ کاملہ اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ان کا مزار شورکوٹ میں ہے۔

حضرت سلطان باہو ؒ مزید تعلیم کیلئے حضرت شیخ عبدالرحمن القادری کے پاس دہلی تشریف لے گئے۔ آپ نے تصوف پر چالیس کے لگ بھگ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ زیادہ تر کتب بزبان فارسی ہیں۔ آپ کے پنجابی ابیات آپ کی پہچان بن گئے ہیں اور لوگ انھیں بڑے ترنم اور خاص لے سے پڑھتے ہیں۔ آپ کی کتابوں کی کل تعداد سو بتائی جاتی جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

نور الہدی، رسالہ رومی، عقل بیدار، مہک الفقر، اورنگ شاہی، جامع الاسرار، توفیق ہدایت، کلید توحید، عین الفقر، کلید جنت، محکم الفقر، شمس العارفين، امیر الکونین، اسرار قادری، مجالس النبی ﷺ، مفتاح العارفين،

حجۃ الاسرار، جنت الفردوس، کشف الاسرار، ایاتِ باہو، محبت الاسرار، گنج الاسرار، امیر المؤمنین، جھوک سلطانی وغیرہ۔

آپ کامزار ” گڑھ مہاراجہ “ میں مرجع خلافت ہے۔ آپ کا سالانہ عرس محرم الحرام کے مہینے میں نو تاریخ کو منعقد ہوتا ہے۔ جس دوران مزار کو منوں عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔

1691ء میں آپ کامزار تعمیر کیا گیا تھا مگر جب دریائے چناب کی گذرگاہ میں تبدیلی آنے لگی تو آپ کامرقد دوسرے مقام پر بنایا گیا۔ آپ کے بعد سجادہ نشین حضرت ولی محمد سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محمد حسین سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حافظ محمد سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت غلام باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت صالح محمد سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نور احمد سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حبیب سلطان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت غلام جیلانی سلطان رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ موجودہ سجادہ نشین جناب منیب سلطان ہیں۔

آپ کے مفصل حالات ” مناقب سلطانی “ میں ملتے ہیں جس سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

” واضح رہے کہ آنحضرت کاعرف اعوان ہے۔ پہلے پہل امیر شاہ ولد قطب شاہ اعوان کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خراسان کے سادات حوادث میں مبتلا تھے اور سادات عظام محض گوشہ نشینی اور مسکینی میں اپنے دن کاٹتے تھے۔ تو امیر شاہ والے ہرات نے سادات بنی فاطمہ کی اعانت و مدد کی۔ تاریخ اور سیر کی کتابوں سے آخرا سی قدر تحقیق ہوا کہ قبیلہ اعوان حضرت قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسل سے ہے۔

حضرت قطب شاہ کا سلسلہ نسب حضرت امیر زبیر بن غازن خزانہ اللہ فقیر اللہ الغالب سید الامام اماماں، امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اٹھارہ صاحبزادے تھے۔ سید امام حسن، سید امام حسین، سید محسن، امیر ابو بکر، امیر عمر، امیر عثمان، امیر طلحہ، امیر عبداللہ، امیر زبیر اور امیر محمد بن حنفیہ۔ کالا باغ کے رئیسوں کے ملک خاندان کے کتب خانہ میں کتاب النسب موجود ہے۔ اس میں فتاویٰ غیاثی سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس میں لکھا ہے کہ زبیر کی والدہ کا نام میمنہ ہے جو رستم پہلوان کی اولاد سے ہے اور اعوان زبیر کی پشت سے ہیں۔ فتاویٰ غیاثی میں سلسلہ نسب یوں مندرج ہے۔

مخدوم سلطان حافظ صالح محمد و فقیر سلطان حامد (مولف کتاب) ہر دو بن مولانا حضرت شیخ سلطان غلام باہو



قدس سرہ بن حضرت سلطان العارفين مرشد الطالبين ہادی السالکين۔ دُر در یائے مکوت، ہمائے اوج لاہوت فنا فی اللہ۔ بقا باللہ بقافی ہو مولانا بندگی حضرت شیخ سلطان باہو قدس اللہ سرہ و نور اللہ مرقدہ بن حضرت شیخ سلطان بازید محمد قدس سرہ بن حضرت شیخ سلطان فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ اللہ دینہ بن شیخ محمد تمیم بن شیخ محمد منان بن شیخ موعلا بن شیخ محمد پیدا بن شیخ محمد سگہرا بن شیخ محمد انون بن شیخ محمد سلا بن شیخ محمد بہاری بن شیخ محمد جیمون بن شیخ محمد ہرگن بن شیخ نور شاہ بن شیخ امیر شاہ بن حضرت شیخ قطب شاہ بن حضرت امان شاہ بن حضرت سلطان حسین شاہ بن حضرت شیخ فیروز شاہ بن حضرت محمود شاہ بن حضرت شیخ فرطک شاہ بن حضرت شیخ نواب شاہ بن حضرت شیخ دراب شاہ بن حضرت ادہم شاہ بن حضرت شیخ عتیق شاہ بن حضرت شیخ سکندر شاہ بن حضرت شیخ احمد شاہ بن حضرت حجر شاہ بن حضرت امیر زبیر بن اسد اللہ الغالب امام امیر المؤمنین حضرت علی المر تضى بن ابی طالب بن مطلب بن ہاشم بن المناف بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غائب بن فہر بن مالک بن نصر بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادا بن اور بن ہمیج بن حمل بن نیت بن قیدار بن اسمعیل بن ابراہیم بن تارخ بن قاصر بن شارخ بن ارغوث بن فالخ بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن یرد بن ادریس بن اسمعیل بن قینان بن انوش بن شیت بن آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آدم مٹی سے مٹی زمین سے جھاگ لہر سے لہر آسمان سے آسمان درہ ارادۃ سے اور ارادہ اللہ تعالیٰ سے۔

اس میں شک نہیں کہ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسل سے ہیں۔ جب سادات نے حادثوں اور تفرقات کے سبب وطن چھوڑا اور ایران اور ترکستان کے مختلف حصوں میں بود و باش اختیار کی تو قبیلہ اعوان نے چونکہ سادات عظام کے قریبی تھے۔ اس لئے عرب و عجم میں حادثوں، مصیبتوں، جنگی اور غریب الوطنی میں ان کی مدد اور جانفشانی کی اور ان کے رفیق اور معاون بنے۔ اس وجہ سے ان کا نسب اعوان میں تبدیل ہو گیا یعنی سادات بنی فاطمہ کی مدد کرنے والے علویت اور ہاشمیت کا لقب اعوان سے تبدیل ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ ظاہر ہے کہ قبیلہ اعوان نے عرب کو سادات عظام کی رفاقت اور مدد کے واسطے ترک کیا اور ہوتے ہوتے پنجاب اور ہند میں آئے۔ سادات عظام نے ملک خراسان میں آ کر بدستور صرف یاد الہی میں مشغول رہے اور دنیاوی سلطنت اور ریاست کی ہوس نہ کی لیکن قبیلہ اعوان نے وہی قدائق، لڑائی اور رہزنی کا پیشہ جاری رکھ کر ہرات پر قبضہ کر لیا۔ آخر قطب شاہ نے تخت ہرات پر وفات پائی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اب تک بھی اعوان اپنے ناموں کے ساتھ لفظ ”شاہ“ استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ ملک ہند میں ”شاہ“ کا لقب سادات اور قریش کے ناموں کے ساتھ استعمال

کیا جاتا ہے اور یہ رسم ہے کہ ہر قبیلے میں اپنے بزرگوں کے نام تبرکاً رکھے جاتے ہیں۔ قبیلہ اعوان میں بہت سے شخصوں کے نام شیر شاہ، مزمل شاہ، عادل شاہ، محمد شاہ، محمود شاہ، وغیرہ لقب شاہ سے ہیں اور انہوں نے اپنے اسلاف کی اس ریت کو جاری رکھا ہے جب سادات عظام خراسان سے بھی بہ سبب تفرقہ نکل کہ ہند میں آئے تو قبیلہ اعوان بھی بدستور سادات بنی فاطمہ کے رفیق اور معاون بن کر کالا باغ کے پہاڑوں میں دریائے انک یا سندھ کے کنارے پر ملک پنجاب میں آئے۔ سادات عظام حب دستور امامیہ صدری علم اور جدی باطنی بھید کے سبب دنیاوی جاہ و حشمت کو چھوڑ عبادت الہی میں مشغول ہوئے اور مختلف مقامات پر گوشہ گیری اختیار کی۔ چنانچہ اوج شریف میں بخاری، بھوٹ مبارک میں گیلانی، چوہاسین شاہ میں شیرازی، دنداشاہ بلاول میں سمدانی سادات خلق خدا کی ہدایت اور فیض رسانی کے لئے سجادہ نشین ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو دونوں جہاں کی ہدایت عنایت فرمائی ہے۔ یا اللہ ہمارے نصیب بھی کیجیو۔ لیکن قبیلہ اعوان نے کالا باغ پر قبضہ کر کے دریائے انک کے مشرقی کنارہ کا ارادہ کیا۔ مشرقی کوہستان کے ہندو راجاؤں نے جوٹنگ اور جنجوا (جنجودہ) وغیرہ اقوام کے تھے مختلف ریاستیں قائم کر کے مضبوط قلعے اور قدیمی یا عستان بنا رکھے تھے۔ ان ریاستوں کا حدود اربعہ یہ ہے۔ مغرب دریائے جہلم تک شمال ملک دھنی و پوٹھوہارہ جنوب ملک ریگستان یعنی چولستان، مشرق کوہستان میں حسب ذیل پہاڑ ہیں کوہ پکھڑو کوہ سیون، کوہ سکسر، کوہ پتاؤ، کوہ تاؤ باکوہ کھلون وغیرہ۔ اعوان نے ان راجاؤں سے لڑنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان راجاؤں کو تہ تیغ کر کے کوہستان مذکور پر قبضہ کر لیا۔ اب تک ان ہندو راجاؤں کے وقت کی سخت پتھر کی بنی ہوئی عمارتیں قلعے، تہ خانے، دیوان خانے، کچہریاں بمعہ چھت کھڑی ہیں جواب بھی بیٹھنے کے قابل ہیں۔ کوہ سکسر میں انب کوٹ نہایت عالیشان قلعہ ہے جو ایک بلند اور سخت پہاڑ کے پاس بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اونچا پہاڑ سر بفلک اور دوسری طرف پتھر کا قلعہ ہے۔ جس کی پتھر کی ہر ایک اینٹ یا سل پانچ گز مربع ہے۔ عوام حیران ہیں کہ یہ سلیں کس طرح اوپر لیجا کر دیواریں بنائی گئی ہوں گی۔ اسی پتھر کے بنے ہوئے عبادت خانے، تہ خانے سالم کے سالم کھڑے ہیں اور اس شہر کی عمارتیں میلوں تک ویران پڑی ہیں اور ان کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں اور مذکورہ بالا کوہستان کے دروں پر مضبوط برج بنے ہوئے ہیں۔ جن کے سبب وہ پہاڑ و شوار گزار ہیں۔ پھٹکڑی کے کارخانے، خوض اور لوہے کے بڑے بڑے کڑاہ اس کے قرب و جوار میں پڑے ہیں اور اس پہاڑ کے دامن میں نمک کی کانیں بکثرت ہیں۔ یعنی کالا باغ سے لیکر بھیرہ تک حلقہ کی طرح دامن کوہ میں واقع ہیں۔ کیوڑا، کالا باغ چوہا، وڑچھتر چھا، نلی ناوڑی، کھٹاسیانی اور کوٹ کلاخ نمک کی مشہور کانیں ہیں

۔ اس کو ہتان میں جا بجا شہروں اور عمارات کے کھنڈریں ہیں۔ اعوان کے مختلف قبیلوں نے جو نہایت دیندار مسلمان ہیں اپنے الگ گاؤں اور شہر آباد کئے ہیں۔ اس ملک کا نام ہی اعوان کاری پڑ گیا۔ ہندو راجاؤں کی نسل کے بقیہ کو اس علاقے سے نکال دیا جو پہاڑوں کے دامن میں رہتے ہیں اور تاحال کنھہ احمد آباد، لارکھانہ اور پنڈدادنخان وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور مذکورہ بالا واقعات اپنی زبانی سناتے ہیں۔ انھوں نے قبائل اعوان کے غلبہ اور اسلام کے زور کی وجہ سے مجبور ہو کر اسلام قبول کیا۔

اعوان کے قبیلوں میں اپنے ہاشمی اور علوی نسب کے خصائل اور فضائل کی بعض علامتیں اب تک پائی جاتی ہیں یعنی تمام مرد اور عورتیں پہنچی، بہادر صاحب حیا، صاحب وفا، دیانتدار امین عہد کے پکے، بامروت مہمان نواز خیرات و خرچ کرنے والے ہیں۔ گویا اپنا گوشت و پوست بھی مہمان اور مسکین کیلئے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اس قوم کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ کبھی آسودہ حال نہیں ہوتا بلکہ ان کاموں میں مال صرف کر دینے کے سبب ہمیشہ مقروض ہی رہتے ہیں۔ اس علاقہ میں دینداری اور پرہیزگاری کا بڑا چرچا ہے۔ حرام کا یہاں مطلق رواج نہیں۔ اگر اتفاقاً ہو جائے تو حلال اور مشکوک کو الگ الگ رکھتے ہیں اور مسلمان مسافر آجائے وہاں عام رسم ہے کہ پہلے میزبان مہمان سے پوچھتا ہے کہ آپ حلال کھانے کے عادی ہیں یا مشکوک کے۔ یہاں تک کہ دہی دودھ اور گھی بھی حلال الگ رکھتے ہیں آپس میں ملاتے نہیں بلکہ ان کیلئے برتن جدا جدا ہیں۔ اس ملک میں اکثر حلال کا رواج ہے۔ وہاں علماء، فقیہ دیندار اور پرہیزگاری کی زیادہ تحقیقات کرتے ہیں۔ بدعتیوں اور بے دینوں کو اپنے ملک میں ٹھیرنا تو درکنار داخل نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ ان پر سختی کے ساتھ جہاں تک ہو سکے ان سے توبہ کراتے ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی نشہ کرنے والا رنڈیاں، ہتھیرے رافضی وغیرہ اب تک اس علاقے میں کوئی نہیں اور نہ وہاں رہنے پاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے مسجدوں، طالب علموں، قرآن مجید کے حافظوں، علم فقہ کے طالب علموں اور مسافروں کی ایسی خدمت کرتے ہیں کہ ملک ہند میں اور کہیں نہیں کی جاتی۔

اس گئے گزرے آخری زمانہ میں بھی اس علاقے میں ہزار ہا آدمی صالح، متقی اور دیندار ہیں اور یہ مردم خیز علاقہ ہے کہ کوئی شہر اور قصبہ ایسا نہیں جس میں صاحب اثر و ہدایت اور صاحب احوال باطن آدمی نہ ہوں۔ ہزار ہا آدمی حافظ قرآن شب بیدار اور تہجد خواں ہیں ہر مرد اور عورت پانچوں وقت کی نماز فریضہ مسجدوں میں باجماعت ادا کرتے ہیں۔ مسجدوں کی خدمت اور تعظیم اس درجہ کرتے ہیں کہ گویا انھوں نے اپنے اپنے گاؤں میں ایک ایک دربار راستہ کر رکھا ہے اور ہر مسجد میں کلام اللہ شریف اور علم فقہ کا درس جاری رہتا ہے۔ ماہ رمضان میں دن کے وقت کھانا پینا ممکن ہی

نہیں۔ واللہ علیٰ کل شیء شہیداً۔

میں نے اپنے بزرگوں کی زبانی حسب ذیل حالات بار بار سنے اور کتابوں میں سے بھی دیکھے اور سینہ بہ سینہ بھی یہی معلوم ہوا کہ آنحضرت قدس سرہ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک حضرت بازید محمد قدس سرہ ہے اور جناب کی والدہ ماجدہ کا نام مبارک بی بی راستی قدس سرہا ہے چنانچہ آنحضرت خود اپنی کتابوں کے دیباچہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔  
تصنیف فقیر باہو ولد بازید عرف اعوان ساکن قرب وجوار شور حسہ اللہ تعالیٰ من العتق والجور۔ یہ تصنیف فقیر باہو ولد بازید ساکن شور اللہ تعالیٰ اُسے فساد اور ظلم سے محفوظ رکھے، کی تصنیف ہے اور کتاب ”عین الفقر“ میں فرماتے ہیں کہ اس کی ماں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جس نے اس کا نام ”باہو“ رکھا ہے جو ایک ہی نقطہ سے ”یاہو“ ہو جاتا ہے۔

رحمت حق بر روان راستی  
راستی از راستی آراستی

راستی کی جان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، راستی کو تو نے راستی سے آراستہ کیا۔

جناب کے والد بزرگوار کا مزار قصبہ شور کوٹ میں ہے جو آنحضرت کی جائے پیدائش ہے۔ قصبہ مذکور کے شمال مغربی گوشہ میں قریشی صاحبان کی مسجد کے صحن میں شیخ طلحہ قریشی کی قبر کے پاس خانقاہ اور مزار ہے۔ جناب کی والدہ ماجدہ کے مزار کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہی مسجد میں جو دو مزار ہیں، آنحضرت کے والدین کے مزار مبارک ہیں بعض کہتے ہیں کہ ملتان کے گرد نواح میں لطف آباد کے قریب بی بی پور کے سادات عظام کے قبرستان میں ہے کہ رانواں کلاں، نام گاؤں سلطنت دہلی کی طرف سے آنحضرت کے والد ماجد کو بطور جاگیر ملا تھا۔ اور بودو باش بی بی پور مذکور میں نیک لوگوں شریفوں اور سادات عظام کے پڑوس میں اختیار کی تھی۔ وہیں وفات پائی اور سادات شریف کے مقبروں کے پاس جگہ پائی۔ اسرار باطنی کے مکاشفہ میں بھی آنحضرت کی والدہ ماجدہ کی روح مقدسہ کی زیارت اسی قبرستان سے ہوئی۔ واللہ علم بالصواب۔

آنحضرت کے والدہ ماجدہ قدس سرہ شروع میں ایک صالح شریعت کے پابند، حافظ قرآن فقیر مسئلہ دان، دنیاوی تعلقات میں گرفتار، علاقہ دار شاہی۔ ملک کو ہستان اعوان کار کے صاحب استمرار اور سلطنت دہلی کے منصبدار تھے۔ آپ نے اولاد کی خاطر وسطہ عمر یا آخری عمر میں نیا نکاح کیا۔ کیونکہ آپ کے ہاں کوئی فرزند نہ تھا۔ چونکہ حضرت بی بی صاحبہ نیک اور شریف خاندان سے اور ہم کفو تھیں اس لئے آپ کی پرہیزگاری کا اثر حضرت بازید محمد پر ہوا۔ اور آپ کی

کرامات ظاہر ہوئیں چنانچہ اسی اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت بازید محمد کے دل میں محبت الہی جوش زن ہوئی۔ اور خیال آیا کہ افسوس اس قدر عمر مفت گزائی اور یہ کہ یہ مردی اور مناسبتی نہیں کہ بیوی تو خدا دوست ہو اور اس کا شوہر غفلت اور حرص و ہوا میں مبتلا ہو۔ آخر فیض ازلی نے آپ کو متنبہ کیا۔ اور آپ نے، فغفر والی اللہ، کے بموجب دنیا ترک کر دی۔ چنانچہ تلائی مافات کیلئے تنہا گھوڑی پر سوار تھیا ر لگائے ریاست اور دنیا کو چھوڑ کر مفرور ہو گئے۔

چونکہ آپ نسلاً بعد نسل رئیس اور شریف تھے اور روزی کمانے کا کوئی اور ڈھنگ نہ جانتے تھے۔ اس واسطے مجبوراً ملتان کا رخ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو ملتان کے ناظم کے پاس سلطنت دہلی کے قانون کے مطابق دریا کے گھاٹ اور شہر پناہ کے دروازے پر جو آپ کا حلیہ لکھا گیا تھا پہنچا تو فوراً تلاش کر کے آپ پیش کئے گئے۔ جب ناظم ملتان نے حضرت بازید محمد قدس سرہ کا چہرہ مبارک، لباس، آلات جنگ اور سواری کی گھوڑی جس کا نام سون پری تھا دیکھی تو اصل حالات دریافت کئے لیکن آپ نے اصل حالات چھپائے رکھے آخر ناظم مذکور کی طرف سے دو روپے روز بطور تحواہ مقرر ہوئے۔ حضرت بازید محمد نے تین شرطوں سے ملازمت اختیار کی۔

اول، یہ کہ میرا مکان علیحدہ پاک گوشے میں ہو

دوم، کسی کو افسر اور اپنے آپ کو فرمانبردار نہیں مانوں گا

سوم، سلام نہیں کروں گا

چنانچہ آپ کی تینوں شرطیں منظور ہوئیں

پھر آپ ملتان میں ایک مکان کے اندر گوشے میں یاد الہی میں مشغول ہو گئے اور آخر ایک دلی اور بارگاہ الہی کے خاص بندے ہوئے۔

چنانچہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہ العزیز اپنی تصنیفات میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب واصل صرف ایک قدم میں نصیب ہو سکتا ہے۔ یعنی دنیا سے قدم اٹھا کر قرب الہی میں رکھنا۔

پس جس شخص کو ہادی مطلق ظاہری وسیلہ اور سبب بغیر خود بخود فیض و فضیل سے اپنے قرب کی طرف کھینچ لے۔ اُسے مجاہدات کی کیا ضرورت ہے اور وہاں دیر ہی کیا ہے۔ اس راہ میں عقل کا گھوڑا لنگڑا ہے۔ یہ فضل الہی ہے جسے چاہے عنایت کرے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ اگرچہ یہ دور دراز راہ منزلوں اور فرنگوں کی قید میں نہیں آ سکتی، اور نہ اسے زور بازو سے طے کر سکتے ہیں۔ لیکن غیر حق سے قطع تعلق کرنے اور جذبہ الہی سے اس راہ کا قطع کرنا آسان ہے

کیونکہ عشق ایسی آگ ہے جو غیر حق کو جلا دیتی ہے۔

جذبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جو مجاہدات کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا محض اللہ تعالیٰ کے فیض و فضل سے نصیب ہوتا ہے۔ اس میں کوئی سبب یا وسیلہ نہیں ہوتا۔ جو مجاہدہ کے سبب سے ہوتا ہے۔ وہ اس شخص کے مادہ کی قابلیت کے موافق چالیس سال کے مجاہدہ بعض کو بارہ سال کے مجاہدہ اور بعض کو اس سے کم عرصہ کے بعد جذبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ بات کتابوں میں مشائخ کے احوال سے معلوم ہو سکتی ہے۔ دوسرے جو محض فضل و فیض سے نصیب ہوتا ہے، اس کیلئے کوئی وقت یا مدت مقرر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے ایک دم میں ایک قدم پر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم ادہم، حضرت رابعہ بصری، حضرت فضیل عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ و قدس اسرارہم کہ ایک دم میں ایک قدم پر خدا رسیدہ ہوئے۔ حضرت اصحاب کہف کا قصہ تفسیروں میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان اصحاب الکھف و القیم کا نوا من ایاتنا عجبا۔ واقعی اصحاب کہف اور قیم ہماری عجیب نشانیاں ہیں۔

حضرت شیخنا جدی حضرت شیخ سلطان باہو قدس سرہ اپنی تالیفات میں فرماتے ہیں کہ کامل مرشد کی توجہ اور نظر طالب اللہ کو ایک دم میں اور ایک قدم پر خدا رسیدہ بنا دیتی ہے۔

آدم برسر مطلب چونکہ حضرت بازید محمد قدس سرہ صاحب شان اور شاہی منصبدار تھے اسلئے ان کے بھاگتے ہی اس خاندان کے خدمتگار اور نوکر چاکر آپ کی جستجو میں نکلے۔ چند ماہ بعد ایسا اتفاق ہوا کہ دریائے سندھ کے مشرق کنارے اور بیکانیر کے روہی ریگستان کے بارے میں راجہ مروٹ اور صوبہ دار ملتان میں جھگڑا ہوا، حتیٰ کہ لڑائی تک نوبت آ پہنچی اور ملتان کے صوبہ دار نے اس پر چڑھائی کی۔ حضرت بازید محمد قدس سرہ چونکہ تہا ملازم تھے۔ اسلئے آپ کو اس خدمت کیلئے کسی نے یاد نہ کیا۔ آپ خود بخود گھوڑی پر ضروری اسباب باندھ اور ہتھیار لگا سوار ہو کر ملتان کے صوبہ دار کی خدمت میں پہنچے اور کار خدمت کی درخواست کی۔ صوبہ دار نے پوچھا آپ کس برادری میں ہو کر فوج کے ساتھ شریک جنگ ہو گئے۔ عرض کیا صاحب! چونکہ میں اکیلا اپنے سر پر تنخواہ کھاتا رہا ہوں۔ اب جو کچھ مجھ سے ہو گا اکیلا ہی خدمت کروں گا۔ اللہ تعالیٰ عالی سمت اشخاص سے پیار کرتا ہے۔ آپ کی یہ بات سن کر کچھری کے تمام آدمی مسکرائے۔ ناظم نے کہا کوئی مضائقہ نہیں۔ جس طرح یہ مرد کہے اسی طرح کرنا چاہیے۔ پھر آپ نے عرض کیا کہ ایک شخص رستے کا واقف اور ایک تصویر مخالف کی یعنی راجہ مروٹ کی عنایت ہو۔ چنانچہ ایک شخص رستے کا واقف اور راجہ مروٹ کی تصویر عنایت کی گئی۔ آپ سلام کہہ کر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر روانہ ہوئے جب مروٹ کے قریب پہنچے تو ساتھی کو رخصت کیا اور خود شہر کی

راہ لی۔ حتیٰ کہ دروازے پر جا پہنچے چونکہ آپ پر اپیلچی یا وکیل کا گمان تھا۔ اس لئے کچہری میں بلا روک ٹوک چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ اس دن آپ نے تو بہرہ زمین کے قربوس سے ٹکایا ہوا تھا۔ جب کچہری میں داخل ہوئے تو گھوڑی کو ایک جگہ کھڑا کیا۔ جو وہیں کھڑی رہی۔ آپ نے تمام حاضرین کچہری کے لباس اور ان کی ہیئت کو بہ نظر غور دیکھا۔ جب راجہ کے قریب جا پہنچے اور معلوم کیا کہ یہاں سے راجہ پروار ہو سکتا ہے تو شیروں کی طرح توار سونت گرے کہ بہادر و ! خبردار ! میں تمہاری جان کا خواہاں ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب پر غالب آئے ہیں کہتے ہیں کہ توار کے ایک ہی وار سے راجہ مذکور کا سر کاٹ کر قربوس سے لٹکے ہوئے تو برہ میں رکھ لیا اور گھوڑی پر سوار ہوئے کہ اتنے میں کھرام مچ گیا۔ اگرچہ محالات کا ذکر کرنا اچھا نہیں لیکن معذور ہوں کیونکہ میں نے بزرگوں سے ایسا ہی سنا ہے۔ اگر اسے آج کتاب میں درج نہ کروں تو مدت دراز گزرنے پر کسی کو کب یاد آئیگا اور کس قرینے سے قرار پائیگا اس واسطے ضروری سمجھ کر اس کا ذکر کرتا ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو دروازوں کا کھولنے والا اور مہمات کا سر انجام کرنے والا ہے اپنے قدرت کاملہ سے سون پری گھوڑی کو بطور خرق عادات اور ظہور کرامت ایسی توفیق عنایت فرمائی کہ قلعہ کی ایک دیوار پر سے صحیح سلامت کود گئی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگرچہ میں اس کو بیان کرتا ہوا ڈرتا ہوں کہ کہیں مخالفت اور نکتہ چین حرف گیری نہ کریں اور میرا دل اور ہاتھ کا پنتے ہیں لیکن اہل یقین اور دینی بھائیوں کی خدمت میں متمسک ہوں کہ ذرا از راہ احسان اور علو ہمت و اقدی کی فتوح الشام اور فتوح المصر کو دیکھیں۔ جن میں صحابہؓ سب کی روایات سند بہ سند اس قسم کے واقعات کے متعلق مندرج ہیں۔ یہ کتابیں پہلے پہل عربی زبان میں لکھی گئیں اور ہندوستان میں عوام کو فیض رسانی اور ان کی سہولت کیلئے اردو زبان میں ترجمہ کی گئی ہیں اور چھپ چکی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام علیہم السلام کی کمال معاملات کس قدر وقوع میں آئے اور کیسی کیسی جو انہر دیاں ان سے ظہور میں آئیں۔ اگر ان میں سے تھوڑی سی بھی بیان کروں تو کتاب طویل ہو جائیگی۔ اور میں اپنے اصلی مطلب سے رہ جاؤں گا۔ اسلئے ان میں سے چند ایک کا اشارہ ذکر کرتا ہوں۔ تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کے وقت اگر بہ تقاضائے بشریت دل میں اعتراض پیدا ہو تو فاسد و ہم و خیال کو دور کرنے کیلئے کافی ہو۔

حضرت بازید محمد قدس سرہ ملتان کے صوبہ دار کے پاس راجہ مروٹ کا سر لے آئے اور سلام کیا۔ ابھی لشکر اور اہل لشکر راہ میں تھے کہ یہ عجیب کام کام ظہور میں آیا۔ اور گرد و نواح اور خصوصاً بادشاہ دہلی کے حضور میں حضرت بازید محمد کی

تصویر اور علیہ اور گھوڑی کی تصویر پہنچ گئی۔ جب آپ کی تلاش کرنے والوں نے حضرت بازید محمد قدس سرہ کا نام سنا تو یقین کیا کہ یہ گھوڑی اور سوار آپ ہی ہیں۔ اور یہ کام بفضل الہی آپ ہی نے کیا ہے۔

پس پہلے نمک پروردہ میراثی جو جتو میں تھے۔ ملتان پہنچے اور پوشیدہ طور پر پوچھتے رہے اور آخر پہچان لیا اور ملتان میں رہے۔ ان میں سے بعض حضرت بازید محمد کے گھر خوش خبری لیکر واپس گئے۔ یہ خبر سنتے ہی حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو قدس سرہ کے دو ماموں جو آنحضرت کی والدہ ماجدہ کے حقیقی بھائی تھے ملتان آئے اور حضرت بازید محمد قدس سرہ سے ملاقات کر کے واپس تشریف لیجانے کیلئے تمس ہوئے۔ حضرت بازید محمد نے فرمایا کہ آپ وطن واپس تشریف لے جائیں اور اپنی حقیقی بہن راستی قدس سرہا (ابلیہ حضرت بازید محمد سے پوچھیں اگر انہوں نے بھی واپس جانے کیلئے کہا تو میں وطن چلا جاؤں گا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا چنانچہ جب وطن جا کر مائی صاحبہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ الہی بھید ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیٹ میں سلطان باہو نام فرزند زینہ ہے جو مادر زاد ولی ہونے والا ہے۔ اس کی پیدائش اور اس کا ظہور ملک چناب میں ہوگا۔ یہ لڑکا تارک الدنیا ہوگا۔ ہمیں بھی اس کی متابعت میں دنیا کے ترک کرنے کا حکم ہے اور ملک مذکور میں رہنا سہنا ہوگا۔ اسلئے مجھے اس کے باپ حضرت بازید محمد قدس سرہ کے پاس پہنچاؤ۔ پس مائی صاحبہ قدس سرہا کے بھائیوں نے ویسا ہی کیا۔ چنانچہ آپ کو ملتان میں حضرت بازید محمد کی خدمت میں پہنچایا۔ چونکہ سلطنت دہلی کی طرف سے حضرت بازید محمد کی تلاش کیلئے اشتہار جاری ہو چکے تھے۔ جب یہ خبر تحقیق ہو گئی تو ملتان کے صوبیدار کے نام حکم جاری ہوا کہ بازید محمد کو اس کی ریاست میں بھیج دو تاکہ اپنے منصب میں قائم ہو جاوے لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور عرض کیا کہ میں نے باقی عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نذر کی ہے اور دنیاوی شغل کو ترک کر دیا ہے۔ میں یاد الہی کروں گا۔ چونکہ سلطنت اسلامیہ تھی۔ اسلئے آپ کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ بعد ازاں آپ نے شوروٹ میں رہنا سہنا اختیار کیا جو پرگنہ ملتان میں واقع ہے۔ کیونکہ شوروٹ بہت متبرک مقام تھا۔ اس واسطے کہ وہاں بزرگوں اور شہیدوں کی زیارت گاہیں اور مقبرے بکثرت ہیں اور وہاں کے باشندے بھی قریباً سب کے سب عالم شریعت کے پابند اور دیندار تھے۔ وہاں جمعہ اور دونوں عیدوں کی نمازیں حاصل ہو جاتی تھیں اور بادشاہ جہاں کی طرف سے جاگیر بطور وجہ معاش اکثر اسی علاقہ میں مقرر ہوتی اور آپ معہ بی بی صاحبہ قدس سرہا شوروٹ میں رہنے سہنے لگے۔

واضح رہے کہ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو قدس سرہ شوروٹ میں پیدا ہوئے۔ اب حسب ضرورت



قرینہ آپ کے چند خوارق عادات بیان کئے جاتے ہیں۔ دین محمدی کے سچا ماننے اور اہل یقین مجبوں پر روشن ہو کہ حضرت سلطان العارفين مادر زاد ولی اللہ ہیں آپ کو ازلی فیض حاصل تھا۔ اور نور محمدی ﷺ سے آپ کی پرورش ہوئی تھی۔ جناب غوث الثقلین کی طرح آپ بھی ماہ رمضان میں دن کے وقت ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ جب آپ چلنے پھرنے لگے۔ تو جب کبھی گلیوں اور بازاروں میں چلتے تو ہندو لوگ آپ کے چہرہ اور آپ کی پیشانی کو دیکھتے ہی بے اختیار کلمہ طیب اور کلمہ شہادت پڑھتے اور مسلمان ہو جاتے۔ چنانچہ شہر کے ہندو اکٹھے ہو کر آپ کے والد ماجد حضرت بازید محمد قدس سرہ کی خدمت میں ملتے ہوئے کہ یہ وقت بے وقت آپ کے فرزند کو بازار اور گلیوں میں لے جاتی ہے۔ ان کے جانے کیلئے کوئی وقت مقرر ہونا چاہیے۔ حضرت بازید محمد نے ایسا ہی کیا۔ شہر کے ہندوؤں نے اس بات کیلئے نوکر مقرر کیئے کہ حضرت بازید محمد اپنے پیٹے کو گھر سے سیر کیلئے لائیں۔ یادہ بچہ خود اپنے ارادے سے نکلے۔ تو بازاروں اور گلی کو چوں میں اس کے آنے سے پہلے باآواز بلند منادی کر دیں۔ جب وہ لوگ منادی کرتے تو ہندو لوگ اپنی دکانوں یا اپنے مکانوں میں گھس جاتے۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ غلام باہو قدس سرہ کی زبان درخشاں سے خاص وقتوں میں جبکہ آپ اسرار بیان فرمایا کرتے تھے یہ سنا کہ شروع سے لیکر آخری دم تک سلطان العارفين سلطان باہو قدس سرہ کی نگاہ مبارک جس ہندو پر پڑی وہ مسلمان ہو گیا۔

اپنی تصنیفات میں کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ ہمیں ذات الہی کے انوار کی تجلیات کے مکاشفوں کے سبب ورد و وظیفہ کی فراغت نہیں۔ کیونکہ ہم وحدانیت کے گہرے سمندر میں مستغرق رہتے ہیں۔

میں نے اپنے والد ماجد قدس سرہ کی زبانی سنا ہے کہ حضرت شیخ سلطان العارفين قدس سرہ نے اپنی ساری عمر میں ایک مستحب بھی ترک نہیں کیا۔ سبحان اللہ ! باطنی واردات جذبات الہی اور انوار ذات کے مکاشفات اس قدر اور ظاہری استقامت کی یہ کیفیت کہ مدت العمر ایک مستحب بھی ترک نہ ہو۔

چونکہ حضرت سلطان العارفين قدس سرہ مادر زاد ولی تھے۔ اور روز پیدائش سے ہی صاحب اسرار تھے نیز آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے انوار ذات کی تجلیات کے مکاشفات کے سبب ظاہری علم اور درد و وظیفہ کیلئے فرصت نہیں میں ہر وقت وحدانیت میں مستغرق اور سیر فی الذات میں رہتا ہوں۔ ”و فی انفسکم افلا تبصرون“ وہ تمہاری جانوں میں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے نور محمدی کے علم لدنی کی پرورش کے سبب اقراء باسم ربک الذی خلق کے خزانہ سے ایک نور آپ پر چمکا میں نے اپنے بزرگوں سے صحیح طور پر سنا ہے کہ حضرت سلطان العارفين واقعی علم ظاہری سے اُمی تھے چنانچہ خود ہی

عین الفقر میں اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے اور محمد عربی کو ظاہری علم نہ تھا۔ لیکن باطنی علم کی فتوحات کی واردات اس قدر کھلی ہوئی تھیں کہ ان کے لئے کئی دفتر درکار ہیں بزرگوں نے قل و دل فرمایا ہے۔

اگرچہ نیت بامال علم ظاہر  
ز علم باطنی جاں گشتہ ظاہر

اگرچہ ہمیں ظاہری علم نہیں لیکن باطنی علم سے جان پاکیزہ ہوگئی

نیز میں (مؤلف کتاب) نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت سلطان العارفين قدس سرہ کے خلیفہ سید ابو صالح موسیٰ شاہ المعروف بہ مومن شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جن کامزار ملک سندھ رو پڑی شکار پور والہ میں خاص گھوٹکی المعروف لوصاحبان ولد مومن علیہ الرحمۃ کامزار ہے۔ مومن شاہ نے ایک لاکھ طالب اللہ کو باتا شیر تلقین فرمایا اور باقی ذکر خاص مقام پر کیا جائیگا۔ اپنے مرشد سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سو چالیس تصنیفات کو جمع کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ فرماتے ہیں

دیدہ ام در علم صحبت صد کتاب  
کردہ ام یک بیت ذیشان انتخاب

میں نے علم صحبت میں سو کتابیں دیکھی ہیں۔ اُن میں سے صرف ایک شعر چنا ہے  
آنجناب کی تصنیفات میں سے جو ملک میں رائج ہیں۔ اُن میں سے بعض کے نام لکھتا ہوں۔

۱۔ عین الفقر کبیر ۲۔ عین الفقر صغیر ۳۔ عین الفقر متوسط ۴۔ عقل بیدار کبیر ۵۔ عقل بیدار صغیر ۶۔ تلمیذ الرحمنؐ مجا  
لسۃ النبی ۸۔ محبت الاسرار ۹۔ اسرار قادری ۱۰۔ توفیق الہدایت ۱۱۔ تنبیغ برہنہ ۱۲۔ مجموعۃ الفضل ۱۳۔ محکم الفقر اکبیر ۱۴۔  
محکم الفقر صغیر ۱۵۔ فضل اللقا ۱۶۔ شمس العارفين رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۔ ادیوان باہو کبیر ۱۸۔ ادیوان باہو صغیر ۱۹۔ رسالہ روجی ۲۰۔  
اورنگ شاہی ۲۱۔ میرالکونین ۲۲۔ جامع الاسرار ۲۳۔ مفتاح العاشقین ۲۴۔ قرب دیدار ۲۵۔ نور الہدی ۲۶۔ عین النجا  
۲۔ قطب الاقطاب ۲۸۔ محکم الفقر ۲۹۔ کشف الاسرار ۳۰۔ شمس العاشقین۔

ان میں سے ہر ایک کتاب میں صرف فقر کے احوال اور مقامات کا ذکر ہے۔ ان میں اشعار۔ استعارات  
شیرازہ تمہیدات اور گذشتہ قصے کہانیاں بیان نہیں کیں۔ ان میں فقر کے احوال اور شریعت طریقت حقیقت اور معرفت الہی  
ذکر و فقر کے اشغال مراقبہ تصورات اور علم دعوت کا بیان ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ حضرت سلطان باہو قدس سرہ نے اپنی تالیفات میں سے ہر ایک کتاب میں اپنے بنائے ہوئے ہندی شعروں میں اصحاب صفہ کی طرح شغل کی مذمت کی ہے۔ یہ امر آپ کی تصنیفات کے مطالعہ اور نصیحتوں کے سننے سے واضح ہو سکتا ہے کہ آپ نے عمر بھر میں کسی دنیاوی تعلق یا شغل سے دست مبارک آلودہ نہیں فرمایا۔ ہاں صرف دو دفعہ بیل لے کر اپنے ہاتھ سے ہل چلایا اور کھیتی باڑی کی لیکن میں نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی سنا ہے کہ دونوں مرتبہ ہی عشق الہی کے جذبات کے سبب آپ نے بیلوں کو جتے جتائے کوئیں پر کھڑے چھوڑا اور خود تجلیات اور مکاشفات کے دیدار میں مست ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں کی سیر کو نکل گئے اور بیل اور سامان زراعت کسی کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ جو جس کے ہاتھ آیا لے گیا۔ مطلب یہ کہ دونوں مرتبہ ہی کھیتی کا کام سرانجام نہ ہوا اس بارے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ میں اس جہان کی جو کی روٹی کھاتا ہوں۔ اور کام اُس جہان کا کرتا ہوں جیسا کہ اونٹ کا سننے کھاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے۔

تامت نگر وی نکشی بار غم عشق  
آرے آرے شتر مت بار گراں را

جب تک تو مست نہ ہوگا عشق کے غم کا بوجھ نہیں اٹھاسکے گا ہاں ہاں مست اونٹ بھاری بوجھ اٹھاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کچھ اچھی چیز ہوتی تو جناب رسول خدا اور اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام اُسے قبول اور اختیار فرماتے۔ نیز آپ اپنی کتابوں میں تین راہزوں یعنی نفس شیطان اور دنیا کو تین طلاق دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ اگر یزید بھوکا ہوتا تو سید الشہد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار نہ کرتا۔

واضح رہے کہ بزرگوں نے فقر اور دوہتمندی کے بارے میں بہت کچھ تحقیق سے کام لیا ہے بعض کی رائے ہے کہ دوہتمندی فقر سے اچھی ہے کیونکہ اس سے دل کو فراغت ہوتی ہے۔ دنیا داروں میں معزز سمجھا جاتا ہے اور دوہتمندی کے اور بہت سے فائدے بیان کئے ہیں۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ فقر دوہتمندی سے اچھا ہے۔

حضرت سلطان العارفین قدس سرہ انہی دنوں ملتان میں غوث الملک شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاوالدین ابو بکر محمد زکریا قدس سرہ کے مزار حاضر ہوئے تو حضرت سلطان العارفین نے فرمایا کہ اپنے شہر میں سے ایک پاکیزہ آدمی کا بازو دیں۔ اتنا کہہ کر مستی اور جذبہ کی حالت میں روضہ مبارک سے نکل شمال کی جانب روانہ ہوئے جب ظہر نماز کے

لئے دریا کے کنارے پر وضو کر کے نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کنواری عورت نوجوان جوتی ہاتھ میں لئے پاؤں میں آبلے پڑے ہوئے روتی ہوئی آپ کے پیچھے آ کھڑی ہے آپ نے پوچھا تو کون ہے۔  
عرض کیا میں فلاں سا ہو کار کی لڑکی ہوں۔ پوچھا یہاں کیوں آئی۔

عرض کیا جب آپ حضرت غوث الملک کے مقبرہ منورہ میں گئے اور وہاں سے نکلے میں اسی وقت مسلمان ہو گئی۔ اور آپ کے پیچھے روانہ ہوئی۔ کیونکہ مجھے حضرت غوث الملک نے آپ کی خدمت بلکہ آپ کی لونڈی ہونے کا حکم دیا تھا۔ حضرت سلطان العارفين حکم الہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب حکم الہی ہوا تو اسی وقت اپنے باطنی جذبہ سے ارد گرد کے گاؤں کے بڑے بڑے مسلمانوں کو حاضر کیا۔ اور اسی وقت نکاح کر لیا۔ پھر نماز ادا کی پھر اسی لباس میں منزل قصبہ شوروٹ میں اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ پہلے ہی آپ کی بیویوں کو فرماتی تھیں کہ آج ایک سو کن میرا بیٹا لائیگا۔

جب آپ نے والدہ کی قد مبوسیٰ حاصل کی تو انہوں نے ناراض ہو کر فرمایا۔ ”کہ بیٹا ! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے بہت عورتیں جمع کرنے کیلئے پیدا کیا ہے یا کسی اور کام کیلئے؟ آپ نے پوچھا مجھے اللہ تعالیٰ نے کس کام کیلئے پیدا کیا ہے؟

فرمایا: اپنی معرفت کے لئے نہ کہ بہت سی عورتوں کیلئے، آپ نے عرض کیا: مجھے معرفت الہی حاصل ہے۔ حضرت مائی صاحبہ نے فرمایا کہ جب تک مرشد نہ پکڑو گے۔ معرفت حاصل نہ ہوگی۔ آپ نے عرض کیا۔ مجھے ظاہری مرشد کی کیا ضرورت ہے۔ میرے مرشد کامل حضرت محمد رسول ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔

بیٹا ! ظاہری مرشد بغیر انسان خدا رسیدہ نہیں ہوتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کا شرف حاصل تھا۔ اور اس مطلب کے لئے کوہ طور پر جایا کرتے تھے۔ حصول ارشاد اور تلقین کیلئے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ مجمع البحرین پر جانا پڑا۔ جیسا کہ سورہ کہف میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے عرض کی۔ آپ میرے لئے کافی مرشد ہیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ بیٹا ! عورتوں کو بیعت اور تلقین کرنے کا حکم نہیں۔ کیونکہ حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام اور رابعہ بصری علیہا السلام نے بیعت اور تلقین نہیں کی۔ پھر عرض کیا کہ میں کہاں تلاش کروں۔

فرمایا۔ روئے زمین پر ڈھونڈو اور اشارہ مشرق کی طرف کیا۔ آپ نے نبی بیوی کو اسی لباس میں بغیر ہمبستری

کیئے اپنی والدہ ماجدہ کے پاس چھوڑا۔ اور خود مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب حضرت سلطان العارفين دریاے راوی کے کنارے آئے تو حضرت شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کا شہرہ سنا۔ چنانچہ شہر بغداد میں حضرت شاہ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ کی یہ کرامت تھی کہ پانی کی دیگ زم آنچ پر ہر وقت گرم رکھا کرتے۔ جو طالب حق آتا اسے اس دیگ میں ہاتھ ڈالنے کا حکم دیتے وہ ہاتھ ڈالتے ہی صاحب کشف ہو جاتا جب حضرت سلطان العارفين نے یہ کرمہ دیکھا تو خاموش بیٹھے رہے۔ بعد ازاں اپنا مقصد عرض کیا۔ حضرت شاہ حبیب اللہ نے فرمایا کہ اے درویش ! تو نے اپنے ہاتھ دیگ میں کیوں نہیں ڈالے۔ اگر ڈالتے تو مراد کو پہنچ جاتے۔ آپ نے عرض کی کہ حضرت دیگ میں ہاتھ ڈالنے والوں کا حال دیکھتا تھا۔ اس سے میری مراد پوری نہیں ہوتی۔

پھر حضرت شاہ حبیب اللہ نے فرمایا کہ اے درویش ! ٹھہر چند روز مجاہدہ کر مسجد کا پانی بھر۔

حضرت سلطان العارفين نے پانی کیلئے مشک مانگی۔ لنگر کے خدمت گزاروں نے ایک مشک دی۔ آپ نے ایک ہی مشک بھر کر ڈالی تو حمام اور صحن پانی سے پر ہو گئے درویشوں نے یہ حال حضرت شاہ حبیب اللہ کی خدمت میں عرض کیا۔ انہوں نے سلطان العارفين کو فرمایا۔ اے درویش ! کیا تمہارے پاس دنیاوی مال ہے۔ عرض کیا۔ ہے فرمایا دوئی نہیں ہو سکتی۔ پہلے مال و متاع سے فارغ ہو لو۔

یہ سن کر آپ فوراً واپس آئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی مستورات کو فرمایا کہ میرا بیٹا دنیاوی مال و متاع کو پھینکنے کیلئے آ رہا ہے تم اپنا اپنا زیور اور نقدی بچا لو کہیں دبا دوتا کہ وقت ضرورت کام آئے۔ آپ کی مستورات نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت سلطان العارفين آئے اور والدہ محترمہ نے آنے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ شیخ نے دنیاوی مال کو چھوڑنے اور دور کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا اگر کوئی مال ہے تو لے کر دور کر دو۔ اس وقت آنجناب کے فرزند نور محمد شیر خوارگی کی حالت میں گہوارے میں تھے۔ بد نظری سی بچاؤ کیلئے سونے کی انگوٹھی بچے کی انگلی میں تھی۔ آپ نے وہ انگوٹھی بچے کی انگلی سے اتار کر گلی میں پھینک دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی اور دنیاوی مال ہے تو دوتا کہ میں پھینک دوں آپ کی والدہ نے فرمایا کہ آپ کے گھر میں مال کہاں۔ آپ نے عرض کیا کہ ابھی مجھے گھر سے بد بو آئی ہے آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا۔ اگر بو آئی ہے تو نکال کر پھینک دو۔ پس جس جگہ زیور وغیرہ دبایا ہوا تھا۔ وہاں سے نکال باہر پھینک دیا۔ اور فارغ ہو کر پھر حضرت شاہ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔

حضرت شاہ حبیب اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دنیاوی مال سے تو فارغ ہو گئے ، اب اپنی عورتوں کا کیا کرو گے۔ آیا اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو گے یا ان کا۔ جا کر انھیں آزاد کرو۔ تاکہ تم پورے طور پر راہ حق کیلئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ دیدار ذات کے طالب مست الست اسی وقت پھر گھر کی طرف لوٹے۔

کیست صائب زہرہ کس را سینہ برنداں زدن  
از دود صدم عاشق یکے بے باک مے آید بردن

اے صائب ! یہ کس کی جرأت ہے اور کس میں حوصلہ ہے کہ اپنا سینہ سنداں پر دے مارے۔ دو سو عاشق میں سے صرف ایک آدھا ایسا منجھانکتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی مستورات کو اطلاع دی کہ میرا بیٹا تم سے قطع تعلق کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ میری پیٹھ پیچھے بیٹھ جانا۔ ایسا نہ ہو کہ شوق الہی کے سبب تمہارے حق میں کوئی شرعی کلمہ زبان سے نکال بیٹھے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اتنے میں آپ بھی جا بیٹھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے پوچھا کہ بیٹا اب کیسے آنا ہوا۔ آپ نے اصل مدعا عرض کیا۔ تو والدہ محترمہ نے فرمایا۔ سنو بیٹا۔ جو حقوق عورتوں کی طرف سے تمہارے ذمے ہیں۔ مثلاً خرچ وغیرہ وہ سب برائے خدا تمہیں بخشتی ہیں۔ تم ان کے حقوق ادا کرنے سے فارغ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرو۔ اور تمہارے حقوق جو ان کے ذمے ہیں وہ بدستور قائم رہیں گے۔ اگر تم حق کو حاصل کر کے آگئے تو بہتر ورنہ تمہیں ان کے حقوق ادا کرنے کیلئے آنے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ آپ میں شرع کی حمایت بدرجہ کمال پائی جاتی تھی۔ اس لئے والدہ صاحبہ کے کلمات نے آپ پر پورا پورا اثر کیا۔

اپنی مستورات کی زبان سے حقوق مذکور کی معافی قبول کر کے پھر حضرت شاہ حبیب اللہ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ جب وہ آپ کا اچھی طرح امتحان کر چکے تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مسکن بغداد میں آئے اور حضرت سلطان العارفین کو فرمایا۔

”اے درویش ! جس نعمت کے تم مستحق ہو وہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ البتہ ہم تمہاری رہنمائی کرتے ہیں اور جہاں تمہارا نصیب ہے ہم بتائے دیتے ہیں۔ وہاں سے اپنا نصیب لے لو۔ پھر شاہ صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ تم میرے شیخ سید السادات حضرت پیر سید عبدالرحمن دہلوی قادری کی خدمت میں جاؤ۔ جو بظاہر شاہی منصب دار ہیں۔ جب حضرت سلطان العارفین دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ابدال، اوتا دا اور مجذوبوں سے ملاقات

ہوئی۔ جو خود بخود آپ سے ملاقات کرتے تھے۔

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان العارفين قدس سرہ دہلی کی طرف جا رہے تھے۔ تو سلطان حمید بھکروالے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے کا ایک خلیفہ مجذوب مست اور لا اوبالی آپ کے پیچھے سے آیا اور اس نے ایک لکڑی سلطان حمید کی پشت پر ماری۔ جس سے سلطان حمید بہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ مست دوسری لکڑی مارنا چاہتا تھا کہ حضرت سلطان العارفين نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور فرمایا۔ صاحب ! ہم درویش ہیں۔ بس کر۔ وہ مست باز آیا اور چلا گیا۔ حضرت سلطان العارفين قدس سرہ نے توجہ کر کے سلطان حمید کو حالت سکر سے صحو میں لا کر روانہ ہوتے وقت فرمایا۔ اے حمید اگر ہمیں خبر نہ ہوتی اور وہ مست دوسری لکڑی مار بیٹھتا تو ہم بھی مستی سے ہوش میں نہ لا سکتے۔

حضرت سلطان العارفين حق کی تلاش فروعی اللہ کے مطابق دہلی کے پاس آ پہنچے۔ ادھر سے سید السادات حضرت پیر سید عبدالرحمن دہلوی قدس سرہ نے ایک درویش کو بھیجا کہ فلاں رستے ایک اس شکل و صورت کا درویش آ رہا ہے۔ اُسے فوراً ہمارے پاس لاؤ۔ حضرت سلطان العارفين اس بدرقہ کی رہنمائی سے حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت سید السادات پیر صاحب آپ کا ہاتھ پکڑ کر غلوت میں لے گئے۔

پس آپ نے مرشد کامل سے اپنا زلی نصیب ایک قدم میں ایک ہی دم میں پالیا۔ جو چاہتے تھے مل گیا۔ اسی وقت آپ کو رخصت کیا گیا۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ آپ الستی فیض سے مستفیض۔ نعمت سے پر رسانی کے جذبات سے لبریز تھے۔ دہلی کے بازاروں میں گشت کرنے لگے۔ اور ہر خاص و عام پر توجہ کرنے لگے۔ جس کا خاص اثر ہوا۔ اور خلق خدا عام فیض حاصل کرنے لگی۔ اور خلقت کا اس قدر انبوہ ہو گیا کہ رستے بند ہو گئے۔ شہر میں غل سا جچ گیا۔

درویشوں نے یہ ماجرا حضرت سید السادات پیر صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ ایک ولی اللہ دہلی کے بازاروں میں پھرتا ہے اور خلق خدا کو عام توجہ سے جذبات الہی میں لایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جا کر دریافت کرو کہ کون ہے۔ اور کہاں کارہنہ والا ہے۔ اور کس خاندان اور سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔

درویشوں نے جا کر دیکھتے ہی پہچان لیا اور آ کر عرض کیا۔ کہ وہی درویش ہے جسے آپ نے آج تلقین فرمایا تھا۔ آپ سن کر ملول ہوئے اور فرمایا: اس درویش کو فوراً یہاں لاؤ۔ جب سلطان العارفين پیر صاحب کی خدمت میں لائے گئے تو پیر صاحب نے جھڑک کر فرمایا۔ کہ اے درویش ہم نے تجھے یہ خاص نعمت عنایت کی۔ اور تو نے عام کر دی۔ عرض کیا سیدی جب بڑھیا عورت روٹی پکانے کا تو بازار سے خریدتی ہے تو بجا کر دیکھتی ہے کہ کیسا کام دے گا۔ آیا درست

ہے یا نہیں۔ اور جب ایک لڑکا لکڑی کی کمان خریدتا ہے تو اسے کھینچ کر دیکھتا ہے کہ اس میں لچک کافی ہے یا نہیں۔ سو میں نے جو آپ سے نعمت عظمیٰ حاصل کی۔ میں بھی اس کی آزمائش کرتا تھا۔ کہ مجھے آپ سے کس قدر نعمت عطا ہوئی اور اس کی ماہیت کیا ہے۔

آپ نے اپنے مرشد کامل پیر عبد الرحمان رحمۃ اللہ علیہ سے اس وقت اور تازہ مہربانی اور اندازہ ارشاد حاصل کیا اور رخصتی پائی۔ چونکہ فیض رسانی کے جذبات غایت تھے۔ اس لئے آپ پھر بازار آئے اس وقت جمعہ کا وقت تھا۔ اور اورنگ زیب بادشاہ ارکان دولت سمیت نماز کے ادا کرنے میں مشغول تھا۔ اس مسجد میں اس قدر بھیڑ تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اس لئے حضرت سلطان العارفين قدس سرہ سب سے پیچھے جہاں جوتیاں رکھتے ہیں۔ کھڑے ہوئے اور جب آپ نے توجہ کی تو تمام مسجد میں شور اور وجد ہو گیا۔ یہاں تک کہ صرف تین آدمی یعنی اورنگ زیب بادشاہ۔ قاضی اور کو توال جذبہ کی تاثیر اور نگاہ کے اثر سے غیر موثر اور محجوب رہے۔

انہوں نے دست بستہ آ کر عرض کیا۔ کہ ولی اللہ مرد خدا ہمارا کیا نگاہ اور ہماری کیا تقصیر کہ ہمیں اس نعمت سے محروم رکھا اور توجہ نہ دی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے تو توجہ یکساں کی تھی۔ تم پر اس واسطے اثر نہیں ہوا۔ کہ تمہارے دل سخت تھے۔ انہوں نے پھر دست بستہ ہو کر فیض کیلئے التجائی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے یہ شرائط ہیں کہ تم اور تمہاری اولاد ہماری اولاد اور پس ماندوں کیلئے دنیاوی مال و متاع کی مروت نہ کریں۔ اور ہمارے مکان پر نہ آئیں۔ تاکہ تمہارے دنیاوی اموال کے سبب ہمارے عمیال و اولاد میں دنیاوی جھگڑے اور فساد نہ پڑ جائیں اور گمراہ نہ ہو جائیں۔

آپ نے اورنگ زیب سے یہ اقرار لے کر ان پر توجہ کی اور خاص فیض تک پہنچایا۔ اور بعد ازاں وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔ اورنگ زیب نے آپ سے یادگار کیلئے التجائی۔ تو آپ نے وہیں کھڑے کھڑے کتاب اورنگ شاہی تالیف فرمائی۔ جسے شاہی محروں نے اسی وقت لکھ لیا۔ اور اس ارشاد نامہ کو بطور یادگار رکھا۔ آپ اسی وقت لوٹ آئے۔ اسی اثنا میں ایک دفعہ آپ شاہراہ پر لیٹے ہوئے تھے۔ کہ اتنے میں ہندو سنیاہوں کا ایک گروہ وہاں سے گزرا۔ آپ بدستور لیٹے رہے۔ ان میں سے ایک نے بطور حقارت آپ کو پاؤں کی ٹھوک سے اٹھا کر کہا کہ ہمیں رستہ بتاؤ۔ آپ نے اٹھتے ہی فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ وہ سنیاہوں کا سارا گروہ کلمہ طیب کی ایک ضرب اور آپ کی نظر مبارک کے جذبہ سے مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور اولیاء اللہ کا ایک گروہ بن گیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ وہ سب کہ سب ابدال ہو



گئے۔ اور ان کی حالت اس مصرعہ کلم قبرگم جہ گم نام و نشان، کے مطابق ہو گئی۔ جو آنحضرت بعض طالبان حق کے احوال میں فرماتے ہیں۔ اور یہ مناقب بہت مشہور ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کی زبانی سینہ بسینہ سنتے آتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال مرشد کی تلاش میں پھرتا رہا اور کئی سال طالب اللہ کی طلب میں بسر ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیس سال بعد مجھے کامل مرشد ملا۔ اور اب مدت ہو گئی ہے کہ میں سچے طالب کی تلاش میں ہوں۔ یعنی جیسا صدق طلب کا حق ہے میں نے نہیں پایا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ طلب حق کے صدق کی کوئی حد نہیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی

واضح رہے کہ آنحضرت قدس سرہ کی منکوحہ بیویاں چار تھیں۔ ایک حضرت مخدوم برہان علیہ الرحمۃ لنگر مخدوم والدہ کے خاندان سے تھیں۔ یہ حضرت مخدوم حضرت واثق الملک شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین محمد ابو بکر خلیفہ صاحب ارشاد و مقامات عالی تھے۔ دوسری اپنے ہی کفو یعنی قوم اعوان سے تھیں، تیسری بھی اپنے قریبی رشتہ داروں سے تھیں چوتھی ملتان کے ہندو ساہوکار کے خاندان سے تھیں۔ جو حضرت غوث الملک شیخ بہاؤ الدین محمد ابو بکر ذکر کیا قدس سرہ سے بطور کرامت عنایت ہوئی تھیں۔

جناب رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں۔ حبیبی من لا دنیا تلثتہ الطیب والنساء ووقت عینی فی الصلوۃ۔ مجھے تین چیزوں سے انس ہے۔ یعنی ان تین سے محبت کرنا میری سرشت میں داخل ہے۔ اول خوشبو۔ دوسرے منکوحہ عورت تیسرے نماز۔ اور میری آنکھوں کو نماز میں ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ یہ محبت اور دوستی اعلیٰ درجہ ہے۔ یعنی جب حبیب محبوب سے ملتا ہے۔ تو اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ اور دل کا مزاج بہت گرم ہے۔

اور ان میں حرارت بدرجہ کمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کارکنان قدرت نے آنکھ کو پانی سے بھرے ہوئے چشمخانہ میں رکھا ہے۔ نیز آنکھیں سرد ہوا کا احساس کرتی ہیں۔ اور جب سرد پانی آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے تو انھیں فرحت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ دل کو پھیمچھڑے کا پنکھا عنایت کیا ہے جو ہر وقت دل کو ہوا پہنچاتا رہتا ہے۔ منہ ناک اور مسام کے رستے اکثر شریانیں سرد اور تازہ ہوا دل کو پہنچاتی ہیں۔ دل بھی آنکھ کی طرح ہر وقت پانی میں غوطہ لگاتا ہے۔ دل کی گرمی سے سینہ گرم رہتا ہے اور سینہ کی سردی مساموں کی راہ دل پر پہنچتی ہے۔ کیونکہ سینے کی احتیاء دل کی مجاور اور اس کے غلاف ہیں۔

نیز حدیث میں ہے کثرة النکاح من سنتی ومن سنن الانبیاء من قبلی بکثرت نکاح کرنا میرا اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا طریقہ ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تین سو ساٹھ عورتیں تھیں۔

انیس الواعظین میں نکاح کے باب میں لکھا ہے کہ نکاح کرنا دنیاوی معاملہ نہیں بلکہ ایک دینی معاملہ ہے۔ کیونکہ امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر زاہد تھے۔ لیکن پھر بھی زیادہ نکاح کرتے تھے۔

چنانچہ امیر المؤمنین حضرت امام حسن علیہ السلام بادشاہی اور خلافت ترک کر کے اپنے نانا جان جناب رسول مقبول ﷺ کے روضہ مبارک میں متعطف ہوئے۔ اور یہ واضح اور روشن ہے کہ آپ کا بہت نکاح کرنا دنیا میں شامل نہیں۔ کیونکہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی چار منکوحہ بیویاں اور سترہ ﷺ لوٹیاں تھیں۔ حالانکہ آنحضرت کرم اللہ وجہہ تمام صحابہ کرام سے بڑھ کر زاہد تھے۔ یہ حالات میں نے انساب نامہ سے اور انساب نامہ والے نے نبج المجالس سے نقل کئے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ بکثرت نکاح کرنا دین میں داخل ہے نہ دنیا میں۔ اگرچہ بظاہر اس مشغلہ میں نفسانی حظ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہ اشرف المخلوقات یعنی انسان کی پیدائش کا سبب ہے۔ جس طرح فریضہ نماز باوجود دوسووں اور خطرات کے ریا سے پاک ہے۔ اس میں ریا کی خواہش کا اثر نہیں اور ہرگز ہرگز ریا کا اس میں دخل نہیں کیونکہ فقہ میں ہے کہ نماز فریضہ ریا سے پاک ہے۔ اسی طرح اگرچہ بکثرت نکاح سے نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے لیکن اور ہر طرح سے ثواب ہی ثواب ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عورت سے جماع کر کے انزال کے بعد بھی بدستور آغوش میں لینا اور ٹھیرنا نہایت ضروری اور مستحب ہے۔ بلکہ سنت ہے۔ پس اولیاء اللہ کے کام بہت اعلیٰ اور بلند ہیں۔ کہ ان سے شریعت کی فضیلتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ اور طریقت کے درجے بھی۔ کیونکہ یہ لوگ حکم اور الہام کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ والسلام خیر الکلام۔

واضح رہے کہ حضرت سلطان العارفين کی اولاد تعداد میں آنحضرت

اول حضرت سلطان نور محمد قدس سرہ

دوسرے حضرت شیخ سلطان ولی محمد قدس سرہ

تیسرے سلطان لطیف محمد قدس سرہ

چوتھے۔ حضرت شیخ سلطان صالح محمد قدس سرہ

پانچویں۔ حضرت شیخ سلطان اسحاق محمد قدس سرہ

چھٹے۔ حضرت شیخ سلطان فتح محمد قدس سرہ

ساتویں۔ حضرت شیخ سلطان شریف محمد قدس سرہ

آٹھویں۔ حضرت شیخ سلطان حیات محمد قدس سرہ

جو بچپن میں ہی دارفانی سے رخصت ہوئے۔ سلطان العارفين سلطان باہو قدس سرہ نے اپنے

تمام فرزندوں کو ظاہری علوم حاصل کرائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ فاقہ کی رات فقر کیلئے معراج کی رات ہوتی ہے فاقہ کی رات فقیر کو اللہ تعالیٰ کا وصال ہوتا

ہے:

اندروں	از	طعام	خالی	دار
تادر	آں	نور	معرفت	بینی

تو اپنا پیٹ کھانے سے خالی رکھ۔ تاکہ تو اس میں معرفت کا نور دیکھے

اگرچہ مغلیہ بادشاہوں کی طرف سے شاہ جہان کے عہد سے لے کر دریائے چناب کے کنارے ایک وسیع

جاگیر صوبہ ملتان میں شورکوٹ کے پرگنہ کے متعلق جس میں ایک اینٹوں کا قلعہ بھی شامل تھا۔ اور جس میں کئی آباد کنوئیں

جاری تھیں۔ اور ہزار ہائیگھ زمین بارانی شامل تھی۔ ملی ہوئی تھی۔ پچاس ہزار ہائیگھ سے زیادہ زمین اس جاگیر میں تھی جس

کا حدود اربعہ حسب ذیل ہے

شمالی حد ڈیرہ سارنگ خاں بلوچ مرڑانی۔ مشرقی حد دھوڑکوٹ۔ جنوبی حد پرانا نوشہرہ مغربی حد اب تک وہ جاگیر

آنحضرت کے مزار کے سجادہ نشینوں کے قبضہ میں ہے۔ مذکورہ بالا جاگیر اپنے بزرگوں کی زبانی سنی۔ اور موجودہ

سندوں میں لکھی دیکھی کہ قلعہ شاہ نگر پرانا کے دروازے پر جو گرچکا اور برباد ہو چکا ہے۔ آنحضرت کی جاگیر کے چند

کنوئیں تھیں۔ جو سندوں کے بموجب اب سجادہ نشینوں کے کارخانہ میں موجود ہیں۔

آپ نے اپنی زندگی میں اس جاگیر کے متعلق پرواہ نہ کی اور محض فقر محمدی ﷺ اختیار کیا اور تارک اور فارغ

رہے۔ واللہ اعلم، آپ کی زندگی میں جاگیر کی کیا حالت ہوگی جب کہ آپ تارک اور فارغ تھے۔ آنحضرت کی مصنفہ

کتابوں اور ہندی اشعار کو دیکھنا چاہیے۔ آپ نے دنیاوی شغل اور مال و اسباب کو اپنے پر مطلق حرام کر دیا اور ساری عمر فقر اور متابعت محمدی میں بسر کر ڈالی۔ آپ کی وفات بھی اسی قلعہ جاگیر میں ہوئی۔

حضرت شیخ سلطان العارفین قدس سرہ کا سر مبارک متوسط درجے کا گول نہ بہت بڑا نہ چھوٹا تھا۔ اکثر منڈا ڈالتے۔ آپ کی پیشانی فراخ۔ پلکیں اور بھنویں بڑی بڑی موٹی اور چمکدار تھیں۔ آنکھیں سیاہ اور سفیدی میں سرخ رنگیں بکثرت تھیں۔ بلکہ یہ سبب جلال مست تھیں۔ ناک مبارک بلند۔ رخسار پر گوشت موزوں نہ بالکل گول نہ بالکل لمبوترے۔ بلکہ متوسط درجے کے تھے۔ جناب کی ٹھوڈی نہ بہت لمبی تھی نہ بہت چھوٹی۔ جس سے چہرہ مبارک نہایت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ آپ کی ریش مبارک گھنی تھی۔ تریٹھ سال کی عمر میں آپ ڈاڑھی میں مہندی لگایا کرتے۔ مگر سارے بال سفید نہ تھے۔ گوٹھیک معلوم نہیں کہ سفید بال زیادہ تھے یا سیاہ۔ لیکن اغلب ہے کہ سیاہ زیادہ تھے۔ آپ کا سینہ مبارک جو انوار الہی کا مصدر تھا۔ فراخ اور خوبصورت تھا۔ بازو موٹے اور مضبوط اور آپ کا سار ابدن مبارک ایسا موزوں تھا۔ کہ عاشق لوگ آپ کے جمال مبارک پر نگاہ جمائے رکھتے تھے۔ آپ کے دوست عرض کیا کرتے کہ آپ اپنا بدن مبارک ڈھانپ کر رکھا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو نظر لگ جائے۔ آپ کے سینہ مبارک اور اعضا پر بال تھے۔ لیکن بہت زیادہ نہ تھے۔ بلکہ متوسط درجے کے تھے۔ اور بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ آپ کے جسم مبارک کا گوشت نہ زیادہ تھانہ کم۔ جناب کی ہڈیاں گوموٹی تھیں لیکن گوشت میں چھپی ہوئیں۔ آپ کی انگلیاں قد کے مطابق ذرا لمبی تھیں۔ اور چہرہ مبارک کارنگ سانولا تھا۔

## حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1680ء

وصال: 1757ء

مزار: قصور

حضرت بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ 1680ء میں اوج شریف میں حضرت شاہ محمد درویش کے ہاں پیدا ہوئے جن کے آباؤ اجداد ازبکستان سے یہاں آئے تھے۔ ابھی آپ چھ ماہ کے تھے جب آپ کے والد آپ کا لے کر مکوال چلے آئے۔ یہاں وہ بطور مدرس اور خطیب مسجد خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعد میں آپ نے قصور سے پچاس میل دور پنڈوک میں ملازمت اختیار کر لی۔ حضرت بلھے شاہ نے ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی اور اس کے بعد مزید تعلیم کیلئے قصور کا رخ کیا۔ یہاں آپ نے مولانا محی الدین سے بھی علم حاصل کیا جو ایک جید عالم اور صوفی تھے۔ شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ (1538 - 1599) سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ (1691 - 1629) کی طرح ایک صوفی شاعر تھے،

حضرت بلھے شاہ میر قادری شطاری کا اصل نام عبداللہ شاہ تھا، آپ قدیم صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد مذہبی اور پرہیزگار انسان تھے انھوں نے آپ کی اور آپ کی ہمیشہ کی تربیت بھی اسی انداز اور رنگ

میں فرمائی۔

حضرت بلھے شاہ خود بھی ایک عظیم محقق اور سکالر تھے۔ آپ نے حضرت شاہ عنایت قادری لاہور کی بیعت کی جنھوں نے آپ کو تصوف کے رموز سے آشنا کر دیا۔

حضرت بلھے شاہ سے بہت سے واقعات منسوب ہیں۔ آپ نے ایک بار ایک عورت کو دیکھا جو اپنے خاوند کی منتظر تھی اس نے اپنے گیسو سنوارے اور محبت سے شوہر کی راہ دیکھنے لگی۔ حضرت بلھے شاہ نے بھی نسوانی روپ دھارا اور اپنے پیرومرشد کے حضور جا پہنچے۔ اسی طرح ایک بار آپ نے گھنگھرو پہن کر قص کیا جو عشاق کیلئے ایک ضرب المثل بن چکا ہے۔ آپ کا شمار پنجابی کے عظیم صوفی شعرا میں ہوتا ہے اور آپ کا کلام اور کافیاں بڑی لے کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کافی لکھتے تھے جو سنجی، پنجابی اور سرایتی کا انداز ہے۔

آپ کا زمانہ شاہ عبداللطیف بھٹائی (1752 - 1689) کا زمانہ ہے۔ پنجابی رومانی داستان ہیر وارث شاہ کے مصنف وارث شاہ (1722 - 1798ء) اور عبدالوہاب المعروف سچل سرمست (1739 - 1829ء) کی طرح آپ کے سوانح حیات بھی زیادہ تر زبانی روایات میں ملتے ہیں۔

آپ انسانیت کو ترجیح دیتے اور امن کا پرچار کرتے تھے۔ آپ نے ایک نوجوان سکھ کے مسلمانوں کے ہاتھوں بلا جواز قتل کو سخت ناپسند فرمایا جو مسلمانوں کے قصبے سے سوار ہو کر گذر رہا تھا۔ آپ تشدد کے جواب میں تشدد کے قائل نہیں تھے۔ اسی طرح گروتیغ بہادر کا آپ نے ”غازی“ اور ”مذہبی ہیرو“ قرار دیا جس کی وجہ سے علماء نے آپ کے خلاف محاذ بنالیا۔

آپ کی شاعری میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت ملتی ہے۔ آپ کی کافیاں عابدہ پروین، پٹھانے خان نے کلاسیکی جبکہ جنون گروپ نے ماڈرن انداز میں گائی ہیں۔ آپ کا کلام ہندو، سکھ اور مسلم سب میں مقبول ہے۔ ہندو اور سکھ لکھاریوں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلھے شاہ کے موضوعات انسانی ہیں۔

1990ء میں جنون گروپ نے بابا بلھے شاہ کا کلام ”کیہہ جاناں میں کون لیھیا“ اور 2004ء میں ”علموں بس کریں او یار“ پیش کر کے داد حاصل کی۔ رنی شیرگل نے بھی آپ کی کافیاں گائیں۔ بھارت کے صوفی گروپ ودالی بندھو نے بھی آپ کا کلام پیش کیا جو دونوں ممالک کے علاوہ یورپ میں بھی پسند کیا جاتا ہے۔ پاکستانی فلم

”خدا کیلئے“ میں ” بندیا ہو “ شامل کیا گیا ہے۔ بھارتی فلموں میں بھی آپ کا کلام شامل کیا گیا ہے۔ فلم ” دل سے “ میں ” تہیڈے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا۔ چھیتی بوہڑیں وے طیبیا نی تے میں مرگیا “ شامل کیا گیا۔ سائیں ظہور نے 2010ء میں آپ کا کلام پیش کیا۔

حضرت بلھے شاہ کا وصال 1757ء میں ہوا۔ آپ کا مزار قصور شہر میں ہے۔

کی جانا میں کون او بلھیا

کی جانا میں کون او بلھیا

نا میں مومن وچ مسیتاں

نا میں وچ کفر دیاں ریتاں

نا میں پاکاں وچ پلیتاں

نا میں موسیٰ نا فرعون

کی جانا میں کون او بلھیا

کی جانا میں کون او بلھیا

نا میں بھیت مذہب دا پا یا

نا میں آدم حوا جایا

نا کج اپنا نام دھرایا

نا وچ بیٹھن نا وچ بھون

کی جانا میں کون او بلھیا

کی جانا میں کون او بلھیا

اول آخر آپ نوں جانا

نا کوئی دوجا ہوہر پیگھانا

میں توں ودھ نہ کوئی سیانا

بلھا شاہ کھڑا ہے کون

کی جانا میں کون او بلھیا

کی جانا میں کون او بلھیا

چل بلھیا او تھے چلیے

جتھے سارے ہوون انھے

نا کوئی ساڈی ذات پیچھانے

نا کوئی سانوں اوتھے منے

کی جانا میں کون او بلھیا

کی جانا میں کون او بلھیا

## حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ ”مادھولال حسین“

ولادت: 1538ء

وصال: 1599

مزار: لاہور

حضرت شاہ حسین ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ایک عالم اور صوفی شاعر تھے۔ آپ نے اس وقت کے ثقافتی منظر ”چرنے“ کے گرد اپنی کافیوں کا تانا بانا تیار کیا اور اس کے پس منظر میں دنیا و آخرت کو پیش کیا۔ ایک ہندو مادھو سے عشق کی حد سے بھی زیادہ دوستی کو امر کرنے کے لئے آپ نے ”مادھولال حسین“ کہلانا شروع کر دیا۔ آپ کا عہد مغل حکمران اکبر اور جہانگیر کا عہد تھا۔

آپ کی والدہ راجپوت تھیں اور ڈھاڈھا قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے ددھیال والے کلس رائے تھے اسی لئے آپ کا نام ڈھاڈھا حسین کلس رائے رکھا گیا۔

آپ حضرت بہاول شاہ دریائی کے مرید تھے۔ آپ کے اسلاف میں سے کلس رائے نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اسلام قبول کیا اور شیخ الاسلام کا عہدہ حاصل کیا۔ کلس رائے بعد میں ان کا خاندانی نام ٹھہرا۔ آپ بچپن میں سرخ لباس پہنتے تھے جس کی وجہ سے ”لال حسین“ مشہور ہو گئے۔

حضرت شاہ حسین 36 برس کے تھے جب شیخ سعد اللہ کے پاس قرآن پاک کے مفہیم و مطالب پڑھ رہے تھے ایک روز یہ آیت پڑھی کہ اس جہان کی زندگی کھیل اور تماشا ہے۔ آپ نے اس ظاہری مفہوم سے اختلاف کیا اور ساتھ ہی زندگی میں بدلاؤ آگیا۔ آپ نے زندگی کو کھیل تماشے میں بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قص کرتے ہوئے مدرسہ سے نکل



گئے اور پھر کبھی لوٹ کر اس روش پر نہ آئے۔

آپ صوفیاء کے ملا متی گروہ میں شامل ہو گئے اور ہر وقت رقص و موسیقی میں محو رہنے لگے۔

آپ حوتیلیؒ کی دکان پر اکثر جاتے جو شاہ جمالؒ (اچھرہ) کا مرید تھا۔ وہاں کچھ دیر کئے اور رقص کرتے۔ اسی دوران، ادھونامی ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے۔ دونوں میں دوستی ہو گئی مگر اس دوستی کو لوگوں نے کچھ اور ہی رنگ دینا شروع کر دیا۔ پہلے تو اس کے والدین اسے شاہ حسینؒ سے دور رکھنے کے جتن کرتے رہے لیکن انھوں کچھ ایسی باتوں کا مشاہدہ کیا کہ وہ مادھو سمیت مسلمان ہو گئے۔ حضرت شاہ حسین 1599ء میں وفات پا گئے اور باغبانپورہ لاہور میں دفن ہوئے۔ مادھو آپ کے بعد 40 برس زندہ رہا اور وفات کے بعد اپنے پیر یعنی شاہ حسین کے پہلو میں دفن ہوا۔ 22 جمادی الثانی کو دونوں کا عرس منایا جاتا ہے۔ حضرت شاہ حسینؒ کے سولہ غلیفہ تھے جن میں چار خاکی، چار غریب، چار دیوان اور چار بلاول کہلاتے تھے۔ آپ کی شاعری کافیوں پر مشتمل ہے جن میں چار سے دس تک اشعار ہوتے ہیں۔ آپ کی کافیاں معروف لوک گلوکاروں نے گائی ہیں۔ چند حسب ذیل ہیں۔

میں وی جانناں ڈھوک رانجھن دی نال میرے کوئی چلے  
پیراں پیندی منتاں کردی جانناں تاں پیا اکلے  
نینھہ وی ڈوٹھی، غلہ پرانا، شہباں نے پتن ملے  
رانجھن یار طیب سیدنا میں تاں درد اولے  
کہے حسین فقیر نماں سائیں سنیہ ہوڑے گھلے

☆☆☆☆

سجن بن راتاں ہونیاں وڈیاں  
رانجھن جوگی میں جوگیاں کملی کر کر سڈیاں  
ماس جوڑے جوڑ پنجر ہویا کرکڑن لگیاں بڈیاں  
میں ایانی نہہوں کی جانناں برہوں تناواں گڈیاں  
کہے حسین فقیر سائیں دا لڑ تیرے میں لگیاں

نی مائے مینوں کھیریاں گل نہ آکھ  
 رانجھن میرا میں رانجھن دی کھیریاں نوں کوری جھاک  
 لوکی جانے ہیر کملی ہوئی، ہیرے دا اور چاک

☆☆☆

مائے	نی	میں	کہنوں	آکھاں	نی
درد	وچھوڑے	دا	حال	نی	والا
دھواں	دھنچے	میرے	مرشد	نی	ڈھونڈ پندی
جاں	پھولاں	تاں	لال	نی	لال
جنگل	نیلے	پھراں	پایو	نی	سولن
اے	نہ	روٹی	سولن	نی	سولن
دکھاں	دی	دا	بالن	نی	نماناں
آہیں	دا حسین	تال	تھیواں	نی	نہال
کجے	ملے				
شوہ					

## حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 6 دسمبر 1813 وصال: 23 فروری 1871ء

مزار: باولی شریف سرائے عالمگیر گجرات

حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ، کری شریف (جلاپور جٹاں) میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچے تو حضرت ہادی محمد نامدار رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت میں کے معروف اولیائے کرام میں شمار ہوتے تھے۔

”حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ خواجگان باولی شریف کے جد امجد نہایت وجہہ اور شدہ زور انسان تھے ابتدا میں آپ کا پیشہ سپہ گری تھا مگر اچانک ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا جس کے بعد آپ کی زندگی کارخ اور مقصد تبدیل ہو گیا آپ اس کے بعد سلوک کے راستے پہ چل نکلے اور تربیت کھلنے حضرت خواجہ نامدار رحمۃ اللہ علیہ نعتیال شریف کے ساتھ وابستہ ہو گئے مراحل سلوک طے کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے آپ کو خلافت عطاء فرماتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ باولی شریف میں مقیم رہ کر متلاشیان حق کی راہ نمائی کرتے رہیں۔“

{آثار بیہ سڑ عبد القیوم چوہدری، مولانا محمد اشرف قریشی برطانیہ}

حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ نہایت متقی و پرہیزگار انسان تھے اور انھوں نے بے شمار لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے ملاقات کی خاطر باولی شریف جایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد خان عالم کی شادی موضع باولی شریف (سرائے عالمگیر) میں ہوئی تھی جس کے بعد آپ مستقل طور پر یہیں آباد ہو گئے۔ آپ نے ساری زندگی احکام الہی کے مطابق بسر کی اور 3 ذوالحجہ 1288ھ (23 فروری 1871ء) میں وصال پایا۔ آپ کا خوبصورت مزار موضع باولی شریف میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ محمد خان عالم باولی شریف والوں کے مرشد پاک حضرت ہادی خواجہ محمد نامدار ساکن نعتیال شریف تھے جو خود حضرت خواجہ نور محمد تیراہی ثم چوراہی کے مرید باصفا تھے اور انھوں نے عرفان کی جو روشنی اپنے پیر و مرشد سے حاصل کی تھی اسے حضرت خواجہ محمد خان عالم نے اس عالم کے کئی گوشوں میں بکھیر دیا۔ آپ کے بارے میں روپڑ شریف کے خلیفہ مولوی ظفر الدین نے بزبان فارسی یوں غامہ فرمائی۔

لقب ایٹال ہادی صاحب نام محمد نامدار سرچشمہ فیض ہزار مظہر نور پروردگار۔ مذہب حنفی داشتہ وغرہ خلافت و فیوض ظاہری و باطنی از حضرت خواجہ نور محمد حاصل نموده۔ بموجب امر پیر روشن ضمیر خود در ہندوستان سیر کردہ و ہزار با خلقت را راہ نمود۔ واپس آمدہ در ملک کشمیر سیر فرمودہ و چندال خلیفہ را صاحب ارشاد فرمودند۔ وفات ایٹال قبل از پیر روشن ضمیر شد و ہفتم جمادی الاول در 1259ھ (جون 1843ء) رحلت فرمودند۔ حضرت خواجہ محمد نامدار را چندال خلیفہ صاحب ارشاد داشتند۔ اول خلیفہ خواجہ شیخ احمد جیو سکنہ روپڑ کلاں۔ دوم خلیفہ حضرت خواجہ فضل احمد سکنہ ہزارہ، سوم خلیفہ حضرت خواجہ محمد خان عالم باولی شریف، چہارم حضرت خواجہ چن شاہ آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ۔ پنجم و ششم خواجہ حبیب اللہ و عبد الرحمن، ہفتم و ہشتم خواجہ قاسم خان و شاہ محمد لدیانہ، نہم خواجہ مرتضیٰ رتوی، دہم خواجہ الہی بخش لدیانہ، یازدہم و دوازدہم مولوی امام الدین و مولوی صدر الدین سرہند شریف تھے۔ مولوی الہی بخش سکنہ تھانیر، میاں محمد بخش ہندوستان، شاہ محمد سکنہ ملک پور، مولوی غدا بخش، افون احمد مسقط، اخوند صاحب سکنہ ریاسی، محمد شاہ سکنہ ٹہلا پور، مولوی شیر محمد و مولوی خان ملکوال، مرتضیٰ سکنہ رملہ، میاں سلام الدین، میاں رحیم الدین سکنہ کشمیر، ملنگ شاہ سہال، الف دین سکنہ جبرورتیال ایس خلفائی صاحب ارشاد بودند لیکن بندہ راہ ہمیں دستیاب شدند

”ان کا لقب ہادی صاحب اور نام محمد نامدار تھا۔ آپ سرچشمہ فیض اور نور ایزدی کے مظہر تھے۔ آپ حنفی المسلک تھے اور ظاہری و باطنی فیوض حضرت خواجہ نور محمد سے حاصل کیے تھے۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حکم پر ہندوستان کا سفر کیا اور ہزاروں لوگوں کی رہنمائی کی۔ واپس آتے ہوئے کشمیر میں قیام فرمایا اور چند خلیفہ کو رشاد و ہدایت کا فریضہ سونپا۔ آپ کی رحلت اپنے پیر و مرشد سے پہلے سات جمادی الاول 1259ھ (1843ء) میں ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد نامدار کے کئی حلقہ آتھے جن میں سے پہلے خلیفہ حضرت خواجہ شیخ احمد جیو ساکن روپڑ کلاں تھے۔ دوسرے خلیفہ حضرت خواجہ فضل احمد سکنہ ہزارہ، تیسرے خلیفہ حضرت خواجہ محمد خان عالم باولی شریف (سرائے عالمگیر) تھے۔ چوتھے خلیفہ حضرت خواجہ چن شاہ آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ تھے۔ پانچویں خواجہ حبیب اللہ، چھٹے عبد الرحمن، ساتویں خواجہ قاسم خان، آٹھویں شاہ محمد لدیانہ، نویں خواجہ مرتضیٰ رتوی، دسویں خواجہ الہی بخش لدیانہ، گیارہویں مولوی امام الدین، بارہویں مولوی صدر الدین سرہند شریف تھے۔ دیگر حلقہ آتھے۔ دیگر خلیفہ میں مولوی الہی بخش سکنہ تھانیر، میاں محمد بخش ہندوستانی، شاہ محمد سکنہ ملک پور، مولوی غدا بخش، افون احمد مسقط، اخوند صاحب سکنہ ریاسی، محمد شاہ سکنہ ٹہلا پور، مولوی شیر محمد اور مولوی خان ملکوال، مرتضیٰ سکنہ رملہ، میاں سلام الدین، میاں رحیم الدین سکنہ کشمیر، ملنگ شاہ سہال، الف دین سکنہ جبرورتیال خلفائے

صاحب ارشاد تھے دیگر بھی ہیں مگر یہی نام میسر آ سکے ہیں۔“

حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت کے فرزند اکبر حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ باولی شریف کی اس مسند ارشاد پہ بیٹھے آپ انتہائی خلیق و رحم دل تھے آپ کو حضرت خواجہ دین محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل تھی جبکہ حضرت بابا نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیاب تھے شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں گزارتے باوجود اس کے آپ نے اپنے مورث اعلیٰ کی طرح زمینداری کو ذریعہ معاش بنائے رکھا کسی مرید سے کبھی کچھ وصول نہیں کیا بلکہ جو باہر سے آتا وہ اپنے متوسلین پہ خرچ کر دیتے ہزاروں لوگوں کو فیضیاب کرنے کے بعد 12 شعبان 1311 ہجری مطابق اتوار 18 فروری 1894 اس دنیا فانی سے عالم باودانی میں منتقل ہو گئے

حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے اپنے بھائی حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بعد باولی شریف کی مسند ارشاد کی زینت بنے آپ کو حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ چورہ شریف سے بھی خلافت حاصل تھی آپ کا شمار وقت کے جید علماء حق میں ہوتا ہے آپ نے اس علاقے میں ایک بڑا کتب خانہ قائم فرمایا تھا جس سے دور دراز کے علماء مستفید ہوتے خود آپ کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا اپنی زمینداری، ریاضت و مجاہدہ اور مخلوق خدا کی تربیت کے بعد جو وقت بھی میسر آتا وہ مطالعہ کتب میں بسر ہوتا۔ آپ کسی سے کچھ وصول نہیں کرتے تھے بلکہ لوگ جو کچھ یہاں لاتے آپ متحقیق پہ تقسیم کر دیتے آپ جب باولی شریف کی مسند ارشاد پہ بیٹھے اس وقت برصغیر پہ قابض انگریز اپنی سلطنت کی بنیاد میں مضبوط کرنے کی فکر میں بڑے بڑے لوگوں کو جاگیریں الاٹ کرنے کے علاوہ طرح طرح کی مراعات کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنانے میں لگے تھے اسی سلسلے میں آپ کو بھی پیشکش ہوئی مگر آپ نے ٹھکراتے ہوئے اپنی تمام صلاحیتیں اور سرمایہ تحریک آزادی کی نذر کر دیا جس کے بعد انگریز اس مرد حق سے مایوس ہو گیا آپ 25 صفر 1330 ھ مطابق 14 فروری 1912ء اس دنیا فانی سے منتقل ہو کر اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچ گئے مگر آپ نے روحانی دنیا میں جو انقلاب برپا کیا تھا آج تک اس کے اثرات موجود ہیں۔

تلخیص : گلزار باولی شریف مرتب صوفی احمد دین شاعر ساکن کھمبی ضلع گجرات

## حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1837ء وصال: 1916ء

مزار: ڈھنگروٹ شریف جہلم

جہاں منگلا کے قریب دو دریا آپس میں ملتے وہیں پاکستان اور کشمیر کی سرحد بھی آپس میں مل جاتی تھی۔ یہاں قریب ہی ایک گاؤں ٹنگروٹ شریف تھا۔ اس گاؤں کی عزت و عظمت اور وجہ افتخار ایک نورانی اور مقدس خاندان تھا جس کی دینداری اور تقویٰ کی دور دور تک شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں مقیم اسی عظیم خاندان کی ایک عظیم روحانی ہستی حضرت محمد بہادر رحمۃ اللہ علیہ مرجع خلافت تھے۔

آپ کے دور میں ٹنگروٹ شریف کا ایک شخص عظیم صوفی بزرگ حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملاقات کیلئے گیا تو انہوں نے پوچھا: ”کہاں سے آئے ہو؟“ عرض کیا: ”ضلع جہلم کے ایک گاؤں ٹنگروٹ شریف سے خصوصی دعا کی درخواست کیلئے حاضر ہوا ہوں“۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”کیا وہاں ایک بزرگ حضرت محمد بہادر موجود ہیں؟“ عرض کیا: ”حضور موجود ہیں“ فرمایا: ”تو پھر ان کے ہوتے ہوئے دعا کیلئے میرے پاس کیوں آئے ہو؟“ بظاہر ان دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھیں لیکن ان میں روحانی تعلق اور رابطہ موجود تھا۔

حضرت محمد بہادر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں 1837ء کے لگ بھگ ایک بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام ’محمد

حیات “رکھا گیا۔ اہل نظر نے محسوس کر لیا کہ آنے والے وقت میں یہ نومولود نابغہ روزگار اور آسمان تصوف و روحانیت پر آفتاب بن کر چمکے گا۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ ان اہل نظر کی فراست درست تھی یہی بچہ جوان ہو کر اعلیٰ حضرت خواجہ خواجگان حضرت حافظ محمد حیات بن کر چکا اور ایک جہان کو نور روحانیت سے منور کر گیا۔

حضرت اعلیٰ امام العارفین حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم کا سلسلہ ٹکروٹ شریف میں ہی شروع کیا۔ قدرت نے دینی تعلیم کا بے پناہ ذوق عطا کیا تھا چنانچہ آپ نے حصول علم کیلئے سفر شروع کیا اور قرآن پاک حفظ کیا۔ رات کی تنہائیوں میں پورے ذوق و شوق کے ساتھ نوافل میں تلاوت فرماتے تو سامعین پہ وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔

ایک مرتبہ موضع ہزارہ مغلاں نزد اعوان شریف گجرات میں آپ نے نماز تراویح میں قرآن سنایا تو ساٹھ کے قریب حفاظ کرام سماعت کیلئے حاضر ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے ٹکروٹ شریف میں تدریس قرآن پاک کا ادارہ قائم فرمایا اور از خود یہ نعمت عظمیٰ لوگوں میں تقسیم فرمانا شروع فرمائی۔

بچپن ہی سے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری رہتی تھی۔ عشق الہی کا غلبہ تھا۔ اکثر دریا کے کنارے ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ بعد ازاں آپ باولی شریف (نزد سرائے عالمگیر) میں عارف کامل شیخ المثنیٰ حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ (المعروف حضرت صاحب لہندے والے) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ باولی شریف کی حاضری آپ کا معمول بن گئی۔ اپنے شیخ کریم سے حد درجہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان حاضریوں میں منازل سلوک بھی طے ہوتی رہیں، پھر جلد ہی تکمیل ہو گئی۔ آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بلند مقام حاصل کر لیا اور ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

مرشد کامل نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا چنانچہ ٹکروٹ شریف میں اب ظاہری علم کے ساتھ ساتھ روحانی فیض و برکات کے جام بھی تقسیم ہونے لگے۔ قرب و جوار اور دور دراز کے عوام و خواص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے۔ یوں ٹکروٹ شریف، شریعت و طریقت کا مرکز بن گیا۔

آپ کے مرشد کامل حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد، قطب العارفین حضرت پیر سید محمد نیک عالم شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ آپ کو شاہ جی صاحب یاد فرما رہے ہیں۔

چنانچہ آپ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جونہی حضرت پیر سید محمد نیک عالم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو فوراً چند قدم آگے تشریف لائے اور فرمایا: ”واہ سبحان اللہ! کیسا نورانی چہرہ ہے۔“ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی امانت ہے جو آپ کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس باطنی امانت کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ کی اجازت اور خلافت بھی عطا فرمائی۔ اس امانت کو حق داروں میں آپ نے اس طرح تقسیم فرمایا کہ حق ادا کر دیا۔

ٹنگروٹ شریف میں شریعت و طریقت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ آپ مریدین اور تلامذہ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ آپ کی نظر تاثیر مشہور تھی۔ پتھر دل بھی حاضر ہو کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکتا۔ ہر آنے والا ذکر الہی سے سرشار ہو کر جاتا۔

آپ سے فیضیاب ہونے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان خوش نصیبوں میں سے بعض افراد کے اسمائے مبارکہ درج ذیل ہیں۔

حضرت قاضی سلطان عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کالادیو، جہلم

حضرت قاضی سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ کامل اور مرشد برحق حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کا کبھی سالوں پر محیط عرصہ اپنے شیخ کریم کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی قاضی محمد رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہو کر اپنے بیٹے سے فرمایا کہ بیٹا جو مال بھی ٹنگروٹ شریف لنگر میں دینا چاہو میری اجازت ہے چونکہ تمہیں ان سے باطنی خزانہ حاصل ہونے والا ہے۔ حضرت قاضی سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد کریم حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ سے خلعت خلافت حاصل ہوئی اور ساتھ ساتھ حضرت قاضی صاحب کو اپنے شیخ کامل کی شاگردی کا شرف بھی حاصل تھا۔

☆☆ حضرت میاں حسین علی خان رحمۃ اللہ علیہ کس ہاڑاں آزاد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ حضرت میاں صاحب، حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، مرید اور خلیفہ مجاز بھی تھے۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان کو نماز پڑھانے کا حکم فرماتے۔

☆ حضرت صوفی حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ ☆ حضرت میاں حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت میاں تنویر محمد رحمۃ اللہ علیہ ☆ حضرت میاں باغ علی رحمۃ اللہ علیہ آف ڈومال



☆ حضرت میاں محمد علی فتح پور ☆ حضرت میاں خوشی محمد علی

☆ حضرت میاں باغ علی علیہ السلام ساکن بومہ ☆

حضرت اعلیٰ خواجہ حافظ محمد حیات علیہ السلام وصال سے کچھ عرصہ قبل بیمار ہوئے لیکن اس کے باوجود نماز پجگاہ اور تہجد قضا نہیں ہوئی۔ 3 ربیع الاول 1335ھ بمطابق 28 دسمبر 1916ء آسمان معرفت کے نیر تاباں غروب ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

نماز جنازہ میں مخلوق خدا کا اتنا بڑا ہجوم پورے علاقے میں اپنی مثال آپ تھا۔ نماز جنازہ میں عوام الناس کے علاوہ علماء و فضلاء مشائخ اور بزرگان دین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ آپ کا مزار مبارک ٹنگروٹ شریف میں مرجع خلائق بنا جو کہ جھیل منگلا ڈیم اب زیر آب ہے۔ آپ کے فیض و برکات نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا کے مختلف ممالک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کے نورانی وجود کی برکت سے ٹنگروٹ شریف کا نام دنیا کے تصوف و روحانیت میں مرکز کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔

## حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی نقشبندی مجددی

### قادری علیہ السلام

ولادت: 1875ء وصال: 1964ء

مزار: ڈھانگری شریف میرپور

آپ حضرت اعلیٰ خواجہ حافظ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ کے نور نظر اور فرزند اکبر تھے۔ آپ کی مکمل تربیت اپنے والد گرامی کے زیر سایہ ہوئی۔ آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ آپ کی ولادت 1875ء کو ٹنگرٹ شریف میں ہوئی۔ آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا مکمل سلوک اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے طے کیا اور آپ ہی سے خلعت خلافت حاصل کی۔ اس کے بعد غیبی اشارہ کے مطابق آعوان شریف ضلع گجرات میں سلطان الاولیاء، غریب نواز حضرت قاضی سلطان محمود قادری آعوانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ ہی عرصہ بعد قادری سلسلہ کے سلوک کی تکمیل فرمائی۔ تاجدار آعوان شریف حضرت قاضی سلطان محمود قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلعت خلافت عطا فرمائی۔ آپ نے حضرت صاحب آعوان شریف کے ارشاد کے مطابق حضرت سائیں نور مجذوب کامل سے مجذوبی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد مختلف مزارات مقدسہ پر حاضریاں دیں اور اپنا روحانی حصہ حاصل کیا۔

آپ کو امام عارفان، قطب الاقطاب خواجہ خواجگان حضرت حافظ محمد حیات کی محبت بھری آغوش میسر آئی جنہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ نے ظاہری و باطنی علوم اپنے والد گرامی سے حاصل کئے۔ بچپن ہی سے آپ کی منفرد شان ظاہر ہو رہی تھی بعض اوقات ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے اصحاب بصیرت نے اندازہ لگایا کہ آپ کو اصحاب قبور سے خصوصی فیضان حاصل ہوگا۔ اس کی مثال آپ کے بچپن کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دن آپ کافی دیر تک گھر سے غائب رہے۔ برادران طریقت کافی دیر تک آپ کو تلاش کرتے رہے مگر سراغ نہ ملا بالآخر حضور اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ صاحبزادہ صاحب قبلہ کا کوئی پتہ نہیں چل رہا جس کی وجہ سے سب پریشان ہیں۔

حضور اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”قبرستان جا کر دیکھو وہ کسی صاحب قبر کے پاس ہوں گے“ چنانچہ برادران طریقت حسب حکم قبرستان پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک قبر سے لپٹ کر سو رہے ہیں حالانکہ عموماً چھوٹی عمر کے بچے قبر دیکھ کر ڈر جاتے ہیں لیکن یہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ یہ بالکل سچا ہے کہ آپ نے بے شمار صاحبان مزار سے روحانی فیوض و برکات حاصل کئے۔

دولت	وہ	نہیں	ہے	مکتبوں	میں
جودل	کو	عطا	کرے	بصیرت	
مردان	خدا	کی	پیروی	سے	
کھلتی	ہے	نگاہ	پر	حقیقت	

آپ ﷺ نے جوانی میں ہی سلوک کے تمام اسباق و منازل طے کر لیں۔ حضور اعلیٰ ﷺ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور طالبان راہ طریقت کی رہنمائی کا حکم فرمایا۔

حضرت خضر سے ملاقات

نو جوانی میں آپ نماز عشاء کے بعد دریا کے کنارے عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے اور ساری رات ذکر اسم ذات فرماتے۔ کبھی ذکر خفی اور کبھی ذکر بھری۔ ایک رات آپ حسب معمول اپنے رب سے لو لگائے بیٹھے تھے کہ اچانک دریا کی طرف سے کسی آدمی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آنے والا قریب آیا تو دیکھا کہ وہ حضرت خضر رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت خضر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سلام فرمایا۔ آپ نے نہایت ادب سے سلام کا جواب دیا پھر دونوں ہستیوں کے درمیان علوم و معارف سے لبریز گفتگو ہوئی۔ حضرت ثانی نے اپنے دل میں ایک ارادہ کیا ہوا تھا کہ وہ شادی نہیں کریں گے بلکہ تجرد کی زندگی بسر کریں گے۔ حضرت خضر (ؑ) نے اپنی اس ملاقات میں حکماً فرمایا کہ آپ نے شادی ضرور کرنی ہے چنانچہ آپ نے سارا واقعہ اپنے والد گرامی و مرشد ارشد کے حضور عرض کیا اور انہوں نے اس کی تعمیل کا حکم دیا۔

تن خاک کا بت ہے اسے فانی سمجھو  
عرفاں کو حیات جادوانی سمجھو  
وہ دم ، وہ قلیل دم ، جو عرفاں میں کھٹے  
الیاس و خضر کی زندگانی سمجھو

آستانہ عالیہ آعوان شریف حاضری کا اشارہ

جب دل سے اہل دل نظر دل کرتے ہیں  
تاباں دل بے نور بشر کرتے ہیں  
سینے میں جگہ دے کے صدف کی صورت  
ہو ریت کا ذرہ تو گوہر کرتے ہیں

حضرت ثانی حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ حافظ محمد علی صاحب (ؑ) ایک دن اوراد و وظائف پڑھ کر فارغ ہوئے اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ بعد ازاں خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا پیر محمد شاہ غازی قلندر (ؑ) (کھڑی شریف) ہوا میں پرواز فرما رہے ہیں ان کے پیچھے ایک نقشبندی بزرگ محو پرواز ہیں ان کے پیچھے حضرت سائیں نور مجذوب پرواز فرما رہے ہیں اور ان کے پیچھے اپنے آپ کو محو پرواز دیکھا۔ آپ نے یہ سارے حالات اپنے والد گرامی حضور اعلیٰ ﷺ کی خدمت میں عرض کیے۔ آپ نے آعوان شریف حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ آپ حسب الارشاد نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ آعوان شریف میں سلطان الاولیاء شیخ المشائخ حضرت غریب نواز قاضی سلطان محمود

قادری آعوانی (ؒ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سرکار آعوان شریف والوں نے کمال شفقت فرماتے ہوئے نہایت قلیل عرصے میں قادری سلسلے کے تمام اسباق مکمل کروائے اور توجہات باطنی سے مالا مال فرمادیا۔ حضرت ثانی حضور قبلہ عالم (ؒ) دن کے وقت آعوان شریف لنگر کی خدمات سرانجام دیتے، کبھی چکی پیتے تو کبھی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے (آعوان شریف کے آستانے پر یہ مجاہدہ سب حاضرین کیا کرتے تھے ان میں علماء، صوفیاء، مشائخ، مختلف آستانوں کے سجادہ نشین، دنیا دار اور سرکاری اہلکار سب ہی شامل ہوتے تھے) اور رات کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے تمام وظائف و اوراد مکمل فرماتے۔

حضرت سائیں نور مجذوب ڈھنگر وٹ شریف والوں سے ملاقات

حضرت ثانی (ؒ) ایک دن آعوان شریف میں حضور غریب نواز حضرت قاضی سلطان محمود (ؒ) کی بارگاہ میں حاضر تھے آپ نے فرمایا کہ آپ کے گاؤں میں ایک مجذوب فقیر حضرت سائیں نور مجذوب ہے، ان کے پاس جائیں اور اپنا روحانی حصہ حاصل کریں۔ عرض کیا کہ وہ لوگوں کو گالیاں دیتے اور مارتے بھی ہیں۔ آپ (ؒ) نے فرمایا کہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے اور ساتھ ہی فرمایا کہ آپ سوچتے ہوں گے کہ وہ شریعت کا پکا نہیں۔ فرمایا شریعت کی تعلیم دینے والے بہت مل جائیں گے لیکن نفس کی تعلیم دینے والا کوئی کوئی ملتا ہے اسلئے آپ ضرور ان کے پاس جائیں۔ چنانچہ حضرت سائیں نور مجذوب (ؒ) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت سائیں صاحب (ؒ) کے پاس کافی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی صاحب (ؒ) کو دور سے ہی آتے دیکھ کر بولے: ”دیکھو یہ میری شکایتیں آعوان شریف کرتے رہے ہیں کہ سائیں نور گالیاں دیتا ہے، لٹھیاں مارتا ہے حالانکہ میں نے انہیں کبھی کچھ نہیں کہا“۔ پھر سائیں صاحب نے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو گالیاں دیں اور مار پیٹ کر کے بھگادیا اور حضرت ثانی (ؒ) کے پاس پہنچے آپ کو ساتھ لیکر اپنی نشست گاہ میں پہنچے اور فرمایا: ”اللہ کی رضا کیلئے آپ پہلے فرد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں۔ باقی لوگ تو دنیا کی خاطر دعا کرانے آتے ہیں۔ آپ میرے پاس آتے رہا کریں تاکہ آپ کا باطنی حصہ آپ کے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ اکثر بیشتر حضرت سائیں صاحب کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہے۔

ایک دفعہ حضرت ثانی (ؒ) سائیں صاحب (ؒ) کی خدمت میں پہنچے اور آعوان شریف حاضری کی اجازت چاہی۔ حضرت سائیں نور مجذوب (ؒ) نے ایک چھوٹی سی سی اپنے ہاتھ میں لی اور مجذوبانہ انداز میں تین گریں لگائیں اور آپ کے گلے میں ڈال کر فرمایا کہ تین دروازے کھول دیئے ہیں۔ حضرت ثانی (ؒ) جب آعوان شریف پہنچے تو سلطان المشائخ حضرت قاضی سلطان محمود (ؒ) نے فرمایا کہ سائیں نور کا کیا حال ہے؟ آپ نے سی والا سارا واقعہ عرض کر دیا۔ حضرت صاحب آعوان شریف والوں نے فرمایا۔ تین دروازوں سے مراد ایک آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ حافظ محمد حیات (ؒ) ہیں اور دوسرے دروازے سے مراد ان کی اپنی ذات ہے اور تیسرے دروازے کے متعلق فرمایا کہ میں بھی حاضر ہوں گویا ان تینوں ہستیوں کا فیض آپ کے نصیب میں ہوا۔

کچھ لے کے اٹھو اہل صفا کے در سے

یہ در میں قریب مصطفیٰ کے در سے  
ایمان ، یقین ، عطا ، عقیدت ، توحید ، تسکین  
سب کچھ ملتا ہے اولیاء کے در سے

سلسلہ عالیہ قادریہ میں حصول خلافت

سلسلہ عالیہ قادریہ کے اسباق کی تکمیل کے بعد امام العارفین حضرت قاضی سلطان محمود (ؒ) نے خلافت عطا فرمائی۔ اس موقع پر حضرت ثانی (ؒ) کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید کوئی جہ یا دستار مبارک عطا ہو۔ اس خیال کا دل میں آنا ہی تھا کہ سرکار آعوان شریف (ؒ) نے فرمایا کہ آپ باولی شریف حاضری دیں۔ آپ ویسے بھی اکثر و بیشتر باولی شریف حاضری دیا کرتے تھے لیکن اب کی بار یہ غاص حکم ملا تھا اس وقت باولی شریف کے حضرات مشائخ عظام دنیا سے پردہ فرما چکے تھے صرف ایک مائی صاحبہ بقید حیات اور ولیہ کاملہ تھیں۔ حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی (ؒ) جب دربار شریف پر حاضر ہوئے تو مائی صاحبہ (ؒ) نے آپ کو طلب فرمایا اور حضرت بابا جی خواجہ غان عالم (ؒ) کی ذاتی دستار مبارک عطا فرمائی گویا آعوان شریف والی سرکار (ؒ) نے باولی شریف والی نسبت کا خصوصی خیال فرمایا۔ یہ دستار مبارک آج تک حضرت پیر محمد زکریا نعمانی مدظلہ العالی کے پاس محفوظ ہے۔

عقیدت سے سجا رکھا ہے دستار فضیلت کو  
ہے تحفہ مرشد عالی کا سمجھو گر حقیقت کو

دمڑی والی سرکار حضرت پیر محمد پیر شاہ قلندر سے روحانی تعلق

حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی (ؒ) ایک دن آعوان شریف حاضر ہوئے کہ سرکار آعوان نے کھڑی شریف حاضر ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔ آپ بصدا و ادب و احترام دربار عالیہ حضرت بابا پیر محمد شاہ غازی قلندر کھڑی شریف کے دربار پاک پر حاضر ہوئے اور مزار پر انوار پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے اس مراقبہ کے عالم میں ہی بابا پیر محمد پیر شاہ غازی قلندر (ؒ) کا منہ آئے اور فرمایا حافظ صاحب! دین و دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں اور آپ نے جو کچھ بھی لینا ہو میرے پاس آجایا کریں اور ساتھ ہی فرمایا کہ قاضی صاحب آعوان شریف والے فیض دیتے بھی ہیں اور اسے سلب بھی کر لیتے ہیں جب آپ واپس آعوان شریف پہنچے تو صاحب آعوان شریف حضرت قاضی سلطان محمود (ؒ) نے فرمایا کہ دوران حاضری بابا صاحب (ؒ) نے کچھ فرمایا تو نہیں؟

حضرت صاحب (ؒ) نے سارا واقعہ عرض کر دیا آپ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ میں ہر کسی کا فیض سلب نہیں کرتا مگر جس کے دل میں تکبر پیدا ہو جائے اس کا فیض سلب کر لیتا ہوں اور جب توبہ کرے تو واپس لوٹا دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ آعوان شریف والے حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں آپ کا فیض حضرت امام علی الحق (ؒ) کے پاس ہے۔ حضرت امام علی الحق (ؒ) حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین مسعود گنج شکر (ؒ) کے خلیفہ مجاز تھے

آپ کا مزار مبارک محلہ امام صاحب سیالکوٹ میں مرجع خلائق ہے چنانچہ حضرت ثانیؒ نے وہاں حاضر ہو کر اکتساب فیض کیا پھر حضرت صاحب آعوان شریف والوں نے فرمایا کہ سہروردی سلسلہ میں آپ کا حصہ اور فیض حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے پاس ہے چنانچہ آپ نے ملتان شریف کا سفر اختیار کیا اور حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ اور حضرت شاہ رکن عالمؒ کے مزارات پر حاضری دی اور فیوضات و برکات سے مالا مال ہوئے۔ حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علیؒ کا حضرت کبیر الدین شاہ دولہا دیوانیؒ کے ساتھ گہرا روحانی تعلق تھا۔ حضرت شاہ دولہؒ حضور غوث الاعظم پیران پیر سید عبدالقادرؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کا مزار گجرات شہر میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت شاہ دولہ صاحبؒ کے حکم پر حضرت ثانی سرکارؒ (سہروردی شریف) (انڈیا) میں حاضر ہوئے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سہروردی فاروقیؒ کے مزار پر انوار پر حاضری دی۔ اس کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، حضرت بابا پیر لنگرؒ، نزد آعوان شریف، حضرت بابا پیر سلمان پارسؒ، جہلم، حضرت دیوان حاجی عبداللہؒ (بشدور شریف) دیوان حضوری (کے مزارات مقدسہ پر بھی حاضری دی اور فیوضات حاصل کیے۔

ملی ہیں برکتیں وافر بزرگوں کے مزاروں سے  
کہ پائے حضرت ثانی نے تحفے ان بہاروں سے  
اطاعت میں، عبادت میں، شریعت میں، طریقت میں  
ہوئے وہ بے مثال ایسے کہ آگے ہیں ہزاروں سے  
جمال ایسا نہیں دیکھا کسی نے آج تک انجم  
نگہ عالی ہے ان کی تو جبین روشن ستاروں سے

ہو امیں پرواز کرنا

جن ایام میں حضرت ثانی قبلہ حضرت صاحبؒ فیض پور شریف میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ ایک شریر آدمی نے آپ کی ٹوہ میں رہنا شروع کر دیا کہ آپ کے رات کو مسجد میں تنہا قیام کرنے کی وجہ کیا ہے؟ ایک شب پچھلے پہراٹھ کر مسجد کی جانب نگاہیں مرکوز کر دیں تو حیران و ششدر رہ گیا اس نے یہ حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ کیا کہ آپ مسجد سے باہر تشریف لائے، وضو فرمایا اور پھر آسمان کی طرف ہوا میں پرواز فرمائی۔ وہ شخص ڈر کے مارے پسینے میں شرابور ہو گیا اور کئی دن تک بخار میں پھنکتا رہا۔ آخر کار اس نے بدگمانی سے سچے دل سے توبہ کی اور حضرت ثانیؒ کے عقیدت

مندوں میں شامل ہو گیا۔

زمیں والے جنہیں دن میں نظر انداز کرتے ہیں  
ولی اللہ کے شب کو دیکھ لو پرواز کرتے ہیں

حضرت ثانی (ؒ) کے مرید چوہدری محمد لطیف صاحب میرپور والوں کا بیان ہے کہ مجھے اپنے شیخ طریقت نے ارشاد فرمایا کہ پیر کے دن قطب زماں حضرت پیر سید نیک عالم شاہ بخاری (ؒ) کے دربار کو ڈھاسیداں شریف حاضری دیا کرو۔ چنانچہ میں نے حاضری دینا شروع کر دیا۔ ایک دن خیال آیا کہ حاضریاں دیتے ہوئے تو عرصہ گزر گیا مگر کبھی زیارت نصیب نہیں اسی رات واپس آ کر گھر میں سویا تو خواب دیکھتا ہوں کہ میرے پیر و مرشد حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی (ؒ) اور حضرت پیر سید نیک عالم شاہ بخاری (ؒ) اور اعلیٰ حضرت خواجہ حافظ محمد حیات (ؒ) دھنگر وٹ شریف اور عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش (ؒ) میرے کمرے میں تشریف لائے اور میرا کمرہ نور سے بقیعہ نور ہو گیا۔

حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی (ؒ) کا کشف مشہور تھا اور مستقبل کے حالات و واقعات اللہ تعالیٰ کی عطا سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتے تھے جن کا بارہا تجربہ لوگوں کو ہوا ایک مرتبہ آپ نے مجلس میں فرمایا جو کچھ میری زبان سے نکلے گا انشاء اللہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ حضرت قاضی سلطان محمود (ؒ) آغوان شریف والوں کے وصال کے بعد حضرت ثانی دربار شریف کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک ضعیف مائی حاضر اور عرض کیا کہ میری بینائی کمزور ہے میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا مائی فکر نہ کرو حضرت عبداللہ عنقریب تیری آنکھوں میں سرمہ ڈال دیں گے۔ محفل میں موجود اصحاب معرفت کو اسی وقت اندازہ ہو گیا کہ یہ مائی جلد ہی دنیا سے رخصت ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت ثانی سرکار (ؒ) کا سفر حج

ایک دن حضرت ثانی سرکار (ؒ) برادران طریقت کے ساتھ تشریف فرما تھے آپ نے صوفی محمد یعقوب صاحب جو کہ آپ کے انتہائی منظور نظر مرید تھے سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس سال حرمین شریفین حاضری دے آؤں۔ صوفی محمد یعقوب صاحب نے عرض کیا حضور حج شریف کا پروگرام آئندہ سال بنائیں۔ آپ نے معنی خیز انداز میں فرمایا کہ ہوا تو اسی سال ہو گا۔ آئندہ سال کا کوئی پتا نہیں۔ اسی محفل میں آپ کے لخت جگر اور نور نظر حضرت ثالث خواجہ پیر محمد شریف مدظلہ العالی موجود تھے۔ حضرت ثانی (ؒ) کا یہ ارشاد سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت ثانی سرکار (ؒ) نے فوراً اپنے لخت جگر نور نظر کی طرف دیکھا اور مسکرائے کہ یہ میرے فرزند میرے اشارے کو سمجھ گئے ہیں۔ تنہائی میں حضرت

ثالث خواجہ پیر محمد شریف مدظلہ العالی نے صوفی محمد یعقوب صاحب کو فرمایا کہ اگلے سال موسم حج سے قبل حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما جائیں گے۔ لہذا اسی سال حج کی تیاری کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے 1964ء میں حرمین شریفین کا سفر اور حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کی پھر مدینہ منورہ حاضری دی۔ مسجد نبوی شریف میں نماز میں ادا فرمائیں۔ جنت البقیع اور دیگر مقامات مقدسہ پر حاضری دی اور دوران حج متعدد علما و مشائخ نے آپ سے ملاقاتیں کیں۔

حج سے واپسی کے بعد طبیعت مبارک علیل رہنے لگی۔ حج سے ایک سال قبل بھی آپ اسی طرح شدید بیمار ہوئے تھے۔ آپ کے لخت جگر حضرت ثالث خواجہ پیر محمد شریف مدظلہ العالی صاحب نقشبندی، مجددی، قادری آپ کے حضور حاضر تھے تو حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح میں اب بیمار ہوا ہوں اسی طرح تقریباً ایک سال بعد پھر بیمار ہو جاؤں گا اور اسی بیماری میں میرا وصال ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا تھا۔ لہذا اس حج کی ادائیگی اور اگلے ایام حج سے قبل آپ اس جہان فانی سے پردہ فرما گئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 4 ربیع الثانی 1384ھ بمطابق 12 اگست 1964ء کو وصال فرمایا۔ آپ کے وصال کے تین سال بعد منگلا ڈیم کا توسیعی منصوبہ پیش ہوا۔ چنانچہ آپ کے جسم مبارک کو ڈھانگری شریف منتقل کیا گیا۔ پورے تین سال گزرنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ جسم مبارک اپنی صحیح حالت میں تھا بلکہ کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا۔

زین میلی نہیں ہوتی زمن میلا نہیں ہوتا  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا  
محبت کملی والے سے وہ جذبہ ہے سنو لوگو  
یہ جس من میں سما جائے وہ من میلا نہیں ہوتا

یہ نظارہ بہت سے افراد نے دیکھا۔ آپ کی دوبارہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ تمام مکاتب فکر کے علماء اور عوام الناس نے جنازہ میں شرکت کی۔ اور اللہ کے پیارے ولی کی اس روشن کرامت کا مشاہدہ کیا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت ثالث حضور قبلہ عالم شیخ المشائخ خواجہ پیر محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اس مشن کو جاری رکھا۔ شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کے دریا بہائے۔ ہزاروں لوگوں کو جام معرفت پلائے۔ حضرت ثانی خواجہ حافظ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے نور نظر اور لخت جگر شمس العارفین حضرت خواجہ پیر محمد شریف صاحب اپنے عظیم والد گرامی کی زندہ تصویر ہیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کے مطابق ہر آنے والے کیلئے دعا فرماتے ہیں۔

ان کے انداز و اطوار میں اپنے بزرگوں کی جھلک اور لہجے میں وہی شفقت اور مٹھاس ہے۔ آپ سائل کی



بات توجہ سے سنتے اور تسلی دیتے ہیں۔ ان کیلئے دعا کرتے اور ورد بتاتے ہیں جس سے اللہ ان کی مشکلات آسان فرماتا ہے۔

کیوں کہ دعا بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص استثنا ہے اور بندے کی مشکل اسی آسان ہوتی ہے۔ حضرت آدمؑ کی مشکل بھی دعا سے حل ہوئی اور ان کی توجہ قبول ہوئی یہ دعا اللہ نے خود انھیں سکھائی تھی۔ دعا بند راستوں کو کھول دیتی ہے جب تمام امیدیں دم توڑ جاتی ہیں تو آخری سہارا پھر بھی دعا ہی ہوتی ہے۔

حضرت ثالث خواجہ پیر محمد شریف مدظلہ العالی کی بارگاہ میں علما اور صوفیا کثرت سے حاضری دیتے اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ آپ آنے والوں کی دینی اور دنیاوی رہنمائی فرماتے ہیں اور انھیں دین و دنیا کی بھلائی کے کاموں کی تلقین کرتے ہیں۔ حقوق العباد کی خاص تلقین کرتے ہیں۔ علم کے طالبوں کو نافع علم کی تلقین فرماتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالم حضرت ثالث خواجہ پیر محمد شریف مدظلہ العالی کے پانچ صاحبزادگان ہیں جن میں حضرت پیر طریقت رہبر شریعت عالمی مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا پیر محمد زکریا نعمانی صاحب، آستانہ عالیہ ڈھنگر وٹ شریف کے موجودہ سجادہ نشین اور تشنگان علوم معرفت کیلئے منبع فیوض و برکات ہیں۔ آستانہ عالیہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ بھی آپ کے زیر سایہ دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

تاجدار ارباب مجاہدہ، پیش رو اصحاب مشاہدہ

قطب تفرید، لوائے توحید، حضور قبلہ عالم حضرت ثالث (ثانی)

خواجہ پیر محمد شریف مدظلہ العالی نقشبندی مجددی قادری صاحب ڈھنگر وٹ شریف

آپ کی ولادت باسعادت 1925ء کو ڈھنگر وٹ شریف میں قطب العارفین محبوب سبحانی حضرت ثانی حضرت خواجہ حافظ پیر محمد علیؒ کے ہاں ہوئی۔ آپ کو ایک عظیم ولی کامل والد ماجد کی آغوش ولدیت میسر آئی۔ حضرت ثانیؒ کی بھرپور توجہ اور سایہ شفقت میں آپ نے پرورش پائی۔ آپ نے تعلیم و تربیت کے تمام مراحل اپنے والد گرامی حضرت ثانیؒ کی نگرانی میں مکمل فرمائے اور اپنے والد گرامی حضرت ثانیؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ طریقت و سلوک اور معرفت کی تمام منازل طے فرمائیں۔ اس کے بعد آپ کے والد ماجد اور مرشد کامل حضرت خواجہ پیر محمد علیؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔ آپ کی محفل کا ایک خاص روحانی رنگ ہوتا ہے۔ آپ کی زیارت کر کے اولیائے متقدمین کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ صاحبان بصیرت آج بھی آپ کی ذات اقدس میں حضرت ثانیؒ خواجہ حافظ محمد علیؒ) ڈھانگری شریف (اور حضرت اعلیٰ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ حافظ محمد حیاتؒ) ڈھنگر وٹ شریف والوں کی روحانیت اور کمالات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کی ذات موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عظیم نعمت ہے۔ روحانیت اور معرفت کے پیاسے آج بھی اس سمندر سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

## حضرت خواجہ سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1870ء میرپور مزار: کالا دیو شریف جہلم

حضرت خواجہ سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان عظیم اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی تبلیغ کیلئے وقف کر دیں۔

باکمال نفوس قدسیہ میں خانوادہ صدیقی کے گل سرسبز، سلسلہ طریقت مجددیہ کی روشن کڑی اور خطہ میرپور آزاد کشمیر (چچیاں شریف) کو مرکز شد و ہدایت بنانے والی ذات گرامی حضور قبلہ عالم خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ العزیز کا آستانہ عالیہ جہلم (کالا دیو) میں مرجع انام ہے۔ آپ تاریخ اسلام کے اس نازک ترین دور میں، جبکہ ایک طرف برصغیر میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور دوسری جانب پورا عالم اسلام وراثان صلیب کی استعماری یلغار کی زد پر تھا اور ادھر دین اسلام کی پژمردگی، ناداری اور کشمپرسی کا عالم یہ تھا کہ اپنے بھی بیگانے بن چکے تھے۔ روحانیت اسلام کا پرچم تھا ما اور اپنی میحانفسی سے خزاں رسیدہ شجر دیں کو سرسبز و ثاداب کر دیا۔ اپنے فیضان نظر سے بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور ان میں نیا جوش، اعتماد اور ولولہ عمل پیدا کر دیا، اپنے غیر معمولی یقین، روحانیت اور اخلاص کے ذریعہ ملت کے تن مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی اور ایمان و روحانیت کی ایک نئی لہر دوڑادی۔ آپ نے جس خاموشی لیکن انتہائی موثر انداز میں اشاعت اسلام، تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت و کردار کا عظیم کام انجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

آپ قریشی الاصل اور صدیقی النسب ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب ۳ واسطوں سے خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ (المتوفی 673ء) کی اولاد پاک سے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ساتویں پشت میں شیخ احمد بن شیخ محمود دین کے حکمران بنے۔ ان کی چار نسلوں

نے یمن پر حکومت کی۔ چوتھے جانشین کمال الدین محمد مند حکومت کو ترک کر کے مدینہ طیبہ واپس چلے آئے اور مسجد نبوی میں درس حدیث کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ نے پچاس برس تک مسلسل درس حدیث دیا۔ برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے سرخیل حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ نے علم حدیث آپ ہی سے لیا چنانچہ شیخ محمد غوثی شطاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔

”شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ اس زمانہ میں شیخ کمال الدین محمد یمنی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے جو عرب کے محدثین میں سے تھے، ان سے صحاح ستہ کی تصحیح کر کے سند حاصل کی۔ آپ ہر سال ان کی ہمراہی میں حج بیت اللہ کیلئے مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے،

پچاس سال تک گنبد خضرا کے زیر سایہ علم حدیث کے موتی لٹانے کے بعد شیخ کمال الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کو سیستان کی قضاء کا منصب سونپا گیا۔ آپ کی پانچ نسلیں اس علاقہ میں قضاء کے منصب عالی پر زینت افروز رہیں۔ آپ کی چھٹی پشت اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آٹھویں پشت سے حضرت شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہان تعلق کی خواہش پر ہندوستان کے علاقہ رہتک میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض ہوا جو آپ کے خاندانی ورثے کا تسلسل اور تاریخی عظمت کا اعتراف تھا، شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت محبوب الدین خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ شہنشاہ ہند محمدی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے شاہی مجریہ ربیع الاول 1117ھ مطابق (جون 1705ء) کی رُو سے آپ کو ”زبدۃ الاولیاء“ کا خطاب دیا ہے۔

شیخ کی اولاد سلاطین اسلام کے عہد میں دینی و دنیوی اعتبار سے ہمیشہ سرفراز رہی۔ اس علاقہ کے قاضی، میر عدل، محتب، مفتی، متولی اور خطیب ایسے جلیل القدر عہدے اسی خاندان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے رہے۔ یہ خاندان ساڑھے چھ سو برس سے زیادہ عرصہ تک مشرقی پنجاب کے علاقہ ہریانہ میں علم و عرفان، خدمت و اصلاح اور رشد و ہدایت کی شمع روشن کئے رہا۔ اس گھرانے کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کا اعتراف اپنوں کے علاوہ بیگانوں نے بھی کیا ہے، چنانچہ 1911ء کے شاہی دربار منعقدہ دہلی کی رپورٹ میں انگریزوں نے اس خاندان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

”اس خاندان کے بہت سے افراد افغان بادشاہوں اور مغل شہنشاہوں کے دور اقتدار میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ اضلاع حصار، رہتک، کرنال اور گڑگاؤں میں راجپوتوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں اس خاندان نے اہم

رول ادا کیا۔

شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں حضرت شیخ فتح اللہ قدس سرہ بلند پایہ عالم دین اور صاحب قلم مصنف تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ حسن محمد روہتاسی قدس سرہ کی توبہات کریمانہ اور فیضانِ نظر سے منازل سلوک طے کیں اور انہی کی ہدایت پر گیارہویں صدی ہجری میں کشمیر کے قصبہ میرپور میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ یوں مدینہ منورہ سے چل کر یمن، ہندستان اور رہتک سے ہوتا ہوا یہ خانوادہ صدیقی میرپور آزاد کشمیر میں شمعِ رشد و ہدایت بن کر طلوع ہوا۔ یہاں بھی خاندانی روایات کے مطابق ریاست میرپور میں قاضی القضاۃ کا عہدہ آپ کو سونپا گیا۔

صدیقان میرپور کے جدِ اعلیٰ حضرت قاضی فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ساتویں پشت میں خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ العزیز اس عالم رنگ و بو میں جلو گرہ ہوئے۔ حضرت کی ذات والا صفات اس آخری دور میں اپنے عظیم خانوادہ کے علم و کمالات اور امتیازات کی امین تھی۔ آپ کا سید فیض گنجینہ علم و عرفان، زہد و تقویٰ و فقر کا حامل تھا۔

حضرت خواجہ سلطان عالم کی ولادت 1870ء کے لگ بھگ معلوم ہوتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کارنگ گندم گوں، قد مائل بہ درازی، سینہ کشادہ، شانے بھرے ہوئے، پیشانی چوڑی، جسم مضبوط و توانا اور اعضاء متناسب، حسین زلفیں، ریش مبارک گھنی، آنکھیں بڑی اور چمکدار، چہرہ انور پر غیر معمولی چمک اور نورانیت بیدار کرنے کیلئے بیتاب نگاہیں رخ اقدس پر پڑتے ہی ایمانی اور جمال نورانی کی شعاعوں سے خیرہ ہو جاتیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ عہد طفلی میں ہی والدہ ماجدہ کی آغوشِ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں بچپن ہی سے ولایت کے آثار نمایاں تھے۔ متعدد واقعات عملاً آپ کی مادر زاد ولایت کے شاہد عادل ہیں۔ چنانچہ آپ کے عم محترم قاضی فضل احمد رحمۃ اللہ علیہ بڑے متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ روزانہ ستر مرتبہ سورۃ یسین پڑھنا معمولات میں تھا۔ ایک رات یہ شغل جاری تھا کہ قبلہ عالم ط (جو ابھی کمسن تھے) ایک عارفانہ فقرہ ”تو میرے وچ میں تیرے وچ“ کا با آواز بلند تکرار کرنے لگے۔ عم محترم کے معمول میں خلل اور یکسوئی میں فرق آیا وہ بار بار منع فرماتے رہے اور قدرے خفا ہوئے لیکن قبلہ عالم کی محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ کسی چیز کا کوئی اثر نہ لیا۔ دراصل آپ ایک روحانی جذب و کیف کے عالم میں وحدت الوجود کا لدنی درس پارہے تھے۔ قاضی فضل احمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے محمد فاضل راوی ہیں کہ رات گئے والد صاحب سوتے سوتے اٹھ بیٹھے اور توبہ توبہ کرنے لگے۔ پوچھنے پر فرمایا۔

”غلطی ہو گئی بھتیجے کو جھڑکیں دیں، ان کا بہت اونچا مقام ہو گا ہزاروں لوگ ان سے فیضیاب ہوں گے“

اگلی صبح قبلہ عالم باہر چار پائی پچھائے تنہا بیٹھے تھے۔ والد صاحب وہاں گئے اور کہنے لگے۔

”جی چاہتا ہے کہ پاؤں پکڑوں، غلطی ہوگئی ہے“

یہ اور اس طرح کے دیگر شواہد جن سے آپ کے مادر زاد ولی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھ کر آپ کے والد گرامی ابتدائی ضروری تعلیم دلانے کے بعد آپ کو اپنے پیرو مرشد کے آستانہ باولی شریف سرائے عالمگیر (گجرات) لے گئے۔ یہ مندر شاہان دونوں بڑی متعارف اور نمایاں مقام کی حامل تھی۔ اس کا فیض علاقے میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں وہ کامل استعداد و دیعت تھی جو روحانی کمالات کیلئے درکار ہے۔ جیسا کہ آپ کے مرشد گرامی کی اہلیہ محترمہ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی روایت ہے کہ جب اپنے والد محترم کی معیت میں پہلی بار باولی شریف حاضر ہوئے اور باواجی (حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ) کے مزار پر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو طبیعت ایک عجیب کیفیت و سرور اور ایک خاص محویت و استغراق اور خود فراموشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ قبلہ والد صاحب نے دیکھ کر فرمایا :

”باواجی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے بچے کا کام کر دیا ہے“

یوں اگرچہ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ باواجی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ فیض رسا سے پہلے ہی دن سب کچھ پا چکے تھے لیکن آپ بارہ سال کا طویل عرصہ اسباق سلوک کی تدریجی تکمیل کیلئے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گرامی میں رہے اور سچ یہ ہے کہ اس عرصے میں اپنے عمل سے مرشد کی محبت اور خدمت کا حق ادا کر دیا۔

سلوک و معرفت کی راہ میں کامیابی اور اخذ فیض کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ شیخ کے بتلائے ہوئے مجاہدات اور اوراد و ریاضتوں پر مسلسل عمل کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ شیخ سے قلبی محبت اور روحانی عقیدت ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حصول فیض اور تکمیل سلوک کے دونوں طریقوں پر عمل فرمایا، شیخ کی بارگاہ میں بارہ برس کی طویل معیت و مصاحبت میں تمام اسباق و اعمال پر شدت اہتمام کے ساتھ مداومت آپ کا معمول تھا، لیکن ان پیہم ریاضتوں اور انتھک مجاہدوں میں ذرا کمی کئے بغیر رواں دواں شیخ کی محبت میں سرشار اور لمحہ ان کی خدمت پر تیار دیگر ہنگامی کاموں کے علاوہ پیرو مرشد کو وضو کرانا، جسم دباننا، گرمیوں میں بعض اوقات ساری ساری رات پنکھے سے ہوا جھلانا، اسٹیشن کے کنویں سے تازہ پانی لانا اور تورتا پنا مستقل معمولات میں شامل تھا۔ پاس ادب کی انتہا یہ کہ ساری ساری رات پیرو مرشد کا جسم دابنے کے باوجود کبھی چار پائی پر بیٹھے نہ پاؤں ہی رکھا۔ پلنگ کے پاس کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دبایا کرتے تھے۔

مسلسل بارہ برس تک دربار شریف میں رہ کر اپنی جاں نثاری، اور خدمت گزاری کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے کہ دربار شریف کا ہر فرد متاثر تھا۔ آپ کے پیرومرشد نے اپنے وصال سے پہلے فرمایا۔

”اگر میں لمبے سفر پر چلا گیا تو حافظ محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا اسباق مکمل کر لینا“

حافظ صاحب آپ کے اکابر خفاء میں سے تھے اور زبیری سلوک کی تکمیل کر چکے تھے۔ اکثر روایات کے مطابق حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ حافظ محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تکمیل سلوک کی خاطر گزارا اور انہی سے خلافت پائی۔ یہاں بھی آپ نے شیخ کی خدمت میں محبت کا حق ادا کر دیا۔ اپنی محنت شاقہ سے دھنگروٹ کی سنگلاخ زمین کو قابل کاشت بنایا۔ لنگر تقسیم کرنا اور خود آخر میں کھانا آپ کا معمول تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ محنت، مجاہدہ اور احساس فرض شناسی کا جو معیار آپ نے قائم کیا وہ بعد میں آنے والوں کیلئے بہت اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس زبیری سلوک کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیرومرشد خواجہ محمد حیات صاحب قدس سرہ ہی کی وساطت سے قطب زمان حضرت پیر سید نیک عالم شاہ صاحب قدس سرہ کی توجہ اور تلقین کے ذریعہ سیفیہ نسبت بھی میسر آئی اور تیسرے آپ کو خاندانی سلسلہ سے قادری نسبت بھی حاصل تھی۔ اس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ کو سلوک میں تین بلند پایہ نسبتوں کا فیضان حاصل تھا۔

حضرت خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پہلے موجودہ منگلا ڈیم کے مقام پر تھا جب یہاں ڈیم کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ کا جسد اطہر کالاد یو شریف جہلم میں منتقل کر دیا گیا اور عظیم الشان مزار بھی تعمیر کیا گیا۔

آپ کا عرس نہایت سادہ ہوتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی جاتی ہے۔ اس دوران آپ کے پیروکار آپ کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں اور ان پر عمل کی تلقین کرتے ہیں۔

## حضرت پیر محمد پیر شاہ غازی قلندر رحمۃ اللہ علیہ

المعروف دمڑی والی سرکار

ولادت: 1665ء بمقام بڑل منگلا وصال: 18 جولائی 1750ء

مزار: چیچیاں، کھڑی شریف، میرپور

آپ کی ولادت باسعادت 1665ء میں ہوئی۔ جناب سبط حسن ضیغم نے اپنی مرتبہ سیف الملوک میں آپ کے اٹھارہ بھائیوں اور ایک بہن کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے چند بھائی مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ جناب الحاج غلام جیلانی ساکن موہال کا دعویٰ ہے کہ آپ ان کے جد امجد بابا جاریہ خان المعروف پہاڑیہ خان کے بھائی تھے اور موضع بڑل سے نقل مکانی کر کے موضع موہال کے مقام پر آئے تھے نیز آپ کی قوم ”موہال“ اعوان قطب شاہی کی ذیلی شاخ ہے۔

علامہ طارق مجاہد جہلمی اپنی معرکتہ ال آرا تصنیف تذکرہ غازی قلندر میں لکھتے ہیں:

”آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام نامی اسم گرامی ”دین گر“ ہے مشہور زمانہ نوشاہی، قادری درویش، عربی، فارسی اور پنجابی کے شاعر و ادیب حضرت پیر ابوالکمال برق نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔“

کھڑی دیس اندر ضلع میرپور دے پیرے شاہ غازی دمڑی والڑا اے  
بابے دین گر دا لخت جگر سوہنا جام معرفت نال متوالڑا اے  
اوہ شعاع حق بڑل تھیں نکل کے تے چک ٹھا کرے بن کے نور چمکی  
دیس کھڑی دا نور و نور ہو یا ایسی بن کے تجی طور چمکی  
آپ کا نام پیر محمد رحمۃ اللہ علیہ رکھا گیا مگر گھر والے پیار کے ساتھ آپ کو شروع ہی سے پیرا کے نام سے پکارتے تھے۔ لہذا رفتہ رفتہ آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی ولادت باسعادت سے گھر میں خیر و برکت کا نزول شروع ہو گیا آپ کے والد ماجد شب بیدار، پابند شریعت اور تہجد گزار انسان تھے آپ کی والدہ ماجدہ بھی متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ لہذا متقی والدین نے آپ کی پرورش و تربیت ایک پاکیزہ ماحول میں کی۔

آپ نے ابتدائی مذہبی تعلیم اپنے والدین اور پھر گاؤں کی مسجد سے حاصل کی۔ تلاوت قرآن مجید آپ کا شوق اور معمول تھا۔ آپ ہمیشہ با وضو رہتے اور قرآن مجید حمال کی صورت میں اپنے گلے میں ڈالے رکھتے اور جہاں

تشریف فرما ہوتے تلاوت شروع کر دیتے۔ آپ اور بچوں سے مختلف اور منفرد تھے نور ولایت آپ کی پیشانی پہ چمک رہا تھا اور آپ کے چہرہ مبارک سے شان ولایت کا اظہار ہوتا تھا۔

عالم شباب میں آپ مغلیہ فوج میں بھرتی ہو گئے یہ اورنگزیب عالمگیر کا عہد حکومت تھا اور اس عہد میں مرہٹوں اور ہندو جاٹوں نے بار بار سرکشی کی مگر ہر بار ناکامی ان کا مقدر بنی۔ کیونکہ جونہی وہ سر اٹھاتے لشکر اسلام ان کے سر پہ جا پہنچتا۔ اور ان کی بیخ کنی کر دیتا۔

حضرت پیر شاہ غازی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے بے شمار معرکوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے کئی مرتبہ زخمی بھی ہوئے۔ آپ نے کئی برس تک عسکری خدمات سر انجام دیں اور اس دوران مختلف فوجی دستوں کی کمان بھی فرماتے رہے۔ ان فوجی خدمات کے صلہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو غازی اور امیر العسا کر و المغازی کے خطابات ملے۔ آپ کی فوجی خدمات اور نگزیب عالمگیر کی وفات تک جاری رہیں۔

آپ کی طبیعت شروع سے ہی فقیری کی طرف مائل تھی آپ پابند شریعت تھے ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ نماز کا خصوصی اہتمام کرتے اور باقاعدگی سے روزے رکھتے تھے۔

1687ء میں جبکہ آپ کی عمر بائیس برس تھی۔ آپ حجرہ شاہ مقیم ہو گئے اور حضرت شاہ محمد حیات الامیر بالا پیر گیلانی قادری مقیمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1691ء) کے دست مبارک بیعت کر کے سلسلہ قلندر یہ و قادریہ سے منسلک ہو گئے۔ آپ کے مرشد پاک نے آپ کے سر پہ دست شفقت رکھا اور آپ کو اپنا فرزند کہہ کر پکارا۔ مرشد پاک کے یہ الفاظ چار دانگ عالم میں پھیل گئے اور آپ پیر شاہ قلندر کے نام سے مشہور و معروف ہو گئے اور آپ کو امیر العسا کر و المغازی حضرت میاں پیر شاہ غازی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

بیعت کے تقریباً دو سال بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کے تحت اور تقاضائے سنت نبوی کے تحت ایک رشتہ دار کی دختر نیک اختر سے عقد فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے۔ جن میں ایک صاحبزادے کا نام میاں ساون جی تھا جو محلہ سرا جاں پرانا میرپور کی مسجد کے نزدیک رہائش پذیر رہے اور وہیں وفات پائی۔

دوسرے صاحبزادے میاں شہباز عرف ڈھیر و رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی قبر دربار عالیہ کھڑی شریف میں ہے۔ میاں شہباز رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے خلیفہ تھے۔ جبکہ آپ کے خلیفہ اول حضرت میاں دین محمد تھے۔ آپ اپنے مرشد حضرت شاہ محمد امیر بالا پیر گیلانی قادری مقیمی رحمۃ اللہ علیہ کے متنبی تھے اور آپ کے متنبی فرزند میاں دین محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

چک بہرام سے نقل مکانی کر کے آپ نے بے شمار مقامات پر قیام فرمایا اور منازل سلوک طے کیں۔ ان تمام مقامات میں چک ٹھا کرہ (کھڑی شریف) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپ جن مقامات پر چلکشی فرمائی



ان میں سے چند مشہور مقام یہ ہیں۔

ٹھٹھہ موسیٰ مالدیو (نزد موہال) پیروشاہ (یہ گاؤں آپ سے موسوم ہوا)  
بوڑا جنگل بیلہ منادر کنارہ ہائے دریائے جہلم  
ملوٹ جبوٹ سموال شریف  
چک ٹھا کرہ (کھڑی شریف ضلع میرپور)

چک بہرام کے نزدیک پیروشاہ کے مقام پر آپ نے کئی برس تک چلہ کشی کی اور وہاں سے 1720ء اور 1725ء کے درمیان موضع چک ٹھا کرہ (کھڑی شریف) میں تشریف لائے۔ میاں محمد دین رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں اپنے مریدین کے پاس چھوڑا اور خود مختلف مقامات پہ چلہ کشی و عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔

ایک شب کا ذکر ہے کہ آپ معمول کے مطابق بوڑا جنگل کے نزدیک نفی واہبات کاورد با آواز بلند پکار رہے تھے کہ وہاں سے چوروں کے ایک گروہ کا گزر ہوا انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ شخص لوگوں کو ہماری آمد سے باخبر کر رہا ہے۔ انھوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ چند ایک زخم اتنے گہرے تھے کہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ ایک روایت کے مطابق جب چور گزرنے لگے تو آپ نے با آواز بلند پکارا ”مارو، مارو“ مت جانے دو“ اس پر چوروں نے مشتعل ہو کر آپ کو زخمی کر دیا۔ صبح جب لوگوں نے آپ کے تن اطہر کو مجروح دیکھا تو بہت دل گرفتہ ہوئے۔ آپ کو اٹھا کر آبادی میں لائے اور زخموں کو ٹانگے لگا دیئے مگر جب آپ فقی جوش اور وجد میں نعرہ تکبیر بلند فرماتے تو زخموں کے منہ پھر کھل جاتے اور ان سے خون رسنا شروع ہو جاتا۔

آپ کو مقام بوڑا جنگل پسند تھا۔ مگر آپ کے خلیفہ الرشید بابا میاں دین محمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی کہ آپ کا مزار چک ٹھا کرہ (کھڑی شریف) میں ہونا چاہیے۔ اس پر غازی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”فقیر کو مقام بوڑا جنگل پسند ہے۔ لیکن تمھاری خواہش کو اپنی رضا پر مقدم کرتے ہیں یاد رکھو اگر ہمارا مزار بوڑا جنگل میں ہو گا تو شاہانِ دہلی و کابل زیارت کیلئے حاضر ہوں گے۔ پلاؤ کلیہ کھاؤ گے زری بادلا ہنڈاؤ گے جرمہ باز اڑاؤ گے۔ اگر چک ٹھا کرہ (کھڑی شریف) میں مزار بناؤ گے دال روٹی کھاؤ گے“

آپ کو حضرت میاں دین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر کھڑی شریف لایا گیا جہاں 14 شعبان المعظم 1163ھ بمطابق 18 جولائی 1750ء بروز اتوار انتقال فرما گئے۔ آپ کی نماز جنازہ میں ہزاروں بندگانِ خدا نے شرکت کی اور آپ کو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کھڑی شریف کے مقام پر بہار میں سپرد لحد کر دیا گیا۔ اس مقام کے ساتھ والا گاؤں بھی آپ کے نام سے خانقاہ پیراشاہ مشہور ہوا۔

ہر سال 14 شعبان کو آپ کا عرس مبارک نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ اس عرس میں بے شمار لوگ حاضر ہوتے ہیں روضہ مبارک کی زیارت کرتے ہیں اور فیوض و برکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

## حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1826ء کھڑی شریف

وصال: 1907ء

مزار: کھڑی شریف، میرپور آزاد کشمیر

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم میاں شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر شاہ غازی قلندر المعروف دمڑی والی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین تھے منصب خلافت اور دستار سجادگی کا اعزاز شروع ہی سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ سجادہ نشین اول حضرت بابا دین محمد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پردادا تھے جو حضرت پیر شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو زیادہ عزیز اور مقرب خاص تھے۔ حضرت میاں شمس الدین کا اولیاء اللہ میں ایک بلند مقام تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تین فرزند تھے سب سے بڑے جناب میاں بہاول بخش، دوسرے حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ اور سب سے چھوٹے علی بخش تھے۔ ابتدائی تعلیم کیلئے حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ روزانہ سہ ماہی شریف جایا کرتے تھے اور حافظ محمد علی سے درس لیا

کرتے اور حافظ ناصر ولی کامل بھی آپ کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے انھیں سماع سے بھی رغبت تھی۔ جن دنوں حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ مولانا جامی کی یوسف زلیخا کا سبق پڑھتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نظم اس قدر پردرد لہجے ، صاف طرز اور پرسوز انداز میں پڑھتے کہ حافظ ناصر صاحب پہ محویت کا عالم طاری ہو جاتا اور وہ زار و قطار روتے۔ ایک دن حسب معمول حافظ صاحب مسجد میں تشریف لائے اور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زلیخا کے اشعار سنانے کی فرمائش کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ پہلے آپ دعا فرمائیں کہ مجھے جلد حصول علم نصیب ہو۔ حافظ صاحب نے اسی وقت دل کی گہرائیوں سے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ علم لدنی سے سرفراز کرے اور ہر کتاب تمہارے لئے آسان ہو جائے۔ حافظ صاحب کی دعا سے مشکل سے مشکل کتاب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آسان ہو گئی۔

حضرت میاں شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علالت کے دوران قرب وجوار کے علماء اور رؤساء وقت کو طلب فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی زندگی ناپائیدار ہے۔ اس لئے میں اپنی زندگی ہی میں دستار سجادگی اور منصب خلافت دربار شریف حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کرتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے خیال میں یہی فرزند اس بارگراں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ آپ کے ارشاد گرامی کو سنتے ہی حاضرین کی طرف سے تائیدی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس پر حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار کے روبرو مؤدب کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے اپنے اس ناچیز کو شفقت پر دراندازہ نوازی سے جس عالی منصب کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ اس اعزاز کیلئے شکر یہ ادا کرنے کیلئے نیاز مند کو موزوں الفاظ نہیں مل رہے۔ حضرت قبلہ آپ قلب آئینہ جہاں نما سے آپ کو ظاہری اور باطنی علم حاصل ہے آپ کی فرمانبرداری کرنا سعادت دارین اور آپ کے ارشاد کی تکمیل میں برکات کا خزینہ ہے۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ کہیں برادر کلاں حضرت میاں بہاول بخش رحمۃ اللہ علیہ کی دل شکنی نہ ہو اور دوسری عرض یہ ہے کہ منصب سجادگی میں شان امیری پائی جاتی ہے۔ حکام اور امراء سے میل جول کا روبرو دنیا کا بارگراں اور اسی طرح کے مشاغل مقصود حقیقی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اس ناچیز کو بدیں وجوہات معذور جان کر اس منصب سے سبکدوش فرمایا جائے اور صرف دولت فقر خزانہ الہی سے عنایت فرمائی جائے۔

حضرت میاں شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عزیز فرزند کی یہ تقریر سن کر فرمایا، میرے پیارے فرزند تیرے دونوں بازو شہنشاہ بغداد نے تھام لیے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے آپ کو دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ ابھی اس امر کے منتظر تھے کہ وہ کس سلسلہ میں بیعت کریں کہ ایک شب استخارہ کے

بعد خواب و بیداری کے عالم میں حضرت جناب غازی قلندر پیر شاہ دمڑی والا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا بازو پکڑ کر ارشاد فرمایا: اے فرزند تو میرا مرید ہے اور میں تیرا پیر ہوں۔ یعنی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو باطنی اور روحانی طور پہ حضرت جناب پیر شاہ غازی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرما کر اپنا مرید کر لیا اور ظاہری بیعت کیلئے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت ولی کامل پیر سائیں غلام محمد بمقام کلڑوی مرید بابا بدوح مرید میاں حاجی بگا شیر ساکن درکالی شریف مرید پیر شاہ غازی کا مرید کیا۔ حضرت غازی قلندر کے فرمان کے مطابق ولی کامل سائیں غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کامل اکمل اور صاحب کشف و کرامات ولی تھے۔ دنیا و مافیہا سے کنارہ کش ہو کر صرف یاد الہی میں مستغرق تھے۔ شب و روز ریاضت و مجاہد میں مشغول رہتے اور پیری مرید کا طریق اختیار نہ کیا۔ آپ کا تعلق معزز اور امیر ترین خاندان سے تھا۔ مگر آپ دنیاوی مال و متاع اور عیش و عشرت کو ٹھکرا کر اپنے مرشد کے قدموں میں اوقات بسر کرنے کو بہتر سمجھا۔ جب حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر قدم بوسی کی اور پیر شاہ غازی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اپنا مدعا عرض کیا تو انہوں نے فرمایا۔ چند روز صبر کرو۔ غرض اسی طرح چند سال گذر گئے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اضطراب بڑھتا چلا گیا۔ دن رات بے چین اور مضطرب رہنے لگے۔ آپ فرمایا کرتے تھے اس انتظار سے جو تزکیہ ہو اور کسی اور ریاضت سے نہ ہوا۔

آخر ایک روز حضرت سائیں غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیر بدوح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرقد مبارک پر لے گئے اور بیعت سے سرفراز فرمایا۔ تکمیل شرائط بیعت کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ شیخ احمد ولی قطب مدار سے کشمیر جا کر ملو اور ان سے اپنا نعمت باطنی کا حصہ وصول کرو۔ بموجب فرمان پایادہ صرف ایک کھل اوڑھے آپ رحمۃ اللہ علیہ عازم کشمیر ہوئے تلاش بیمار کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ اس محلہ میں پہنچے جہاں شیخ احمد ولی رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن تھا۔ آپ نے دروازے پہ ہاتھ رکھا تو کواڑ کھل گئے۔ سامنے ایک چوٹی تحت پر ایک نوجوان تلاوت قرآن شریف میں مصروف تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت کرنے سے پہلے ہی نوجوان نے کہا آپ رحمۃ اللہ علیہ شیخ صاحب سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا یہ مکان تو شیخ صاحب کا ہی ہے مگر ان کے تشریف لانے کا کوئی وقت نہیں۔ ایک یا دو ماہ کے بعد اچانک تشریف لاتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ موج میں ڈوب گئے اچانک بیرونی دروازے سے ایک نورانی صورت بزرگ ایک آدمی کے ہمراہ دست مبارک میں عصا لیے اندر تشریف لائے۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آتے ہی یوں متوجہ ہو گئے جیسے کوئی دیرینہ آشنا خاندہ پیشانی سے ملتا ہے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا اور دل میں کہا جس درمقصود کی تلاش میں اس طویل سفر کی

صعوبت برداشت کی ہے وہ گوہر مقصود یہی ہے۔ حضرت شیخ نے فارسی زبان میں دریافت حال شروع کیا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدعائے سفر بیان کیا اور اپنے مقام مسکن کا حوالہ دیا۔ جب حضرت شیخ نے پیرے شاہ غازی قلندر کا اسم مبارک سنا تو تعظیماً سر کو خم کر لیا۔ دیر تک باہم گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ برہنہ پا تھے تہ بند اور کرتا زیب تن کیے، اوپر ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند روپے رائج الوقت نکال کر فرمایا کہ آپ نمازی میں برہنہ پا چلنے سے پاؤں گندے ہو جاتے ہیں۔ بازار سے گھاس کے بنے ہوئے پاپوش خرید کر پہن لیں۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت انکار کیا مگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار سے مجبور ہو کر روپے رکھ لیے۔ اور عرض کی شاید دوبارہ زیارت کا موقع نہ مل سکے۔ لہذا اسی وقت رخصت کی اجازت مل جائے تو مناسب ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ جب آپ کا واپسی کا ارادہ ہو آپ اسی جگہ آجائیں ان شاء اللہ ملاقات ہوگی۔ جب یہ گفتگو ہو چکی تو حضرت شیخ اسی آدمی کے ساتھ تشریف لے گئے اور حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ مزارات اولیاء کی زیارت کیلئے چل پڑے۔ جب شیخ نور الدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ پر گئے تو حاکم کشمیر دیوان ہدیت رائے کے ایک درباری نے آپ کو شناخت کر لیا اور فوراً حاکم کشمیر کو مطلع کیا۔ وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا غائبانہ پرستار، باذوق اور اہل علم تھا۔ علماء اور فقراء سے عقیدت رکھتا تھا۔ وہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار کا مشتاق تھا۔ اسی وقت کچھ معزز افراد کے ہمراہ حاضر ہوا۔ سید باقر علی بھی اطلاع پا کر تشریف لائے اور حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آرام و آسائش اور قیام و طعام کا بندوبست کیا۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اسی مکان پہ تشریف لائے۔ جہاں آپ کو پہلے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات حاصل ہوا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ وہی نوجوان حب سالب تلاوت قرآن مشغول تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی اجازت سے اندر داخل ہوئے۔ ابھی کلام بھی نہ کیا تھا کہ ماہ آسمان ولایت نے طلوع فرمایا اور آتے ہی بعجلت حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دست مبارک پکڑ کر حجرہ جو عبادت خانہ بھی تھا میں لے گئے۔ وہ دروازہ بند کر دیا اور نعمت باطنی سے حصہ دے رخصت فرمایا۔

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کریم النفس، حلیم طبع، روشن دماغ، بلند خیال، بلند ہمت، فصیح البیان، عالم فاضل، عابد و زاہد، اہل درد و شوق سخن فہم، و فاشعار، خوشنویس، شاہسوار اور توئمند تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قد دراز متناسب جسم، گندم گوں رنگ، سر مبارک کلاں، خوشنما پیشانی، بینی بلند، چشم مبارک خوبصورت، سرخی مائل اندام، بازو قوی، سینہ کشادہ، اور جسم توانا اور طاقتور تھا۔ پیادہ سفر میں تیز رفتار تھے۔

جب کسی محب کوئی تحریر لکھنا مقصود ہوتی تو آپ ﷺ عام طور پر منظوم ہی لکھا کرتے۔ فارسی، اردو، پنجابی زبان میں بے تکلف اور سرعت سے اشعار لکھتے تھے۔ عربی زبان میں آپ کی نظم اور نثر نہایت اعلیٰ درجے کی ہے مگر عربی میں اشعار کہنے کا کم اتفاق ہوتا تھا۔ آپ کے اشعار کی اثر آفرینی اور ترنم سے لوگوں پر وجد طاری ہو جاتا۔ جب آپ ﷺ اشعار لکھنے کی طرف متوجہ ہوتے تو یوں لگتا اشعار کا دریا مٹ چلا آ رہا ہے۔ کوئی کیسا ہی تیز لکھنے والا ہوتا آپ ﷺ کے اشعار بروقت لکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ میاں احمد یار نے جو قصہ شیریں و فرہاد کے مصنف تھے اور بلند خیال اور تیز طبع شاعر تھے انھوں نے فرمایا تھا۔

قلم میری نوکندو چھیری دس دی تا گھیرے  
اس کے جواب میں حضرت میاں صاحب ﷺ قصہ شیخ صنعال "میں جو آپ کی پر صنعت اور پر تکلف تصنیف ہے فرمایا:

احمد یار خضر تھیں پائی سبزی باغ سخن دی  
مینوں پیر میرے ہن بخشی عجب بہار چمن دی  
لک میری اک ہرن غنن دا ملن نہ دے وچھیرے  
ہر جنگل کستوری ہلے چھڈ دی جائے چو فیرے  
تیز زبان قلم تھیں اگے جاوے کتنی منزل  
ترکھی طبع زبانوں میری کیتی مرشد کامل  
طالب ہوون لکھن والے ہوش ہووے وچہ تھاویں  
راتیں دینیں لکھدے چلن کڑی نہ جالن بھاویں  
آپوں جوڑن آپوں لکھنے آزادوں کم بھاوے  
ہور ہووے جو لکھن والا ناں اوہ ہاڑا پاوے

آپ کی سترہ تصانیف ہیں۔ قصہ سیف الملوک حضرت میاں بخش ﷺ کے عہد شباب کی تصانیف میں سے ہے آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت تینتیس سال تھی۔ ذوق اور شوق کے عالم میں جنگل بیابانوں میں بے باک گھومتے رہتے تھے۔ حضرت میاں محمد بخش ﷺ کا درجہ اولیاء اللہ میں نہایت بلند تھا لیکن اس کے باوجود آپ کے اندر علم، وفا،

ایثار، عاجزی اور انکساری بدرجہ اتم موجود تھی۔ لہذا آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

ہر کوئی میں تھیں چگا میں ہی بیچ ایاناں  
تھوڑا بہتا شعر سخن دا گھانا وادہا جاناں  
میں شہدا مر خاک رلیساں جمل ہمدی کافی  
جے رب سچے روشن کیتے رہن سخن نشانی

حضرت میاں محمد بخش ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے ہر ایک مسند نشین دربار حضرت پیر شاہ غازی قلندریہ دمڑیوالہ کے مزار پر گنبد تعمیر کرانے کا آرزو مند تھا مگر یہ سعادت چونکہ حضرت میاں صاحب ﷺ کے مقدر میں تھی۔ اسلئے کوئی نہ کوئی رکاوٹ آڑے آجاتی۔ حضرت میاں صاحب ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ ایسے افسر اولیاء کا مزار گنبد کے بغیر رہے۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنے مرشد روحانی سے مؤدبانہ تعمیر گنبد کیلئے اجازت طلب فرمائی اور پیر شاہ غازی قلندر ﷺ نے اپنے روحانی فرزند کی التجا اور دلی تمنا کو شرف قبولیت بخشا۔ حضرت میاں محمد بخش ﷺ نے دربار اور دیگر عمارات تیار کرائیں۔

ایک مرتبہ کوہ پٹن پر حضرت میاں محمد بخش ﷺ سخت علیل ہو گئے۔ اسہال شروع ہو گئے بدن میں ضعف پیدا ہو گیا۔ لیکن ہر مرتبہ بعد فراغت آپ وضو کرتے۔ آپ نے انداز پچاس مرتبہ ایسا کیا ہوگا اور ایک دم بھی یاد الہی سے غافل نہ ہوتے۔ حضرت میاں محمد بخش ﷺ نے زمانہ حیات ہی میں اپنی قبر کے واسطے ایک جگہ پسند فرما کر قبر کھدوا رکھی تھی۔ موسم گرما میں آپ کوہ پٹن پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ وہاں بھی آپ ﷺ نے قبر تیار کر رکھی تھی۔ مگر آپ کی آرزو تھی کہ آپ ﷺ وفات کے بعد حضرت پیر شاہ غازی قلندر ﷺ سے دور نہ رہیں۔

آپ نے 22 جنوری 1907ء بمطابق 7 ذوالحجہ 1324 ہجری بروز منگل وصال فرمایا۔

آپ کا عرس ہر سال 7 ذوالحجہ کو ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے کوہ پٹن میں بھی ایک قبر تیار کر رکھی تھی۔ جس میں آپ ﷺ کے تبرکات ایک بیس سیروزنی گودڑی ایک عصائے مبارک اور ایک دانت مبارک دفن کیے گئے ہیں۔ اہل یقین کو وہاں سے انوار تجلیات اور روحانی فیض حاصل ہوتا ہے۔ حضرت میاں محمد بخش ﷺ فرمایا کرتے تھے:

☆ فقیر کو اغنیاء کی صحبت مردہ دل کر دیتی ہے۔

- ☆ نفس انسان گزنگی اور تنہائی سے راہ راست پڑا تا ہے۔
- ☆ فقیر وہ ہے جس کو فقر سے انس ہو۔ جس طرح غنی کو فقر سے نفرت ہوتی ہے
- ☆ فقیر کو حضور مرشد سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں۔
- ☆ فقیر وہ ہے جس کی املاک نہ ہو اور ناداری میں خود مند ہو۔
- ☆ دل کی زندگی محبت سے ہے۔
- ☆ جس دل میں محبت کی آگ نہ ہو وہ دل زندہ نہیں۔
- ☆ ایمان صرف محبت سے اور محبت ایمان سے ہوتی ہے۔
- ☆ انسان کا خاصہ محبت ہے جس میں محبت نہیں وہ انسان ہی نہیں۔
- ☆ باہروں دکن میلے کالے اندر آب حیاتی
- ☆ ہونٹ سکے ترہایاں وانگر جان ندی وچہ نہاتی



## حضرت شیخ قاضی سلطان محمود قادری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1840ء

وصال: 1919ء

مزار: آوان شریف گجرات

ولادت باسعادت 1256ھ کے آخری مہینوں میں مئی 1840ء ( ماہ بیباکھ ) حضرت مولانا جناب غلام غوث رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت قاضی غلام مصطفیٰ بن غلام محمد بن حافظ محفوظ بن حافظ محمد جمیل بن حافظ محمد جمال بن حافظ ضیاء الدین کے ہاں آوان شریف میں ہوئی۔

آوان شریف ضلع گجرات کا آخری سرحدی قصبہ ہے 1857ء کے بندوبست کے مطابق عہد اکبری میں مسمی محمد حین مؤثر اعلیٰ نے بااجازت حاکم وقت اس جنگل ویرانے کو آباد کیا۔ اس کی قوم اعوان تھی اسی لئے اس نے اپنی گوت کے نام پر اس آبادی کا نام ”اوان“ رکھا، کاغذات مال میں لفظ اعوان کو ”اوان“ لکھا گیا ہے۔ حضرت علامہ اقبال کے والد گرامی کے مرشد اور اپنے زمانے کے ولی کامل حضرت قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بھی اعوان شریف سے تھا انہی کی وجہ سے یہ اوان بعد میں اعوان شریف کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت قاضی سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کشف قبور میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اعوان شریف آزاد کشمیر کی تحصیل برنالہ کے قریب واقع ہے۔

(بشکریہ آئینہ گجرات، جلد ۱۹ شماره ۲۴-۲۵ ستمبر ۲۰۰)

جب آپ بطن مادر میں تھے، والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سید الطائفہ بنید بن محمد ابو القاسم بغدادی قدس سرہ کی سواری ان کے گھر آرہی ہے۔ یہ آپ کی ولادت کی تعبیر تھی۔ حضرت کے جد امجد مولانا غلام مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا اسم گرامی سلطان محمود رکھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک قریباً چار سال ہوئی تو حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ

نے 1260ھ میں وفات پائی۔

1260ھ میں ابتدائی تعلیم و تربیت حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی ہوئی اور نسخ و نستعلیق دونوں خطوں کی مشق بھی کی۔ آپ تحصیل علم کی طرف بڑے ذوق و شوق سے مشغول ہو گئے آپ کی شادی تحصیل علم ہی کے زمانہ میں ہو گئی تھی۔ مگر اس کا علم کے حصول میں کوئی اثر نہ پڑا۔ علم کی تکمیل کے لئے آپ نے بہت کوشش فرمائی، وطن میں پھر وطن سے باہر دور دراز علاقوں میں تشریف لے گئے۔ حاجی والا تحصیل گجرات مفتی شیخ احمد صاحب سے موضع ملکہ تحصیل کھاریاں میں، مولوی صدر الدین صاحب سے چن گکھر ضلع گجرات میں، حضرت مولوی ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت مولوی نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے موضع کھائی ضلع جہلم میں اس کے بعد موضع کدلتھی تحصیل چکوال ضلع جہلم اور تھوآ محرم خان ضلع کیمبل پور میں ایک نابینا عالم سے جن کے فرزند کا اسم گرامی غلام قادر تھا جو آپ کی خدمت میں 1338ھ (1919ء) تک حاضر ہوتے رہے، وغیرہ حضرات سے تحصیل علوم کرتے رہے۔

موضع اخلاص کبھی والا میں ایک بہت بڑے عالم سے آپ نے ہدایہ کالبع سوم پڑھا۔ اس سے نوکوس کے فاصلہ پر موضع میر وال میں ایک افغانی عالم سے علم ہندسہ و ہیئت کی مشہور کتاب شرح چغمنی پڑھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ فتح جنگ اور اخلاص میں بھی تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ میر وال سے آپ رحمۃ اللہ علیہ چچمہ (حضر ضلع کیمبل پور) میں اور موضع غور غشتی میں وہاں سے دوبارہ میر وال میں افغانی استاد سے میرزاہد اور رسالہ قطبیہ کے اسباق میں شرکت کی پھر موضع پیر زئی میں حضرت مولانا داؤد آبی رحمۃ اللہ علیہ سے چند ماہ تحریر اقلیدس اور میرزاہد (امور عامہ) اور صدرہ قاضی مبارک کے مشکل مقامات حل کئے پھر وہاں سے کافر ڈھیری میں ایک عالم جو بحر مواج اور تمام فنون میں ایک دریا تھے۔ اور تمان زئی، ہشت نگر، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں بیضاوی شریف پڑھی اور موضع چکی میں بھی اور موضع نوتھا میں ایک پٹھان مولوی صاحب مرحوم سے آپ نے دوبارہ میرزاہد قطبیہ کو پڑھا اور قصبہ چکوال ضلع جہلم میں بھی پڑھتے رہے اور موضع کدلتھی والے واجب الاحترام استاد نے آپ کو قاضی کا لقب دیا تھا۔

زمانہ تعلیم میں بہت پریشانیاں اور تکلیفیں اٹھانا پڑھیں۔ تین تین، چار چار دن تک کھانا نہ ملتا، بھوکے پیاسے اور پیدل سفر کرنے سے پیروں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ بعض اوقات گدا کرنا پڑتا اور کچھ کتابیں لکھ کر فروخت کر کے گذر اوقات فرماتے۔ غرض کہ تکمیل و تحصیل علم کے لئے ہر فن کے صاحب کمال اساتذہ کو تلاش کر کے کمال حاصل فرمایا اور ہر فن کی ایک نہ ایک کتاب آپ کو زبانی یاد تھی۔ بڑے معتبر عالم فاضل تھے۔ حضرت مولانا مولوی

محمد حسین صاحب بنالوی مرحوم اور حضرت مولانا مولوی عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن عمر چک تحصیل کھاریاں قاضی گجرات آپ کے تبحر علم کے معترف تھے۔ جب آپ کافر ڈھیری میں بسلسلہ تعلیم قیام فرماتے تھے۔ اپنے اُستاد صاحب کے بڑے بھائی جو حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حمیدہ اور فضائل و خصائل بہت بیان فرمایا کرتے تھے اور نگر ہار ضلع جلال آباد افغانستان کے ایک ہم سبق طالب علم کا اصرار تھا کہ حضرت اخوند صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر برکت کی دعا کرانی چاہیے، لہذا سید و شریف سوات میں حضرت اخوند عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت اخوند صاحب نے دس گز لمبی دستار آپ کے سر پر باندھی اور اسی شب آپ نے ان کی بیعت کی۔ اس کے بعد آپ واپس تشریف لے آئے اور چھ ماہ بعد میاں نور احمد صاحب کے ساتھ دوبارہ وہاں تشریف لے گئے۔ تیسری مرتبہ آپ موسم گرما میں سید و شریف حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔ جب پایادہ نالہ سواں سے پار پہنچے تو پاؤں کے آبلے پھٹ گئے اس لئے سات دن ڈھوک رتہ راولپنڈی میں رہے، آٹھویں روز پاؤں پر پٹیاں باندھ کر حسن ابدال کے پاس پہنچ کھڑا میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں سے آگے جانے والے کو چھ ماہ قید ہوگی اس لئے آپ پہلے پشاور کی طرف گئے اور پھر ہشت نگر سے ہو کر قریباً چار روز بعد سید و شریف پہنچے جہاں جہاد کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر آپ رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو فوراً بلا لیا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قدم بوسی کی تو انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ تین ماہ بعد پھر حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ ساتویں مرتبہ حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تین چلوں کا حکم دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام ہدایات پر عمل کیا جب نویں بار آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو انہوں نے طویل مسافت کے پیش نظر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہد ولہ دریائی رحمۃ اللہ علیہ گجرات کے مزار پر حاضر ہونے کی تاکید کی۔ اس کے بعد کی ملاقات میں حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا: ”من گناہ گارم ولا اُتقِ برداشتن ایس بارنیم“ اس پر حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہس کر فرمایا: ”کدام گناہی کئی؟“ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ واپس آتے ہوئے ننگ جانی کے قریب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا زاد راہ گم ہو گیا، رتہ امرال پہنچے تو بیمار ہو گئے اور اُس کے بعد رتہ راولپنڈی میں تین دن بیمار رہنے کے بعد سفر شروع کیا اور گیارہ روز میں اپنے گھر پہنچے۔ 1291ھ میں آپ نے پیر و مرشد سے ملاقات کے لئے سفر شروع کیا مگر اشارہ غیبی پر موضع چھنی نزد مندرہ سے واپس آ کر حضرت شیخ شاہد ولہ رحمۃ اللہ علیہ (م 1085) کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ دوبار آستانہ عالیہ سید و شریف میں گئے۔ پہلی بار حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی

دوسری بار حافظ امام الدین جہلمی، حافظ سمندر ملتان، پیر نور اللہ شاہ سیالکوٹی اور مولوی احمد اللہ بنالوی کے ساتھ حضرت مور بی بی (اہلیہ حضرت اخوند صاحب رحمہ اللہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ رحمہ اللہ کو شریعت کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے ایک چادر اور ایک قمیص بطور تبرک پیش کی۔

تذکیمِ نفس کے لئے حضرت شیخ شاد دولہ رحمہ اللہ گجراتی کے مزار پر حاضری کے دوران آپ رحمہ اللہ کو سخت مجاہدے کرائے گئے نالیاں صاف کرائی گئیں، سجادہ نشینوں کے گھوڑوں کی لید سر پر اٹھوائی گئی اور مزدوری کر کے کھانا کھانے کا حکم ہوا۔ اس کے علاوہ بے شمار وظائف اور ادا کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری کا حکم ہوا۔ آپ نے حضرت شیخ سلیمان رحمہ اللہ، حضرت شیخ ملہو کھوکھر رحمہ اللہ، حضرت شیخ صاحب موٹا رحمہ اللہ، حضرت شیخ سنجان رحمہ اللہ، حضرت شیخ دیوا رحمہ اللہ، نوگزی قبروں، حضرت سید پیر مکی رحمہ اللہ، حضرت صاحب کوہ کلاں رحمہ اللہ، حضرت پیر غائب رحمہ اللہ، حضرت شیخ شاہ عبداللہ غازی رحمہ اللہ، حضرت پیر اشاہ قلندر رحمہ اللہ کھڑی شریف، حضرت شیخ طاہر دھونکل رحمہ اللہ، حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتان، حضرت شیخ رکن عالم رحمہ اللہ کے مزارات پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کئے۔ آپ رحمہ اللہ نے پنڈدادنخان اور بھیرہ شریف سے پانی پت کرنا اور گلیر شریف ضلع سہارنپور کے مقامات تک سفر کیا۔ آپ رحمہ اللہ آخری دم تک باقاعدگی سے نماز ادا کرتے رہے۔ آپ رحمہ اللہ سورۃ یوسف، سورۃ یسین، کبریت احمر، درود مستغاث، حزب المحر یا حزب الاعظم، دلائل الخیرات، قصیدہ بردہ شریف اور دعائے ماثورہ بکثرت پڑھتے تھے۔ کسبِ معاش، فرضِ منصبی، فرضِ عبادت، حقوق والدین اور استادوں کے احترام کی تلقین کرتے تھے۔ آپ فرماتے تمام عالم اللہ کا ہے اس لئے اللہ کے تمام بندوں سے محبت کرو۔ جب عمر مبارک 60 سال سے زیادہ ہوئی تو جسم مبارک میں ضعف کے آثار پیدا ہو گئے۔ 1915ء میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت میاں محمد مسعود رحمہ اللہ کا انتقال ہوا جس سے آپ رحمہ اللہ کو سخت صدمہ ہوا۔ یکم شعبان المعظم بروز جمعہ 1337ھ 2 مئی 1919ء میں وصال فرمایا۔ اور آوان شریف تحصیل و ضلع گجرات میں اپنے آباؤ اجداد کے مزارات کے پاس تدفین ہوئی۔ آپ کے بہت سے علماء ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ صاحبزادہ محبوب عالم رحمہ اللہ، گجرات، حضرت شیخ مولوی سراج الدین رحمہ اللہ لاہور، حضرت سید محمد شاہ رحمہ اللہ کوٹ جہراں گجرات، حضرت مولوی غلیل الرحمان رحمہ اللہ ڈھوک شمس شامل ہیں۔

## حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1799ء وصال: 1883ء مزار: سیال شریف ، جھنگ

آپ کی ولادت ایک مذہبی گھرانے میں 1214ھ (1799ء) میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ نے حصول علم کی خاطر دور دراز کے سفر کیے۔ کابل سے سندھ ویت حاصل کی۔ آپ کی زندگی کا اہم ترین سفر تونسہ شریف (ڈیرہ غازی خان) کا سفر ہے جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ شاہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی۔

آپ نے دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور زندگی بھر قرآن و سنت کی پیروی کی۔ آپ نے مسلمانوں کو اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین فرمائی اور ایک عظیم درس گاہ کا قیام فرمایا جہاں آپ خود تدریس فرماتے۔ آپ کے بہت سے تلامذہ اسلامی سکالر بن کر ابھرے۔ آپ کے اقوال و ارشادات پر مشتمل مشہور کتاب ”مرآة العاشقین“ ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت پیر پٹھان آف تونسہ شریف نے آپ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین خواجہ علامہ محمد الدین سیالوی کو خلافت عطا کی۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء و صوفیاء کے سلسلہ چشت سہ تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے سوانح حیات اور خلفاء کے احوال کے بارے میں مرید حسین چشتی نے آٹھ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ”فوز المقاتل فی

خلفائے پیر سیال ”مرتب کی ہے جس کی کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند معروف خلفاء کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت قاضی میاں محمد امجد نوشہرہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاضی میاں احمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ معظم الدین معظم آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف

حضرت خواجہ سید غلام حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ جلاپور شریف

حضرت خواجہ سید محمد سعید زنجانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور

حضرت خواجہ محمد حسن شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ سید نیاز علی گردیزی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مرزا نواب بیگ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ملا خوشنود یوسف زئی رحمۃ اللہ علیہ کابل

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 24 صفر 1300ھ (4 جنوری 1883ء) کو ہوا۔ آپ کی

تدفین سرگودھا جھنگ روڈ پر سرگودھا سے 48 کلومیٹر کے فاصلے پر سیال شریف میں ہوئی جو نظامیہ چشتیہ مرکز بن گیا اور

طالبان حق دور دراز سے یہاں آتے ہیں۔

آپ کے بارے میں حضرت پیر نصیر الدین نصیر ”رنگ نظام“ میں لکھتے ہیں:

چشتی ہیں ، بڑے فقیر ہیں پیر سیالؒ

ہر رنگ میں بے نظیر ہیں پیر سیالؒ

تھے مہر علیؒ پیر بھی جن پر قرباں

پیروں میں ایسے پیر ہیں پیر سیالؒ

## حضرت شیخ کبیر الدین شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1581ء وصال: 1676ء

مزار: گجرات شہر

ولادت باسعادت قریباً 989ھ مطابق 1581ء میں عبدالرحیم خان لودھی کے ہاں ہوئی جو شہنشاہ ہند سلطان بہلول خان لودھی مرحوم کے خاندان میں سے تھے اور سلطان ابراہیم لودھی کے پوتے تھے اور والدہ ماجدہ بی بی نعمت خاتون مرحومہ بنت جناب غازی بن سلطان سارنگ گھر تھیں۔ سلطان سارنگ نے خواص خان باغی کو پناہ دی تھی۔ سلطان سلیم خان بن سلطان شیر شاہ سوری متوفی 960ھ و 1553ء نے حملہ کیا۔ روہتاس کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ جس میں سلطان سارنگ مارا گیا اور آپ کے نانا اور والدہ کو قیدی بنا کر دہلی لایا گیا۔

جب شہنشاہ ہند ہمایوں دوبارہ تخت دہلی پر قابض ہوا 1555ء کو تو اس نے اس پاک دامن خاتون کا نکاح اپنے داروغہ شاہی عبدالرحیم خان لودھی سے کر دیا جو مور زمانہ کی وجہ سے شاہی ملازمت میں تھے۔ آپ کے ہاں حضرت کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت کے بعد اسی سال والد بزرگوار انتقال کر گئے۔ آپ کی والدہ واپس روہتاس تشریف لے گئیں۔ چونکہ قید کے زمانے میں وہ بالکل نو عمر تھیں۔ اس لئے وطن کے لوگوں نے انہیں نہ پہچانا۔ وہ انتہائی کس پرسی کی حالت میں تھیں کہ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ایک نزدیکی گاؤں سعیلہ اور کالا گجراں میں چکی پیس کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی رہیں۔

انہیں مصائب و آلام میں کئی سال گزار کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

آپ سیالکوٹ شہر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک ہندو مہنتہ کھیم چند وڈیرا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ کی ذہانت اور خوش خلقی، امانت و دیانت دیکھ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ چونکہ وہ لاولد تھا۔ اس نے آپ کو اپنا متبنی بنالیا۔ ضروری تعلیم اور حساب کتاب کی تعلیم دلوائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ کو کسی شتی القلب نے کسی ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بہر حال اس ہندو نے جوانی کے زمانے میں قانون گو کے توشہ خانہ کا داروغہ بنا دیا۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ سید

اسرمت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موضع سنگھوئی حاضر ہوئے۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ انہی دنوں حضرت شیخ سید اسرمت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، سیالکوٹ تشریف لائے اور ہندوؤں کے طوید میں قیام فرمایا، جہاں آپ کا مزار ہے۔ وہیں آپ کی پہلی حاضری ہوئی اور وہیں کے ہو رہے اور قریباً بارہ سال تک عبادت و ریاضت، مجاہدات اور ذکر میں مشغول رہے اور ساتھ ہی ساتھ خانقاہ کی خدمت اور محنت مزدوری اور جیسے سخت مجاہدے کرائے اور علمی تربیت فرمائی۔ بازید سیالکوٹی کی حویلی میں کام پر لگوا دیا۔ ساری مسجدوں میں پانی بھرنے اور کھاری پانی والے کنوئیں کو خس و خاشاک سے خالی کر کے میٹھا پانی نکالنے کو فرمایا۔ غرض کہ محنت و مشقت مجاہدات اور ریاضات کرتے اور آپ سے تلاوت کلام اللہ سنتے تھے۔

جب حضرت سید اسرمت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے خاص مقرب مرید و خادم حضرت مکھویا سنگھو پیر رحمۃ اللہ علیہ کو تین مرتبہ طلب فرمایا۔ جو کسی مجبوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ آپ ہی دو مرتبہ حاضر ہوئے۔ آخر تیسری بار فرمایا:

ہر کرامولا دہد۔ شاہ دولہ گردد۔

یعنی جسے دے اور دلائے مولا۔ ہو جائے شاہ دولہ

بس سب کچھ آپ ہی کے سپرد فرما کر اپنا نائب بنایا اور د عافرمائی اور 1015ھ میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مبارک مشن سکول کے ہوٹل کے مغرب میں ہے۔

اس کے بعد آپ پر جذب کا غلبہ ہوا۔ جو ایک عرصہ تک رہا۔ آپ اکثر وقت ویرانوں اور جنگلوں میں گزارتے۔ دنیا اور مافیہا سے الگ رہتے، اہل حاجت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دینی اور دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوتے۔ تقریباً دس سال تک یہی حالت رہی۔

اس کے بعد مرشد کے ارشاد کے مطابق 1022ھ کے بعد گجرات کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے اور قریباً 1025ھ میں مستقل قیام فرمایا۔

آپ کو شیخ المشائخ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔

آپ مشرباً حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ حنفیہ پر تھے۔ غرض کہ ان روشن ضمیر بزرگوں اور مشائخ میں سے تھے ان کے نفوس قدسیہ نے برصغیر پاک و ہند کے کروڑوں انسانوں کے قلوب کو معاصی کے



زنگ سے صاف کر کے وہ جلا بخشی کہ وہ ذرہ سے آفتاب بن کر کائنات کو منور فرمایا اور ہر قسم کے شان و شوکت سے بے نیاز ہو کر کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر کفر و الحاد، شرک و بدعت اور رسوم بد کو مٹاتے ہوئے اسلام کے نور سے منور کر دیا۔

آپ کے مقام تصوف سلوک، شریعت و طریقت کے متعلق، صاحب معارج الولائت اور معجز الواصلین، خزینۃ الاصفیا اور سکینۃ الاولیا وغیرہ کتابوں میں ہے کہ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عارف، کامل اور ممتاز تاریخی شخصیت تھے۔ آپ کا گھرانہ اور خانقاہ علم و عمل، علم و فضل کا مرکز تھا، عربی، فارسی پر بڑا عبور تھا۔ اور مطالعہ وسیع تھا اور آپ کا فلسفہ حیات صوفیانہ اور بصیرت عارفانہ تھی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا سے انسان کا جذباتی رابطہ ہے اور یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو اپنی خودی کو مجبوب حقیقی کی ذات میں مدغم کر کے اس سے مکمل وصال حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ عرفا اس وصال حقیقی کے ذریعہ ہی حقیقت الحقائق تک پہنچتے ہیں اور اس کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس ازلی، ابدی حقیقت کا ادراک محض عقل کے ذریعہ ممکن نہیں۔

آپ کی خدمت میں ایک دفعہ سید حسن گیلانی پشاورى رحمہ اللہ، متوفی 1115ھ فرزند ارجمند حضرت سید گیلانی قدس سرہ، متوفی 1084ھ۔ اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد جب ملاقات کے بعد اجازت چاہی تو فرمایا: اے سید صحبت بس غنیمت است کہ باز میسر نیست۔ شمارا میں جہاں بخشیدہ و مارا آن جہاں طلبیدند۔ یعنی اے سید صحبت یہی غنیمت ہے کہ دوبارہ میسر نہیں ہوگی۔ تم کو یہ جہاں بخشا اور مجھے اس جہاں میں طلب فرما رہے ہیں۔

آپ کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ مسلمانوں کے سوا غیر مسلم بھی حاضر ہوتے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ مریدین، متوسلین دور دور پھیلے ہوئے تھے۔ جموں و کشمیر۔ پونچھ، صوبہ سرحد، سوات، مالاکنڈا، بکنسی، اور دور دراز علاقوں تک کے لوگ پروانہ وار حاضر ہوتے۔ آپ کی فیاضی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ خزانہ غیب سے آتا بے حساب غریبوں اور مسکینوں، یتیموں، محتاجوں، فقراء، ایتام، اندھوں، لوہے لنگڑے، بیمار، معذور وغیرہ حضرات کو دو وقت کا کھانا کھلاتے۔ بے سہاروں کا سہارا تھے۔ خاص طور پر ان ایتام بچوں سے پیار فرماتے جو اپنے والدین کی شفقت سے محروم ہوتے۔ وہ آپ کے پیار و محبت سے ایسے مانوس ہوتے کہ ماں باپ کی شفقت کو بھول جاتے اور ایسے ہی رفاہ عامہ کے کام بڑے شوق سے سرانجام فرماتے۔ مسجدیں آباد فرماتے، بنوئیں، تالاب، پل، راستہ اور سڑکیں تعمیر کروائے جو آج تک موجود ہیں اور لوگ دیکھ کر شاہی عمارتیں سمجھنے لگتے ہیں۔

صاحب عبادت و ریاضت، مجاہدہ، صاحب حال و قال اور صاحب شریعت و طریقت صاحب و کرمات و مشکوفات و تصرفات بزرگ تھے۔ آپ نے پیر و مرشد کے وصال کے بعد تقریباً ۱۰ سال تک تبلیغ و اشاعت سلسلہ میں مصروف رہ کر 1085ھ (1676ء) میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک شہر گجرات میں مشہور ہے۔ آپ کے اسم گرامی کے نام سے دروازہ شاہ دولہ بھی مشہور ہے۔ کسی نے تاریخ وصال کہی ہے۔

بتوحید آن عارف حق گزیدہ  
بگو شاہ دولہ بخت رسیدہ  
صاحب خزینۃ الاصفیاء میں قطعہ تاریخ ہے:

چوں شاہ دولہ با عزت و جاہ  
زدنیا رفت در فردوس شاداں  
بسرور شداند تاریخ وصالش  
کہ شاہنشاہ دولہ قطب دوراں  
ایضاً ولی اللہ دولہ کہ از دست بود  
بذکرش شب و روز ہم اوست بود  
خرد خواست از وصالش خبر  
سروشش بگفتہ خدا دوست بود

(1085)ھ (1676ء)

خلفاء

- ☆ حضرت شیخ شاہ بہاؤ الدین عرف بہاؤن قدس سرہ
- ☆ حضرت شیخ شاہ منور الہ آبادی قدس سرہ، از مشائخ سلسلہ ہندی
- ☆ حضرت شیخ شاہ امان اللہ قدس سرہ مصنف کراہت نامہ
- ☆ حضرت شیخ شاہ امان اللہ ثانی قدس سرہ،

## حضرت سخی سیدن شاہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

مزار: چوآسیدن شاہ۔ چکوال

چکوال کا خطہ بڑا مردم خیز ہے۔ یہاں بے شمار جلیل القدر اولیاء کرام اور غیر معمولی شخصیات نے جنم لیا۔ یہی وہ علاقہ ہے۔ جہاں ماقبل تاریخ اور تاریخ کی ابتداء میں انسان نے بود و باش اختیار کی۔ اور جب برفانی طوفانوں اور تند ہواؤں نے اس خطے میں اس کا سینہ دشوار کر دیا تو انسان یہاں سے مختلف علاقوں میں پھیل گیا۔ مگر اس کی بود و باش کے آثار آج بھی بن امیر خاتون، کناس اور گلرکھار میں موجود ہیں۔ یہ سرزمین مناظر فطرت سے پر ہے۔ کہیں سرسبز پہاڑ اپنی بہار دکھلا رہے ہیں تو کہیں خوبصورت جھرنے اور آبشار دل موہ لیتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں انواع و اقسام کے درختوں کے علاوہ بے شمار چرند و پرند بھی موجود ہیں۔ ان جانوروں میں مور اور ہرن قابل ذکر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ علاقہ معدنی دولت سے بھی مالا مال ہے۔ یہاں کوئلے سیمنٹ بنانے کے پتھر اور مخصوص قسم کی مٹی کی بے شمار کانیں ہیں۔ اس علاقے میں کئی مقامات پر پانی کے ذخائر اور چشمے بھی موجود ہیں۔ اور انہی کے نام سے کئی گاؤں موسوم ہیں۔ مثلاً چوآ گچ، البحر (چوآ گچ علی شاہ) اور چوآ سیدن شاہ وغیرہ

چو آسیدن علی شاہ جو آج چکوال کی ایک مشہور تحصیل ہے۔ وہاں ایک ایسی نادر روزگار ہستی کا مزار مبارک ہے۔ جس نے نہ صرف اہلیان علاقہ کی روحانی تشنگی مٹائی بلکہ انہیں شیریں پانی فراہم کر کے اس مقام کا نام ہی 'چو آسیدن شاہ' کر دیا۔

جنڈیال (ضلع چکوال) کی سرزمین ایک مدت سے پانی سے محروم اور تشہ قحی۔ لوگ دور دراز کے چشموں سے پانی لا کر استعمال کرتے تھے۔ پانی کے یہ چشمے موضع امرکنڈ (کناس) میں تھے۔ جن پر ہندو ایک عرصے سے قابض تھے۔ وہ مسلمانوں کو پانی دینے سے کتراتے تھے اور مسلمانوں کو حصول آب میں سخت مشکلات درپیش تھیں۔ چو آ کے چند نمایاں لوگ اس مشکل کے حل کیلئے حضرت سخی سیدن شاہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی 'یا حضرت! موضع امرکنڈ (کناس) میں ہی پانی دستیاب ہے۔ لیکن وہاں سے ہندو پانی نہیں لینے دیتے۔ وہاں ان کے مندر اور قلعے ہیں لہذا وہاں جا کر ان سے پانی کا تقاضا کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس مسئلے کا کوئی حل بتائیں اور ہمیں پانی کا کوئی بندوبست فرما کر دیں۔ حضرت سخی سیدن شاہؒ جانے کس کیفیت میں تھے کہ لوگوں کو ساتھ لیا اور کناس کی جانب چل پڑے۔ وہاں جا کر آپ نے نہایت نرمی سے ہندوؤں سے فرمایا: 'پانی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ اس پر ساری مخلوق کا ایک جیسا حق ہے'۔ ہندوؤں نے سنی ان سنی کر دی اور پانی دینے سے انکار کر دیا۔

اس پر آپ جلال میں آگئے اور فرمایا: 'اچھا اگر تم پانی دینے سے انکار کرتے ہو تو میں خود پانی لے جاتا ہوں جو روک سکتا ہے۔ وہ روک لے۔ ایک اور بات بھی سن لو بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ جب تمہارے مندر اور قلعے سب ویران ہو جائیں گے'۔

یہ فرما کر آپ نے چشمے میں اپنا عصا رکھا اور پانی کو ایک لکیر کی شکل میں کھینچتے ہوئے روانہ ہوئے۔ رستے میں میدان، پہاڑ اور وادیاں بھی آئیں مگر پانی ایک ریلے کی شکل میں آپ کے پیچھے کسی معمول کی طرح چلتا ہوا چو آسیدن کی سرزمین میں داخل ہو گیا۔

اس دن سے آج تک پانی اسی طری چو آسیدن شاہ کی سرزمین کو سیراب کر رہا ہے اور آج جنڈیال (چو آ) کی نجر سرزمین زرخیز اور شاداب علاقہ بن چکی ہے۔ چو آ چشمے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جنڈیال چو آ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آپ کی ولادت تقریباً سات صدیاں قبل شیراز میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے سے

حاصل کی۔ آپ کے والد ایک کامل صوفی تھے۔

انہوں نے آپ کو چھوٹی عمر ہی میں علم قرآن و حدیث اور فقہ میں ماہر کر دیا۔ آپ نے ظاہری علوم کے علاوہ مقامی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کی۔

جب آپ جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ جنڈیال آ کر مقیم ہو گئے۔ آپ نے کابل اور درہ خیبر کے راستے سفر کیا۔ اسی دوران آپ کے والد ماجد ناڑہ موگلہ کے مقام پر وصال فرما گئے۔ آپ چند ساتھیوں اور ضعیف العمر والدہ کے ساتھ جنڈیال (چوا) پہنچے۔ حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء میں لوگوں کی بکریاں اور مال و مویشی اجرت پر چرانے کا پیشہ اپنالیا۔ آپ روزانہ گاؤں سے لوگوں کے مال و مویشی جنگل میں لے جاتے اور ان کو آزاد چھوڑ کر فرماتے:

”اے مویشیو! میں تمہیں خدا کے حوالے کرتا ہوں، تم اپنا پیٹ بھرو اور میں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر حق بندگی ادا کرتا ہوں۔“

حضرت سخی سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک روحانی اور عظیم علمی شخصیت تھے۔ اپنے زہد و تقویٰ، پرہیزگاری، پابندی شریعت اور خدمت خلق کی وجہ سے آپ ہر دل عزیز تھے۔ آپ پہلے صرف ایک چرواہے تھے لیکن اب آپ کی خدمت میں سارا دن لوگوں کا ہجوم رہتا ہر کوئی فیض روحانی سے فیض یاب ہوتا۔ حضرت سخی سیدن شاہ شخصیت جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے حسن سے مزین تھے۔ آپ کی آنکھوں میں روحانیت کی ایک خاص چمک تھی جو دیدنی تھی۔

آپ جب اپنی مجلس میں درس و تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے تھے تو آپ کا انداز اتنا دلنشین ہوتا کہ آپ کا کلام سیدھا دلوں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ آپ نہایت مشکل مسائل بھی ہلکے پھلکے انداز میں بیان کر دیتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبت الہی اور اطاعت و اتباع کا عملی نمونہ تھی۔ آپ کے فیضان سے بے شمار افراد فیضیاب ہوئے۔ آپ سادہ طبیعت مگر باوقار تھے۔ آپ اپنی دلنشین باتوں اور اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں اتر جاتے تھے۔ جب چو آ میں حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا نور پھیلا تو اس کی روشنی صرف اسی علاقہ تک محدود نہ رہی۔ بلکہ یہ فیض عام دور دراز کے لوگوں کیلئے بھی ہدایت کا باعث بن گیا۔ خاص و عام آپ کے پاس حاضری دینے لگے۔

ایک مرتبہ حضرت سخی سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ کشمیری ماکمل لشکری سلطان اپنے سالاروں، جرنیلوں اور بے شمار سپاہیوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس

نے آپ سے دعا اور نصیحت کی درخواست کی۔

تو آپ نے فرمایا: ”اے بادشاہ! تجھ سے بڑا ایک اور بادشاہ بھی ہے جو درحقیقت سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس نے تمہیں اپنی زمین پر اپنے کچھ بندوں کیلئے امین بنایا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ پہلے حق بندگی ادا کرو۔ پھر حق مخلوق ادا کرو۔ لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ یہ حکومت، جاہ جلال، اور تزک و احتشام تیرا امتحان ہے۔ اس میں کامیابی، کامرانی اور سرخروئی تمہیں تب ہی نصیب ہوگی جب تم خدا کے احکام کی پابندی، دین مصطفوی ﷺ کی پیروی اور قوانین اسلام کی پاسداری کرو گے۔

یہ دنیا و حکومت عارضی ہے۔ یہ اقتدار و اختیار چند دنوں کی بات ہے۔ اس لئے اپنا وقت استغفار میں گزار دو اور اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے۔ خشیت الہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالو گے تو تمہارے لئے یہ دنیا بھی راحت و آرام کا مسکن بن جائے گی اور آنے والی زندگی میں بھی تمہیں خداوند تعالیٰ اپنی نوازشات اور عنایات سے ہمکنار کر دے گا۔“

لشکری سلطان پر آپ کی روح پرور باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے تخت و تاج سے کنارہ کشی اختیار کی اور خود درویش بن کر حضرت سیدنا شاہ علیہ السلام کی خدمت میں بقیہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا مگر چند ہی دنوں میں وہ نہایت لاغر ہو گیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

”بادشاہت چھوڑ کر پریشان ہو؟“

اس نے عرض کی: ”حضرت! بالکل نہیں۔ بلکہ اس زندگی میں تو وہ سکون ہے جو امیری میں نہیں ملتا۔“

جب کمزوری کی وجہ دریافت کی تو اس نے اس کا سبب یہاں کا پانی بتایا۔ اس پر آپ نے اپنی خانقاہ کے احاطے میں زمین پر اپنا عصا مارا۔ تو اللہ کے فضل و کرم زمین سے ایک چشمہ ابل پڑا۔ جس کا پانی میٹھا شیریں اور ٹھنڈا تھا۔ وہ پانی جب حاکم نے پیا تو اس کے ساری بیماری جاتی رہی۔

یہ چشمہ آپ کے مزار کے صحن میں موجود ہے۔ لشکری سلطان تمام عمر آپ کی خدمت میں رہا۔ حتیٰ کہ اس کی موت بھی یہیں ہوئی اور اس کا مزار حضرت سیدنا شاہ علیہ السلام کے مزار کے پہلو میں بنایا گیا۔

حضرت سیدنا شاہ علیہ السلام نے بے شمار غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ آپ کے بے شمار عقیدت مند اور مرید ہیں۔ آپ علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھے۔ آپ کے دل میں حب اللہ اور عشق رسول ﷺ کی شمع روشن تھی۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی آپ کا بے مثال تقویٰ تھی۔ بلاشبہ آپ کا شمار ان برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا

ہے۔ جن کے طفیل اعتبار دنیا قائم ہے۔

حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ گمنامی پرند کریم النفس شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ہمیشہ اللہ سے دعا فرماتے: ”اے مولا کریم! میں شہرت و نمائش نہیں چاہتا میں تو صرف تیری خوشنودی چاہتا ہوں۔ اے اللہ مجھے اس مقصد میں کامیاب فرما“۔

حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہ روحانیت تھے۔ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے مزار سے کئی ایسے واقعات رونما ہوتے رہے۔ جنہیں کرامات کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک کامل بزرگ تھے۔ آپ کے مزار کے مشرق میں نور شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور مغرب میں شاہ مشرف بخاری رحمۃ اللہ علیہ استراحت فرماتے ہیں۔ شمال کی جانب گھٹالی والی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے۔ جبکہ جنوب میں چنبے والی سرکار کا مزار ہے۔

حضرت سیدن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی حتمی تاریخ وصال دستیاب نہیں۔ آپ کا عرس چیت کی پہلی جمعرات کو نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ بیشمار لوگ آپ کے دربار پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

## حضرت خواجہ نظام الدین کیا نوئی رحمۃ اللہ علیہ

مزار: کیاں شریف۔ کشمیر

ضلع مظفر آباد میں کنڈل شاہی سے تین چار میل کے فاصلے پر چاروں طرف سے خوبصورت جنگلات میں گھرا ہوا ایک گاؤں ”کیاں شریف“ ہے جہاں قطب دوراں، شہباز سلسلہ نقشبندیہ، رہبر طریقت حضرت خواجہ نظام الدین کیا نوئی رحمۃ اللہ علیہ کا دربار چشمہ فیض ہوا ہے۔ یہی دربار ہے جہاں سے واقف اسرار معرفت، عارف باللہ، حضرت خواجہ عبید اللہ المعروف حضرت جی صاحب لاروی رحمۃ اللہ علیہ سرینگر کشمیر، خواجہ خواجگان حضرت محمد قاسم صاحب سرکار موہڑہ شریف، حضرت پیر نظیر احمد صاحب موہڑوی، حضرت خواجہ غلام نبی ملتانی اور حضرت خواجہ میاں نظام الدین لاروی رحمۃ اللہ علیہ۔

(ان کا اصلی نام میاں عارف تھا بیعت کے بعد حضرت کیا نوی نے اپنے ہم نام قرار دیئے۔) جیسے اولیاء اللہ نے فیض یاب ہو کر نہ صرف ریاست جموں و کشمیر بلکہ برصغیر پاک و ہند اور دیگر ممالک میں فیض کے دریا بہائے۔ لاکھوں دلوں کو نور معرفت سے منور کیا اس بناء پر حضرت خواجہ کیا نوی رحمۃ اللہ علیہ بجا طور پر ریاست جموں و کشمیر میں سلسلہ نقشبندیہ کے مرکز و محور تھے۔

چچا ٹھٹھ شریف کنڈل شاہی کے قریب اپنے وقت کے عارف کامل حضرت میاں سلطان الملوک گزرے ہیں۔ انہی کے ہاں حضرت خواجہ کیا نوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب 155 پشتوں میں حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔ حضرت کیا نوی رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت کے ابتدائی مراحل اپنے والد گرامی سے حاصل کئے۔ آپ شکار کے بہت شوقین تھے۔ ایک روز شکار کیلئے گئے۔ اس دوران جنگل میں آرام کرتے ہوئے خواب ہو گئے اور خواب میں مرشد نے ملنے کا اشارہ کیا۔ دل میں تڑپ پہلے سے موجود تھی جب بیدار ہوئے تو تجس بڑھا اور بے قرار ہو گئے۔ اسی وقت تلاش مرشد کیلئے روانہ ہو گئے۔ اس دور میں ضلع ہزارہ میں کھنڈیا شریف کا سورج نصف النہار پر جگمگاتا تھا۔ آپ کھنڈیا شریف پہنچے کھنڈیا شریف کے زیب آستانہ نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ آپ درویش خدامت ہیں اور آپ کا سینہ نور معرفت سے منور ہے۔ چنانچہ اُن کو دیکھتے ہی اپنی انگلی کا اشارہ کیا اور اشارہ سے درخت کی ایک شاخ کاٹ دی۔ اس پر حضرت نظام الدین کیا نوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہ کام تو ہم کبھاری سے کرتے ہیں۔ میں یہاں روحانی فیض کیلئے آیا ہوں۔ بیعت کیجئے“۔ انھوں نے جواب میں فرمایا: ”آپ کا فیض کشمیر میں ہے واپس جائیے“ تلاش حق میں چلتے چلتے ماگم شریف پہنچے۔ جہاں حضرت خواجہ میر محمد صدیق ماگمی رحمۃ اللہ علیہ زیب آستانہ تھے۔ انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا: ”اطلاع مل چکی تھی۔ ہم انتظار میں تھے“۔ آپ کو بیعت فرمایا اور ساتھ ہی خلافت بھی عطا کی۔ خرقہ خلافت کے بعد دس سال تک چلہ کشی میں مصروف رہے اور چالیس سال تک جنگوں اور بیابانوں میں سلوک و معرفت کی منزلیں طے کیں۔

آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے۔ جب آپ نے حضرت جی صاحب (لاروی رحمۃ اللہ علیہ) سرینگر (اور حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت اور بیعت عطا کی تو یہ آپ کا اعجاز ہی تو تھا جس نے چار دانگ عالم میں اسرار و معرفت اور روحانیت کے دریا بہا دیئے۔ ایک بار آپ کے ہاں باہر سے مہمان آ گئے۔ اتفاق ایسا تھا کہ اُس وقت گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہ تھا آپ فکر مند ہو گئے کہ گھر میں مہمان آئیں اور ان کی مہمان نوازی نہ ہو؟ اسی دوران کہیں سے ایک بارہ سنگا دروازے پر آ موجود ہوا۔ اس کو پکڑ کر ذبح کیا گیا اور مہمانوں کی خاطر تواضع کی گئی۔

مرکز رشد و ہدایت کیان شریف



قلب الاقطاب حضرت جی صاحب لاوری سری نگر کشمیر	حضرت میاں غلام نبی ملتان	حضرت پیر نظیر احمد	حضرت خواجہ محمد قاسم مہرہ شریف
حاجی بابا سید نوران شاہ نور پور میداں سوہادہ	حضرت مولوی حبیب اللہ شاہ بھاری پورٹ		تھمکول شریف
جمال شریف مول ریاسی	مدوال پکوال	پہروٹ علاقہ سرین	نواں شہر ایبٹ آباد

## حضرت خواجہ عبید اللہ 'حضرت جی صاحب' لاروی ؒ

ولادت:

1983 ب

وصال:

لار شریف - کشمیر

مزار:

واقف اسرار معرفت، عارف باللہ حضرت خواجہ عبید اللہ المعروف حضرت جی صاحب لاروی ؒ ریاست جموں و کشمیر میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مہرتاباں تھے۔ آپ کو سلطان الاذکار درجہ حاصل تھا۔ آپ کی پیدائش موضع بنوڑہ بالا کوٹ ضلع ہزارہ میں ہوئی۔ ابتدائی عمر سے ہی عابد اور زاہد شب بیدار تھے۔ اوائل عمر ہی میں چلکشی کے ذریعہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔

آپ کو اللہ پاک نے علم لدنی سے نوازا تھا۔ تصوف پر مشہور زمانہ کتاب اسرار کبریٰ آپ کی تصنیف ہے جو نثر کے علاوہ زیادہ تر اشعار پر مشتمل ہے۔

اسرار کبریٰ میں حضرت جی صاحب نے لکھا ہے کہ ایک بار قحط سالی کا زمانہ تھا میں غلہ لینے گھر سے ایک منزل دور چلا گیا۔ غلہ خرید کر واپس روانہ ہوا تو سامان نے تنگ کرنا شروع کر دیا اور ساتھ بھوک بھی لگ گئی۔ راستے میں میرے ہمراہی کے جاننے والے کامکان آیا وہ مکان کے اندر چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر میں بھی اس کے ساتھ اندر چلا گیا تو شاید جگہ نہ ملے اس لئے وہ اکیلا گیا اور میں چلتا رہا اور اس کی پرواہ نہ کی۔

تھوڑی دور جا کر ایک بزرگ ملے جنہوں نے میرے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ پہلے میں نے خیال کیا کہ کوئی ڈاکو نہ ہو۔ پھر اس کی شکل و صورت پر غور کرنے کے بعد میرا شبہ دور ہوا۔ اس شخص نے مجھ سے پوچھا: ”کہاں جانا ہے؟“ میں نے اپنی منزل بتائی۔ اس نے کہا: ”تم تھک گئے ہو اپنا سامان مجھے دے دو۔ فلاں مقام پر یہ سامان واپس لے لینا“ میں نے سامان اُسے دے دیا۔ وہ تیز تیز قدم چلتا ہوا آگے نکل گیا۔ کافی دیر بعد میں اس کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچا وہ شخص وہاں نہ تھا لیکن میرا سامان وہاں موجود تھا۔ میں سامان لے کر گھر آ گیا۔

اس واقعہ کے چار پانچ سال بعد میں حصول بیعت کی خاطر ”کیاں شریف“ پہنچا حضرت خواجہ خواجگان کیانوی سرکار کی خدمت میں حاضری دی تو یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ یہ تو وہی ہستی ہیں جنہوں نے چار پانچ سال قبل میرا سامان دوران سفر اٹھایا تھا۔ آپ میری حیرانی کو بھانپ گئے اور فرمانے لگے۔

”ہم لوگ ہی سفر میں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں“۔

میں نے عرض کیا: ”مجھے اپنی غلامی میں لے لیں“۔

حضرت نے سینے سے لگایا اور فرمایا: ”مرید ایسے ہونے چاہئیں“۔ بیعت فرمایا، خلافت عطا کی۔ آپ بارہ سال تک کیانوی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور زیادہ تر عرصہ مرشد کے جند پر گذرا۔

مرشد کامل کو مرید سالک ملے تو حضرت جی صاحب کیاں شریف کی بھٹی سے کنڈن بن کر نکلے۔ سرکار کیانوی حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے حضرت جی صاحب کو بیعت کیا اور فرمایا: ”فقر میاں عبید اللہ لے گئے“۔ پھر حضرت خواجہ سرکار موہڑوی کو بیعت کر کے رخصت کیا اور فرمایا: ”دولت محمد قاسم کے حصے میں آئی“۔

حضرت جی صاحب نے بارہ سال کیاں شریف میں گزارے۔ مرشد کے جند تعمیر کئے اور سایہ دار درخت لگائے۔ حضرت خواجہ محمد قاسم سرکار موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ بھی عرصہ دراز تک مرشد کی خدمت میں رہے اور کافی دور سے ایک بڑی کوہل نکال کر لائے جو آج بھی تمام صاحبزادگان کی زمینوں کو سیراب کرتی ہے اور وافر مقدار میں پانی کی بناء پر اس کو نہر کہا جاتا ہے۔ حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیاں شریف سے رخصت ہو کر بنوڑہ پہنچے اور وہاں سے مرشد کی ہدایت کے مطابق عازم کشمیر ہوئے۔ پرگنہ لار پہنچے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ پنجاب میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ، تونہ شریف میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، جلاپور شریف میں حضرت پیر حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، چورہ شریف میں حضرت خواجہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آغوان شریف میں حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طوطی بول رہا تھا۔

سرزمین کشمیر پہنچے وانگت لار کے قریب کنارہ دریائے منچے نماز کا وقت ہوا تو وہیں اپنی چادر پھائی اور نماز ادا کی۔ قدرت کا عجیب کرشمہ ظاہر ہوا۔ جوں ہی سلام پھیرا تو کیا دیکھتے ہیں کہ چادر پر پرگنہ لار شریف کی زمین کا نقشہ (شجرہ) نقش ہو گیا۔ بعد میں یہی شجرہ زمین آپ کو ملی۔ جہاں بعد میں آپ نے پوری زندگی رشد و ہدایت کے دریا بہا دیئے۔

حضرت جی صاحب قبلہ تحصیل مہنڈر کے تبلیغی دورے پر تھے۔ دریائے سرہن کے کنارے ایک بڑے پتھر پر کھڑے مریدوں اور عقیدت مندوں کو تبلیغ و ہدایت کر رہے تھے۔ ذکر واذکار کی محفل تھی کسی نے آکر عرض کی کہ علاقہ میں کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں جو پانی میں دم کرتے ہیں تو پانی میٹھا ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”پانی کا ذائقہ پروردگار عالم نے بنایا جس کو تمام انبیاء علیہم السلام نے چکھا اور پسند کیا۔ اور خداوند کریم کی ایک بڑی نعمت ہے۔ کیا وہ شخص اس کو پسند نہیں کرتا؟“ یہ فرمانا تھا کہ آپ کو وجد آ گیا۔ کافی دیر یہ حالت رہی، چہرہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اسی حالت میں آپ کے پاؤں پتھر میں دھنس گیا۔ مولوی ہدایت شاہ صاحب بخاری پمبروٹی نے آپ کو متوجہ کیا تو آپ نے فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور دربار خداوندی میں عرض کی۔

’یا

الہی اس پتھر کو یہاں سے ہٹا دے تاکہ لوگ اس کو سجدہ گاہ نہ بنالیں “ خدا کی قدرت سے وہ پتھر کچھ دن بعد اُٹا ہو گیا۔ وہ پتھر ستر اسی سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اُسی حالت میں موجود ہے۔

☆ ایک بار چند سکھ نوجوان ایک مادر زاد گونگے کو لے کر حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ حضرت کی آزمائش کیلئے آئے تھے اور مسلمانوں کے سامنے آپ کی توہین کرنا چاہتے تھے۔ کہنے لگے ہمارا یہ ساتھی اچھا بھلا تھا کچھ دنوں بعد اس نے بولنا بند کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”عجیب لوگ ہوا تھے بھلے آدمی کو گونگا بنا رہے ہو“۔ وہ خوش ہوئے کہ ہمارا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ لیکن قدرت کا کرشمہ دیکھئے انہیں کیا علم کہ

اولیاء را ہست قدرت از الہ

تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اچانک اس مادر زاد گونگے نے بولنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ یہ ماجرہ دیکھ کر حیران رہ گئے کلمہ پڑھا اور

مسلمان ہو گئے۔

قطب دوران حضرت جی صاحب لاروی رحمۃ اللہ علیہ نے بحرمی 1983 کو شب قدر کی رات وصال فرمایا۔ لار شریف میں آپ کا مزار پر انوار آج بھی تشنگان علم کی روحانی پیاس بجھا رہا ہے اور فیض کے دریا بہا رہا ہے آپ کے خلفاء میں شہباز نقشبندیہ حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ رحمۃ اللہ علیہ نور پور سیداں سوہاؤہ ضلع جہلم، رہبر طریقت حضرت مولوی حبیب اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ پمبروٹ ضلع پونچھ کشمیر شامل ہیں۔ نکمال میں سردار فتح محمد خان کریلوی مرحوم، علاقہ ڈیسی کے مولوی فرمان علی صاحب، خواجہ عبداللہ جو پونچھ، سرہن کوٹ ضلع پونچھ کی قاضی فیملی، یہ سب لوگ حضرت جی صاحب لاروی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے۔

حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ملفوظات نظامیہ اور اسرار کبیری روحانیت اور تصوف کا شاہکار ہیں۔

{ماخوذ از امام الانبیاء سید آغا حسین مغموم}

یہ مضمون جناب سید آغا حسین مغموم سے حاصل کیا گیا۔ نور پور سیداں میں جناب کبیر حسین شاہ اختر کے ہمراہ ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ آغا صاحب نے نہایت پر تکلف دعوت کا اہتمام بھی کیا اور ازراہ نوازش اپنی کتاب بھی پیش کی۔ میں ان کا از حد شکر گزار ہوں۔

## حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

وصال: 13 اکتوبر 1966ء

مزار: نور پور سیداں۔ سوہاؤہ

اسم گرامی سید نوران شاہ نورانی مشہدی کاظمی مگر حضرت حاجی بابا کے لقب سے مشہور ہوئے شجرہ نسب نویں پشت میں حضرت امام کاظمی مشہدی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے اور 32 ویں پشت میں مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، نجیب الطرفین سید ہیں۔

آباد اجداد مشہد سے آکر سندھ میں روہڑی بھکر میں تیس سال قیام پذیر رہے اور وہاں سے سیدال کسراں تحصیل گوجران میں آباد ہوئے۔ اس شاخ سے موضع چاولی کرسال میں قلندر زمانہ حضرت بری سرکار عبدالمطیف شاہ مشہدی کاظمی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جن کا مزار پرانوار نور پور شاہاں میں مرجع خلافت ہے۔ سید حضرت شاہ چن چراغ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔

حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش بمقام جوہج تحصیل بالا کوٹ ضلع ہزارہ میں ہوئی۔ آپ کا گھرانہ علی اور روحانی مرکز کا گوارہ تھا۔ آپ کے والد گرامی حضرت سید مرید حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک کامل ولی اللہ تھے۔ انھوں نے خاص توجہ سے آپ کی ابتدائی تربیت کی۔

آپ کی پیدائش کا زمانہ 1855 سے 1860ء کے درمیانی عرصہ میں ہے اور وفات 1966ء میں ہوئی اس لحاظ سے آپ کی عمر شریف 110 سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔ واللہ اعلم۔

1857ء کی جنگ آزادی کے دوران ہزارہ میں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان کئی مقامات پر لڑائیاں ہوئیں۔ کئی سال تک شدید کشیدگی رہی تو حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی سید مرید حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بالا کوٹ ہزارہ سے ہجرت کر کے ریاست کشمیر چلے آئے۔

موضع لاہ شریف راجوری میں رہائش اختیار کی۔ آپ کی برادری کے بعض خاندان بمقام پمبروٹ علاقہ سرہن تحصیل مینڈھر میں آباد ہوئے اور بعض نے تحصیل مہنڈر کے موضع کسانہ میں رہائش اختیار کی راجوری میں موضع دوداسن اور دیگر علاقوں میں بھی آپ کی برادری کے لوگ آباد ہوئے۔

حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت پیر مخدوم شاہ صاحب ایک جید عالم دین صاحب طریقت بزرگ اور قرآن کے بہترین قاری تھے اور چھوٹے بھائی حضرت پیر سید سلیمان شاہ نہایت شہ زور اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ 1947-48ء کی جدوجہد آزادی کے دوران لڑتے ہوئے شہید ہوئے آپ کا مزار موضع عظمت آباد تھنہ تحصیل راجوری میں ہے۔ مزار کی تعمیر آپ کے صاحبزادگان حاجی مہر علی شاہ مرحوم اور حاجی سید فدا حسین راجوری حال شمالی محلہ جہلم نے کروائی جوویزہ پد کشمیر گئے تھے۔

حضرت حاجی بابا سید نوران شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین شادیاں کیں جن سے آپ کے آٹھ فرزند اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

صاحبزادگان میں حاجی مولوی محمد حبیب اللہ شاہ رحمہ اللہ ریاست جموں کشمیر میں جدوجہد آزادی کشمیر کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ پرجوش مقرر اور ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ 1931ء کی جدوجہد میں راجوری، گول ریاسی میں آپ نے ڈوگرہ کے خلاف اور عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک میں انتہائی نمایاں کردار ادا کیا۔ حکومت آزاد کشمیر سے گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ آپ نے قریباً سو سال عمر پائی۔ آپ کا مزار موضع بانیاں چھمب افتخار آباد میں ہے۔ اپنے دور کے شعلہ بیان مقرر تھے۔ حضرت مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور مولانا محمد علی جوہر کے ساتھیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

صاحبزادہ سید سلین شاہ صاحب فقیر منش اور خدایا ہیں۔ اپنے والد محترم کی شکل و صورت اور انہی کا گویا ایک نشان ہیں۔ سرائے عالمگیر ضلع گجرات میں اسی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ جہاں حضرت حاجی بابا رحمہ اللہ ہجرت کے بعد آکر قیام پذیر ہوئے۔

حاجی سید امیر حیدر شاہ صاحب مرحوم ایک جید عالم دین سادہ طبیعت نیک سیرت انسان تھے ماہر حکیم تھے بمقام سادر ضلع کوٹلی آزاد کشمیر میں رہائش پذیر رہے بہتر تہتر سال کی عمر میں وفات پائی اور نور پور سیدان میں مدفون ہوئے۔ الحاج سید محمد عبد اللہ شاہ آزاد حضرت حاجی بابا رحمہ اللہ کے جانشین تھے۔ عاشق رسول اور سخاوت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ہمیشہ دسترخوان وسیع رہتا۔ جدوجہد آزادی کشمیر میں انتہائی نمایاں کردار ادا کیا۔ رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس کے انتہائی بااعتماد ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ 1947ء میں راجوری کی جنگی کونسل کے رکن مقرر ہوئے تحریک آزادی کشمیر کے گولڈ میڈلسٹ تھے۔

حضرت میاں نظام الدین لاروی رحمہ اللہ کے داماد تھے۔ بلاشبہ تحریک آزادی کشمیر میں بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ آزاد کشمیر کے وزیر تعلیم رہے۔ سوہاؤہ کے قریب جانب گوجر خان نور پور سیدان کے نام سے بستی کی بنیاد رکھی۔ جہاں آج جنگل میں منگل ہے۔ یہ حضرت آزاد صاحب مرحوم کی کرامت ہے۔ 5 فروری 1979ء کو نماز مغرب ادا کرنے کے بعد دل کا دورہ پڑنے پر انتقال ہوا اور حضرت حاجی بابا رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کئے گئے اور ان کے صاحبزادے سید شوکت علی شاہ کو ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔

حاجی سید محمد شاہ عمر ۶۵ - ۶۶ سال کے قریب ہے۔ اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ حضرت حاجی بابا رحمہ اللہ کی نظر عنایت کی بنا پر اردو، فارسی عربی، پشتو پر ایسا عبور رکھتے ہیں اسلامی علوم پر تبصرہ اور تقریر کے وقت جید علماء کو لا

جواب کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔

سید بنید شاہ مرحوم تخلص نسیم حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک بلند اخلاق صاحب کردار انتہائی درد دل رکھنے والے انسان تھے۔ اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ 1950ء میں تصویر کشمیر کے نام سے ایک منظوم کتاب لکھی جس میں جدوجہد آزادی کشمیر کی مکمل تصویر تھی۔ عشق رسول ﷺ میں سرشار رہتے تھے۔

سید نذیر احمد شاہ حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آج کل پمبروٹ علاقہ سرہن، میں قیام پذیر ہیں، ریاست جموں و کشمیر کے معروف روحانی بزرگ حضرت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے داماد ہیں۔

حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی سید آغا حسین معنوم کی والدہ، ان سے چھوٹی غلام قادر شاہ آف بانہیل چھمب افتخار آباد کی والدہ، تیسری صاحبزادی حاجی سید یعقوب شاہ سوہاؤہ کی اہلیہ تھیں انہیں بھی حج بیت اللہ کا شرف حاصل تھا۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی حاجی مہر علی شاہ مرحوم نور پور سیداں سوہاؤہ کی اہلیہ ہیں جنہوں نے حج کی سعادت بھی حاصل کر لی ہے۔

حضرت حاجی بابا کا خاندان روحانیت اور دینی علوم کا گہوارہ تھا اور خاندانی اثر کوٹ کوٹ کر آپ کے دل و دماغ میں بھرا ہوا تھا۔ بچپن ہی سے یاد الہی میں مصروف رہتے یہی شوق حج بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی حاضری پر لے گیا۔

اس زمانہ میں مکہ مکرمہ پر اردن کے شاہ حسین کے پرداد حکمران تھے۔ 1914ء کی جنگ عظیم سے قبل کایہ عجیب واقعہ ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ راجوری (کشمیر) سے اس دور میں پیدل سفر حج پر روانگی، کون اس پر یقین کر سکتا ہے کہ جب سرزمین تک نہ تھیں۔ مگر اللہ کایہ ولی دربار رسالت سے بلاوا پر ایسے روانہ ہوا کہ گرد و پیش سے قطعی بے نیاز، نذاد راہ میسر، نہ کوئی ننگی ساتھی، فقط اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ تھا۔

حج کے اس سفر کے دوران بے پناہ تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا ہوا۔ اس لئے کہ کہاں کشمیر اور کہاں سرزمین بیت اللہ شریف اور پھر مدینہ پاک کی گلیاں۔ شوق آپ کو کشاں کشاں لے گیا اور اٹھارہ ماہ کے بعد یہ سفر سعادت طے کر کے حج بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی حاضری کے بعد واپس وطن تشریف لائے گھر والے اچانک ایک مدت کے بعد آپ کو زندہ و سلامت دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔

حج بیت اللہ شریف کا یہ سفر انتہائی مشکلات اور آزمائشوں کا مجموعہ تھا۔ اس سفر کے بعد دل میں مرشد کی تلاش کا جذبہ موجزن ہوا۔ دوران حج ہی اپنے مرشد کامل سے ملنے کا اشارہ مل چکا تھا۔ ارکان حج کی ادائیگی کے دوران ایک نورانی چہرہ والے بزرگ ساتھ نظر آئے علیک سلیک کے بعد تعارفاً وہ بزرگ ہستی یوں گویا ہوئی۔

”اگر ہم سے ملنے کی خواہش ہوئی تو کشمیر کے پہاڑوں کے پیچھے تلاش کرنا“

اور پہچان کی خاطر اپنا عمامہ مبارک دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تو چہرہ مبارک پر ایک زخم کا نشان نورانی لائیں مارتا ہوا نظر آیا پھر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔

حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام خاندان، کنبہ اور برادری سمیت موسم گرما گزارنے مشہور وادی کا ترکھل تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ حج کے بعد جب آپ کشمیر کی ڈھوکوں میں تشریف لے گئے تو آپ کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا۔ لوگ عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کیلئے آنے لگے مگر آپ کے دل میں اپنے پیر کامل سے ملنے کا شوق موہیں مار رہا تھا۔ چنانچہ آپ اس غرض سے اپنے سفر پر چل پڑے۔

آپ کے ساتھ آپ کی برادری کے ایک انتہائی پارسا درویش خدامت حضرت لطیف شاہ صاحب عرف بڑا بابا بھی تھے جن کی بیعت حضرت قاضی صاحب اعوان شریف ضلع گجرات سے تھی۔ وہ آپ کو اس غرض سے اعوان شریف لارہے تھے۔ راستے میں بھمبر کے مقام پر ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان سے دو دائرے اتر رہے ہیں ایک بڑا ایک چھوٹا، تھوڑی دیر میں بڑے دائرے نے آپ کو اپنے دامن میں لپیٹ لیا اور خواب میں ہی آواز آئی۔

جاؤ ننن کے پیر سے ملو

ننن کنگن کا دوسرا نام ہے۔ یہی وہ خوش بخت مقام ہے جہاں لار شریف میں حضرت خواجہ خواجگان جی صاحب لاروی رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں زیب آستانہ تھے۔ خواب سے بیدار ہوئے اعوان شریف پہنچے تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا آپ کا فیض کشمیر کے پہاڑوں میں ہے اسلئے واپس جائیے۔

یہ بعینہ ایسا واقعہ ہے جیسے حضرت خواجہ نظام الدین کیانوی رحمۃ اللہ علیہ تلاش مرشد میں گھنٹلا شریف پہنچے تھے تو آپ کو ماگم شریف جانے کا اشارہ ملا تھا۔

حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لائے اور چند دنوں بعد پھر اپنے راستہ پر چل پڑے اور چلتے چلتے لار



شریف پہنچے۔ رات مسجد میں ہی قیام کیا۔ حضرت جی صاحب کا یہ معمول تھا کہ ملاقات صبح و ظائف سے فارغ ہو کر آنے والوں سے کرتے۔

حضرت حاجی بابا نے دوسرے دن صبح تک انتظار کیا اور بھی ملاقاتی تھے۔ لیکن جب صبح سویرے حضرت جی صاحب تشریف لائے تو پہلے اور لوگوں سے ملنا شروع کر دیا۔ اس پر ان کے دل میں یہ خیال آیا: ”میں سید بھی ہوں حج بھی کر کے آیا ہوں، عالم دین بھی ہوں، مجھے اتنا انتظار نہ کرانا چاہیے تھا۔“

اسی اثنا میں حضرت تشریف لائے تو وہی خوشبو جو دوران حج نصیب ہوئی تھی ان کی آنکھوں اور دل و دماغ پر چھا گئی۔

حضرت جی صاحب نے فرمایا:

”آپ سید بھی ہیں، حاجی بھی ہیں اور عالم بھی ہیں آپ کو تاخیر ہو گئی مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تاخیر اس بنا پر ہوئی کہ ’راجھا بیردیار چروکناں سی‘“

فرمایا کب کا انتظار تھا۔ حضرت جی صاحب نے سفر کے حالات دریافت فرمائے اور ساتھ ہی اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا عمامہ اوپر کیا اور انھیں ان کے نورانی ماتھا پر وہی زخم نظر آیا جو دوران حج آپ دیکھ چکے تھے حالانکہ حضرت جی صاحب نے ظاہری حج نہ کیا تھا۔ یہ اللہ کے ولی کی زندہ کرامت ہے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت حاجی بابا پھر لاشریف تشریف لے گئے اور حضرت جی صاحب سے ملاقات کی۔ حضرت جی صاحب اپنے پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ حاجی بابا نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ تب حضرت جی صاحب اٹھے ہاتھ سے پکڑ کر پلنگ پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ وہاں حضرت جی صاحب کے ملنے والوں کا بڑا مجمع یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ اجنبی کون ہے جس پر آپ اتنے مہربان ہیں۔

حضرت جی صاحب نے اپنے ساتھ بٹھا کر گلے سے لگایا اور فرمایا آپ نیچے کیوں بیٹھے جبکہ آپ سید ہیں اور پھر حاجی بھی، یہاں بیٹھیں۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نہ گوئید بعد ازیں من دیگرم تو دیگر

بیعت کے بعد غرقہ خلافت بھی عطا فرمایا اور وہ تاج خلافت سر پر رکھا جو آپ کو دوران خلافت حضرت خواجہ

نظام الدین کیا نوی رحمۃ اللہ علیہ (کیان والی سرکار کنڈل شاہی) سے ملا تھا۔ فرمایا آئندہ میری بیعت حاجی کی بیعت اور حاجی کی بیعت میری بیعت ہوگی۔ فرمایا آج حاجی کو مست پیالہ پلائیں گے گھی کا پیالہ منگوا یا۔ اس میں کچھ ڈالا درحقیقت یہ روحانیت اور طریقت کا مرکب پیالہ تھا۔ اس کے ساتھ مرید کامل کو مرشد سالک نے سینہ سے لگایا اور پڑھنا شروع کیا۔ اللہ اللہ پھر کیا تھا محفل اللہ کے ذکر سے جھوم اٹھی یہ وظیفہ ختم نہ ہو پایا تھا کہ پھر اللہ اللہ کی آوازوں نے فضا کو پر نور بنا دیا۔ اکثر خوش نصیب لوگ دربار اولیاء میں مدتوں حاضری دے کر کچھ حاصل کر پاتے ہیں۔ خود حضرت جی صاحب لاروی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سرکار موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ دس بارہ سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے مگر حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ نے دو ملاقاتوں کے دوران چند گھنٹوں کی محفل میں رشد و ہدایت اور روحانیت کا وہ فیض حاصل کر لیا جس کے نور معرفت نے پون صدی تک بندگان خدا کی تشنگی اور پیاس بجھائی اور اسی فیض نورانی سے جھلان، گول گلاب، گڑھ ریاسی کشمیر کی بنجر سرزمین سیراب ہوئی اور حضرت میاں محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ جیسے یکتائے روزگار بزرگ پیدا ہوئے۔ جن سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔

حاجی نوران شاہ نورانی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی نورانی بھٹی سے حضرت الحاج سید محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کنڈن بن کر نکلے جو آسمان ولایت و معرفت کے کامل نمونہ تھے۔ شان جلالی اور وصف حیدری کے ساتھ ان کی کرامات اور فیض نے کالو چک تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں بے شمار دلوں کو نور معرفت سے منور کیا۔ آپ حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے اس چشمہ فیض نے حضرت صوفی سید حاکم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جیسے صوفی باصفا پیدا کئے جو زاہد شب بیدار اور ہمیشہ یاد خدا میں دل پر اللہ اللہ کا نقش پیدا کرتے اللہ کو پیارے ہوئے۔ یہ حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے تھے ان کا مزارسد وال تحصیل ضلع چکوال میں ہے ان کو ذکر رومی حاصل تھا۔ ریاست جموں و کشمیر کے معروف اور کامل بزرگ حضرت مولوی حبیب اللہ شاہ بخاری پمبروٹ تحصیل مینڈھر کے فرزند حضرت پیر جماعت علی شاہ جو پندرہ سال تک کشمیر اسمبلی کے ممبر رہے ان کو بھی حضرت حاجی بابا سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے برادر نسبتی بھی تھے پاکستان کا حامی ہونے کی بنا پر کچی بارزیر عتاب آئے۔ پھاگلہ تحصیل مینڈھر میں حضرت سید حسن شاہ صاحب حضرت حاجی بابا کے محبوب خلفاء میں سے صاحب کشف و کرامات تھے۔ دوران حج انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حاجی سید امیر شاہ صاحب المعروف استاد جی علیہ الرحمۃ عالم باعمل درویش خدا مست بزرگ تھے۔ راجوری

میں سادات برادری کے اُستاد گل تھے۔ کبھی غصہ ان کے چہرے پر نہ آیا۔ یاد الہی کے اعلیٰ معیار کے ساتھ سادگی ان کی زندگی کا خاتمہ تھی۔ نور پور سیداں میں ایک موٹر سائیکل سوار کی ٹکر سے فوت ہوئے اور نور پور سیداں میں جامع مسجد کے صحن کے ایک کونے میں مدفون ہیں۔

ان کے علاوہ درویش غلام محمد موضع مانی بانڈی پور کشمیر سنگرو میں تحصیل پلوامہ کے میاں محمد دین، کالوچک ضلع گجرات کے حافظ امام دین، پیر حاجی سید مہر علی شاہ صاحب پمبروٹی حال مدفون برموچ ضلع کوٹلی، پیر حاجی سید حسین شاہ صاحب پمبروٹی حال مدفون منڈی ضلع کوٹلی، مولوی سید رسول شاہ ڈڈان تحصیل راجوری جو بلند پایا عالم دین تھے۔ سید محمد یاسین شاہ ولد سید برہان شاہ صاحب برموچ ضلع کوٹلی، مولوی مہر الدین قمر راجوری مرحوم، سید ولایت شاہ صاحب مرحوم مدفون جہلم (سید آغا حسین معصوم کے والد) جو حضرت حاجی بابا کے حقیقی بھانجے اور داماد تھے۔ ان کو بھی حضرت حاجی بابا سے خلافت اور بیعت کا شرف حاصل تھا۔ قرآن پاک کے بہترین قاری اور زاہد شب بیدار تھے۔

سید وہاب الدین شاہ ظفر مدفون راول ڈیم، حاجی محمد انور شاہ صاحب ولد پیر سید مخدوم شاہ صاحب، حاجی بہادر شاہ صاحب ولد پیر مخدوم شاہ صاحب راجوری، مولوی محمد خلیل صاحب گول، میاں حبیب صاحب تھرو، میاں جمال مخدوم شاہ صاحب ہنڈ، میاں حبیب صاحب پہنڈ، میاں عبداللہ صاحب کالس پہنڈ، میاں فقیر صاحب ہنڈ، مولوی فقیر شاہ صاحب عیش مقام کچلو، میاں محمد سلطان صاحب کچلو، سید گلزار شاہ صاحب چکوال، چوہدری محمد عبداللہ صاحب اور سابق وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کے بھائی سید قمر الدین صاحب حاجی محمد انور شاہ صاحب ولد حاجی سید امیر شاہ صاحب نور پور سیداں سوہاؤہ کو بھی حضرت حاجی بابا نے خلافت حاصل تھی ان کے علاوہ ہزاروں خوش قسمت حضرت حاجی بابا رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوئے۔ گول گلاب گڑھ کے علاقہ میں بے شمار خوش نصیبوں نے حضرت حاجی بابا سے فیض حاصل کیا۔

## حضرت الحاج پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

قادری نقشبندی سہروردی چشتی مجددی حنفی راجپوری

ولادت: 1912ء راجپوری کشمیر وصال: 21 اکتوبر 1987ء

مزار: کالوچک شریف۔ گجرات

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

افتم پپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را

کہ دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است

آپ 1912ء کو راجپوری شریف مقبوضہ کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ تقسیم کے وقت آپ کے خاندان کے بیشتر لوگ ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔

آپ نے تحصیل سرائے عالمگیر کے ایک موضع بھوانج شریف میں قیام فرمایا اور پھر موضع نزوال شریف کو اپنا مسکن بنالیا۔ بعد ازاں آپ کوٹلہ لکوالی کے نزدیک ایک بستی کالوچک شریف لے گئے۔ اور اسے تبلیغ اسلام، رشد و ہدایت اور روحانیت کیلئے پسند فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کالوچک میں دینی درسگاہ بھی قائم فرمائی جو آج بھی منبع نور و علم ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت یاد الہی میں مشغول اور جذبہ عشق رسول ﷺ سے سرشار رہتے۔ آپ خود نماز پنجگانہ ادا فرماتے اور دوسروں کو اس کی تلقین فرماتے۔

آپ کو اپنی حیات اطہر میں کم و بیش تیرہ مرتبہ روضہ رسول اکرم ﷺ اور حرم پاک کی زیارت کا شرف حاصل

ہوا۔

آپ عوام میں ” حاجی صاحب “ کے لقب سے معروف تھے۔

آپ اسلام اور اہلبیان اسلام سے محبت رکھتے تھے اور نہایت اعلیٰ درجے کے مہمان نواز اور سخی تھے۔ آپ کسی سائل کو خالی یا مایوس نہیں لوٹاتے تھے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست  
بہ تسبیح سجادہ و دلق نیست

آپ اپنوں اور غیروں سب پر شفقت فرماتے تھے اور سادات کا بے حد احترام فرماتے۔

جو شخص بھی آپ سے ملنے آتا آپ اسے پابندی صلوٰۃ کی تلقین فرماتے۔ آپ ﷺ نے ساری حیات اطہر اپنے بدن مبارک پر سفید جبہ زیب تن فرمایا۔ آپ ﷺ جب بھی مریدین سے ملنے تشریف لے جاتے تو مساجد میں قیام فرماتے تھے اور کسی مرید کے گھر نہ فرماتے۔ آپ ایسی خاتون کے ہاتھ کا کھانا بھی پسند نہیں فرماتے تھے جو تارک نماز ہو۔

آپ شیخ قطب عالم حضرت الحاج نوران شاہ ﷺ سوہاؤہ کے دست بیعت تھے۔ حضرت الحاج نوران شاہ ﷺ کے مرشد شیخ عبید اللہ لاروی ﷺ تھے۔

آپ کے بارے میں ترجمان اہل بیت اور راقم کے ہمدردیرینہ سید یعقوب حیدری کاظمی اپنی تصنیف لطیف ’انوار محمدی‘ میں لکھتے ہیں:

”حضرت قبلہ عالم کی ولادت باسعادت مورخہ یکم جون 1912ء کو بمقام لاہ شریف تحصیل راجوری ضلع ریاست جموں کشمیر کاظمی سادات کے علم دوست اور اہل عرفان گھرانے میں ہوئی۔ سادات کاظمیہ کا یہ قبیلہ اس وقت وارد جموں و کشمیر ہوا۔ جب ریاست پونچھ میں راجہ موتی سنگھ حکمران تھا۔ اس قبیلہ کے جد اعلیٰ حضرت قبلہ سید شاہ جنید ﷺ علیٰ اباسہ اکرام حویلیاں سے چل کر بمقام کن چھتر ضلع مظفر آباد آباد ہوئے۔ حضرت ممدوح کامزار مقدس آج بھی مرجع خلائق ہے۔ حضرت سید شاہ جنید ﷺ کے نامور فرزند حضرت سید عبدالباقر شاہ ﷺ کی نسل کثیر الافراد ہوئی۔ پونچھ کے علاقہ سہسرن میں مواضع پمروٹ ولسانہ کے علاوہ علاقہ منڈی کے موضع ساتھہ میں آباد ہوئی۔ سادات کاظمیہ کی ان تمام شاخوں کے مورث اعلیٰ حضرت عبدالکریم ﷺ پنجاب کے معروف ترین گاؤں موضع سید کسراں تحصیل گوجران میں سندھ سے آ کر تشریف فرما ہوئے۔“

آپ نے 21 اکتوبر 1987ء (27 صفر المظفر 1408ھ) کو بروز بدھ کھاریاں کے ملٹری ہسپتال میں وصال فرمایا۔

آپ کا شاندار اور خوبصورت مزار کالوچک شریف کی خوبصورت آبادی میں ہے۔ آپ کے مزار کے ساتھ ہی مسجد بھی واقع ہے۔ علاوہ ازیں شاہ عبدالحجیدؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے مزارات بھی آپ ﷺ کے مزار کے ساتھ واقع ہیں۔ آپ کے مریدین کثرت سے مزار پر انوار پر حاضری دیتے ہیں اور آپ کے وصال کا غم محسوس کرتے ہیں۔

## حضرت امام بری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1617ء وصال: 1656ء

مزار: نور پور شاہاں - اسلام آباد

حضرت بری امام 1617ء بمطابق 1026ھ موضع جولیاں کرمال ضلع جہلم میں سید محمود شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ آپ کے مرشد شاہ امیر بالا بن حضرت محکم الدین شاہ محمد مقیم المعروف حجرہ شاہ مقیم ہیں۔

{ تذکرہ اولیائے پٹھوہار، مقصود احمد رانی، فائوٹا ریپلی کیشنز اور لپنڈی مطبوعہ ستمبر 2009ء }

آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ آپارہ کے پاس موضع باغ کلاں میں آباد ہوئے۔ آپ نے غور غشی ضلع کیمبل پور جو اس وقت ایک دینی مرکز تھا سے قرآن، تفسیر، حدیث، منطق اور ریاضی کی تعلیم حاصل فرمائی۔

تحصیل علم کے بعد آپ نے کشمیر، بدخشاں، مشہد، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ، بغداد، بخارا اور دمشق کی سیاحت فرمائی۔ اس کے بعد آپ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل فرمائی۔

{ تذکرہ اولیائے جہلم، انجم سلطان شہباز مطبوعہ بک کارز جہلم }

حضرت بری امام سرکار شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حیات المیر رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی۔ جو حضرت شیخ القادر جیلانی کے پوتے تھے۔

{ تذکرہ اولیائے جہلم، انجم سلطان شہباز مطبوعہ بک کارز جہلم }

حالت جذب سے قبل آپ چور پور میں مقیم تھے۔ جو بعد میں آپ کے ذات پر نور کے فیض سے نور پور کے نام سے موسوم ہو گیا۔

آپ نے یہاں درس گاہیں قائم کیں۔ درس قرآن کا اعلیٰ اہتمام فرمایا۔ آپ کا وعظ ایسا دل نشین ہوتا تھا کہ لوگ دور دور سے آپ کا وعظ سننے کیلئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے درس گاہوں میں کھانے پینے اور مہمانوں کی تواضع کا نہایت اعلیٰ انتظام بھی فرمایا ہوا تھا۔ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کیلئے آپ ضلع دھیر کوٹ بھی تشریف لے گئے۔ جہاں سنی قوم کے بے شمار افراد نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا۔ اسی دوران قوم تہوڑ آپ کے خلاف ہونگی اور اس

کاسر دار ہزاروں آدمیوں کے ساتھ خلافت صفت آرا ہو گیا۔ مگر اسی دوران قوم تہوڑ کا ایک بااثر آدمی آپ کے پاس آ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اس کی وجہ سے دیگر بہت سے افراد بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ نے سستی قوم کی جمعیت کے ساتھ قوم تہوڑ سے نبرد آزمائی کی اور انہیں شکست فاش دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کو سمجھنے کیلئے علوم ظاہری و باطنی بہت ضروری ہیں۔ جب آپ جنگل میں تھے آپ کے والد آپ کا واپس باغ کلاں لیگئے مگر آپ کا دل نہ لگا آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت چاہی اور فرمایا کہ میں وہیں جا رہا ہوں جہاں میں نے ’نور پور‘ پایا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ امر ہو گئے اور یہ مقام نور پور شاہاں کے نام سے مشہور و معروف ہو گیا۔ آپ نے نور پور میں واقع ایک وسیع اور بڑے غار میں چلہ کشی کی۔ اسی دوران آپ کے پیرو مرشد جناب حیات المیرہ رحمہ اللہ غار کے دہانے کے سامنے تشریف لائے اور آپ کو مبارک باد دی اور فرمایا آج بہت مبارک دن ہے آج سے تم بڑی امام (حق کی) کے امام (ہو)۔

{ تذکرہ اولیائے جہلم، انجم سلطان شہباز مطبوعہ بک کاز جہلم }

جب گنگوڑ سے آپ کی جی بھر گیا تو آپ لال بھوتو تشریف لے گئے اور عباد و وریانت اور چلہ کشی میں مشغول رہے۔

شاہ جہان نے کسی وجہ سے شہزاد عالمگیر کو آپ کی گرفتاری کیلئے بھیجا۔ جب شہزادہ یہاں پہنچا تو آپ تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے۔ آپ قطعاً خائف نہ ہوئے۔ شہزادہ آپ سے متاثر ہوا۔ شہزادے نے آپ سے دعا کی درخواست کی اور کہا کہ میری دعائیں کیوں پوری نہیں ہوتیں۔ آپ نے اسے مستقبل میں حکمران بننے کی نوید سنائی اور فرمایا کہ رزق حلال کماؤ ہر دعا پوری ہوگی۔ اس نے لنگر کیلئے اپنے تعاون کی پیش کش کی۔ مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ آپ نے ضلع ہزارہ کے سردار سید نور محمد کی دختر نیک اختر بی بی دامن خاتون سے عقد فرمایا۔ آپ کو اللہ نے ایک صاحبزادی دی جو کچھ عرصہ بعد وفات پا گئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کی اہلیہ محترمہ بھی اس دار فانی سے کوچ فرما گئیں۔ آپ نے اس کے بعد دوبارہ عقد نہ فرمایا۔



آپ نے زندگی کا ایک حصہ عالم سلوک میں سالک کی حیثیت سے اور ایک حصہ عالم جذب میں مجذوب کی صورت میں بسر کیا۔ آپ نے پوٹھوہار میں تصوف و روحانیت کی ایک لازوال روشن کی۔ آپ نے نور پور شاہاں میں وصال فرمایا اور وہیں آپ کی تدفین ہوئی۔

## حضرت خواجہ قاسم صادق موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1847ء؟ وصال: 1943ء

مزار: موہڑہ شریف۔ مری

آپ کیان (ایران) میں سلطان جیون خان کے ہاں پیدا ہوئے۔

موہڑہ شریف (مری) کا چھوٹا سا گاؤں نقشبندیہ مجددیہ قاسمیہ سلسلے کا عظیم مرکز ہے۔ اس مرکز کی بنیاد حضرت

خواجہ محمد قاسم صادق (1263ھ) نے رکھی تھی۔ آپ کے بزرگ ایران سے آکر راولپنڈی میں آباد ہوئے۔ آپ نے

20 نومبر 1943ء کو وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے پیر محمد زاہد خان ” پیر خان صاحب “ اور پیر ندیر احمد نے سلسلہ کو فروغ دیا۔ مئی اور نومبر میں موہڑہ شریف میں اعراس ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد قاسم صادق نے بیس برس کی عمر میں تکمیل علوم فرمائی اور اس کے بعد عبادت و ریاضت میں مگن ہو گئے۔ آپ نے مری کے علاقہ میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کے امام بن کر بچوں کو قرآنی تعلیم دینے لگے اور نمازیوں کو مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے۔ آپ کے دلنشین انداز نے سیکڑوں افراد کو اپنی جانب کھینچ لیا اور لوگ دور دراز مقامات سے آپ کے پاس آتے۔

جوانی میں آپ ایک نامی پہلوان تھے ایک بار ایک اکھاڑے سے کشتی کا مقابلہ جیت کر باہر آئے تو ایک بزرگ ولی نے فرمایا ”: اللہ نے آپ کا اس کام کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ آپ کو ایک عظیم مقصد کیلئے پیدا کیا ہے“۔ اسی لمحہ آپ نے پہلوانی کو خیر باد کہا اور روحانیت کے میدان میں آ گئے۔ آپ حضرت بابا فضل شاہ کلیامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے مگر انھوں نے بتایا کہ آپ کی بیعت کشمیر میں ہوگی۔ اس کے بعد آپ پیدل کنیاں شریف (وادی نیلم) تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی۔ انھوں نے منازل سلوک اور اسرار معرفت کی تکمیل کے بعد آپ کو خلافت عطا فرمائی اور موہڑہ شریف جانے کا حکم دیا جو اس دور میں ایک خطرناک جنگل تھا۔ آپ نے یہاں مستقل قیام فرمایا اور بہت سے غیر مسلم بھی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

حضرت خواجہ پیر کیو مرث بادشاہ کے جانشین حضرت پیر سلیم بادشاہ زاہدی بنے۔ ان کے برادر خورد پیر طارق بادشاہ زاہدی اور صاحبزادہ فیصل بادشاہ زاہدی (برطانیہ) بھی فروغ سلسلہ میں کوشاں ہیں۔ صاحبزادہ فیصل بادشاہ خواجہ پیر خان صاحب کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔

حضرت خواجہ پیر کیو مرث بادشاہ کے چھوٹے صاحبزادگان بلال بادشاہ اور عثمان بادشاہ بھی اپنے خاندان کے ساتھ علمی کاموں میں مشغول ہیں۔

حضرت پیر آفتاب احمد قاسمی کے صاحبزادگان حضرت پیر جہانزیب بادشاہ (سجادہ نشین)، حضرت پیر اورنگزیب بادشاہ قاسمی، حضرت ڈاکٹر پیر فیصل ایاز قاسمی، حضرت پیر رفعت محمود بھی دین اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں۔

حضرت پیر اولیاء بادشاہ فاروق کے صاحبزادے پیر فاروق بادشاہ بھی حضرت خواجہ قاسم صادق موہڑوی

ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانے میں مگن ہیں۔ ڈاکٹر پیر فضیل ایاز قاسمی نیویارک میں ہر سال میلاد شریف ریلی کی قیادت کرتے ہیں اور ہر سال داتا دربار لاہور میں ایک ریلی کا روانہ عشق رسول ﷺ نکالتے ہیں۔ حضرت پیر آفتاب احمد قاسمی نے ”انجمن مجملین طریقت موہڑہ شریف“ اور حضرت پیر اولیاء بادشاہ فاروق نے ”انجمن نصرت الاسلام“ کی بنیاد رکھی۔

حضرت خواجہ قاسم صادق موہڑوی ﷺ کے مریدین لاکھوں کی تعداد میں جبکہ خلفاء ہزاروں میں تھے جن میں سے 750 صاحب طریقت ہوئے۔ بھنگالی شریف، باغ درہ شریف (سالک آباد، حسن ابدال)، نیریاں شریف، کنارہ شریف (جہلم)، لکھن شریف (لاہور)، کوٹ گلہ شریف چکوال، گھمکول شریف (کوہاٹ)، تور شریف (ایبٹ آباد) اور کھیوا شریف میں آپ کے فیض روحانی کے چٹے جاری ہیں۔ آپ کے چند خلفاء کے نام:

پیر سید ایرانی شاہ ﷺ (حیدر آباد)، بابا فیروز دین ﷺ سنوٹی آزاد کشمیر، سید شاہ ہمدان ﷺ (دندہ شاہ بلاول)، خلیفہ عبدالمجید ﷺ (بھارت)، حاجی ملنگ بابا ﷺ (بھارت)، بابا غلام یاسین ﷺ (غانیوال)، پیر مزمل شاہ ﷺ سرگودھا، پیر ولایت شاہ ﷺ، پیر فضل حسین شاہ ﷺ (پورانہ سرائے عالمگیر)، حاجی رکن الدین ﷺ (13 برس خادم حرم شریف) سرگودھا، حکیم فضل کریم قاسمی ﷺ سرگودھا، مولانا غلام رسول ﷺ نور دی، پیر صاحب سوات (میدانک میدان، سائیں اللہ دتہ ﷺ ٹنڈا شریف بھمبر آزاد کشمیر، سائیں الت دین ﷺ آزاد کشمیر، سائیں فتح محمد ﷺ، خلیفہ یونس صاحب سری نگر، سائیں منگو آزاد کشمیر، حاجی غلام محمد ﷺ سرینگر آزاد کشمیر۔

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم بڑے بڑے جید علمائے کرام سے حاصل کی اور علوم شرعیہ میں آپ مرتبہ کمال پر فائز ہو گئے۔ آپ منکسر المزاج، حلیم الطبع، خوش مزاج اور خوش خلق تھے جو بھی فرد ایک بار آپ کا دیدار کر لیتا تھا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ کی عمر مقدسہ جب بیس بہاریں دیکھ چکی تو آپ کی ذات اقدس میں عشق الہی کا غلبہ طاری ہو گیا۔ جتنوے رہبر کامل میں آپ نے مختلف مقامات کی خاک چھانی اور آخر بغداد شریف پہنچے، دربار سیدنا غوث الاعظم ﷺ پر چلہ کشی فرمائی۔ آپ کو بشارت ملی کہ آپ کو ولایت کبریٰ کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لیکن فیوض کاملہ اور برکات کثیرہ کا خزینہ معمورہ آپ کو ہندوستان سے حاصل ہو گا لہذا آپ ملک ہند کا سفر اختیار فرمائیں۔ آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور کئی ماہ کے دشوار سفر کے بعد آپ حدود پنجاب میں داخل ہوئے۔ آپ نے متعدد اولیائے کرام کی خدمت میں حاضری دی

آپ یہاں تشریف لے جاتے اولیائے کرام آپ کی جلالت و مرتبت کو بھانپ جاتے اور کسی کو بھی دستگیری کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ تلاش بیمار کے بعد آپ راو پینڈی کے قریب کلیام شریف میں پہنچے یہاں ایک مجذوب ولی حضرت جناب فضل محمد صاحب کی شہنشاہی تھی جن کو میاں فضل کہا جاتا تھا۔ آپ عموماً جذب و سکر اور اکثر روزے کی حالت میں رہتے تھے۔ خواجہ قاسم کو بھانپ لیا اور اپنے پاس بٹھالیا مختصر سی گفتگو کے بعد آپ نے خدام سے کہا کہ کھانا لاؤ میرا بیٹا فاقے سے ہے۔ کھانا آگیا اور میاں فضل نے جو روزے سے تھے، اور کئی دنوں سے آپ نے کچھ نہ کھایا تھا، خواجہ محمد قاسم موہڑوی کے ساتھ مل کر کھانا شروع کر دیا تمام لوگ حیران ہو گئے کہ میاں صاحب نے روزہ توڑ کر کھانا کیوں تناول کرنا شروع کر دیا، خواجہ قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ شاہانہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے شاہانہ انداز میں تربیت پائی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ جناب میاں فضل صاحب کے ناخن بڑھے ہوئے ہیں، بال بھی بڑھے ہوئے ہیں، اور جسم بھی میلا چکیلا ہے، لہذا چند لقمے تناول فرما کر آپ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، دل میں خیال کیا کہ یہ شخص تو غیر متشرع ہے، اس کے پاس ٹھہرنا بیکار ہے، لہذا آپ وہاں سے اٹھ کر دور ایک کونے میں جا بیٹھے اور وہاں سے کسی اور جتو میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بھانپ گئے۔ اصلاح احوال کے بعد کشمیر کی طرف رہنمائی فرمائی۔

حضرت زندہ پیر آف گھمکول شریف حضرت خواجہ قاسم صادق موہڑوی کے مرید تھے۔ حضرت زندہ پیر 1912ء میں پیر غلام رسول کے گھر پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے طبیعت میں تنہائی پسندی کا رجحان تھا ذکر و فکر سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم خواندہ خراسان سے جنگل خیل آئے تھے اور یہیں کوہاٹ کینٹ سے شمالی جانب پشاور روڈ کے قریب آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ اس کے نزدیک ہی وہ چھوٹا سا کمرہ واقع ہے جہاں حضرت زندہ پیر عبادت کیا تھا۔ آپ حضرت امام علی الحق شہید کے مزار (سیالکوٹ) پر چلے کشتی کی۔ اس کے بعد موہڑہ شریف پہنچے تو حضرت خواجہ محمد صادق نے انہیں سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کیا۔ ان کی دستار بندی کی اور اپنی خلافت سے سرفراز کیا۔

حضرت زندہ پیر نے 1952ء میں پہلا حج ادا کیا۔ اس کے بعد 1968ء میں حج ادا کیا۔ 1971ء سے 1997ء تک اللہ کی خاص عنایت سے انہیں ہر سال فریضہ حج کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوئی۔ 3 ذوالحجہ 1419ھ بمطابق 22 مارچ 1999ء متاسی برس کی عمر میں آپ کا وصال ہو گیا۔

## حضرت خواجہ پیر محمد مبارک خان موہڑوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

وصال: 28 نومبر 1952ء مزار: بوڑا جنگل۔ دینہ۔ جہلم

خواجہ پیر محمد مبارک جناب خواجہ پیر نذیر احمد عرف ولی عہد رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے فرزند اور حضرت خواجہ محمد قاسم نقشبندی موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے پوتے تھے۔ آپ کی جب ولادت ہوئی تو آپ کے دادا جان حضرت بابا واجی نے اٹھا کر نام محمد مبارک خان رکھا اور ساتھ ہی دعا فرمائی کہ اے باری تعالیٰ مبارک خان رحمۃ اللہ علیہ کو مبارک ولی بنانا اور آپ کی دعاؤں کا صدقہ وہ ولی کامل ہی تھے اور بابا واجی کے عظیم اسلامی اور روحانی مشن سے ہزاروں انسانوں کے دلوں کو روحانی کیفیت کی لذتوں سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا پد کشش چہرہ ولایت کی تجلیوں سے روشن تھا اور دیکھنے والا دیکھتے ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

۱۹۴۹/۵۰ء میں آپ کی نسبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ جناب صوفی احمد دین نقشبندی موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر چک جمال تشریف لائے ہوئے تھے اور صوفی صاحب کے صاحبزادے جناب صوفی سلیم نے بھی آپ کی نسبت کا اعزاز پایا۔ جناب صوفی احمد دین صاحب بابا واجی کے لاڈلے اور مخصوص مریدین میں سے تھے اور جناب پیر مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو خاص لگاؤ تھا۔

جناب پیر محمد مبارک خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر جو حالات اور واقعات میں ہیں۔ میں عرض کر رہا ہوں جو کہ درج ذیل حضرات کے بیان کردہ ہیں جو کہ موہڑہ شریف کے ہر دلعزیز مریدین میں سے تھے:

جناب صوفی صاحب نقشبندی۔ جناب میاں محمد عاشق آف چک جمال

جناب مولانا نیاز علی قاسمی آف گڑھا۔ جناب مولانا غلام رسول آف بیگم ضلع گجرات

جناب صوفی امام دین آف موہڑہ روشن۔ جناب ماسٹر فقیر محمد آف میرا

جناب پیر عبد اللہ شاہ صاحب و پیر فضل حسین شاہ صاحب نمبر دار مریدین جناب پیر مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علاوہ ازیں جناب پیر آفتاب احمد نقشبندی فخر الاولیاء نے جناب پیر صاحب کے چالیسویں پر بیان فرمائے۔

جب پیر مبارک صاحب کی ولادت ہوئی تو بابا واجی نے نام رکھا اور دعا فرمائی اور اوپر بیان ہو چکا ہے کہ غوث

زمان کے مخصوص دعائیہ کلمات تھے۔ المختصر بابا واجی کی آپ پر مخصوص نگاہ تھی۔ جب آپ جوان ہوئے تو بابا واجی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو

اپنی زندگی کے آخری دم تک اس عظیم اعزاز سے بہرہ ور فرماتے رہے۔

جب بھی موہڑہ شریف عرس کے تیسرے دن دعا کا وقت ہوتا تو باواجی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے تحت آپ جُبرہ مبارک رسول ﷺ اٹھا کر باہر زیارت کیلئے لاتے تو پھر باواجی دعا فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ چالیس برس تک جاری رہا۔ ایک دفعہ آپ عرس کے دوران بیمار ہو گئے تو باواجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اعلان فرما دو کہ جب تک پیر مبارک رحمۃ اللہ علیہ صحت یاب ہو کر جُبرہ مبارک نہ اٹھائیں گے عرس جاری رہے گا۔ باواجی کا فرمان سن کر آپ کی صحت کی دعائیں شروع ہو گئیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی اور عرس شریف کے آخری دن آپ نے حسب معمول اس رسم پاک کو ادا فرمایا تو اس کے بعد باواجی رحمۃ اللہ علیہ نے اختتامیہ دعا فرمائی اور مریدین اور خلفاء عظام کو روانگی کی اجازت ملی۔ باواجی نے رحمۃ اللہ علیہ مزید عرس پر ارشاد فرمایا کہ جس کا ہاتھ مبارک کے ہاتھ میں ہے اور جس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اس کا ہاتھ رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔

ایک دفعہ آپ بنگلہ ضلع گجرات تشریف لے گئے تو وہاں پر جب آپ کے حسن و جمال کو پریتم نگھ نے دیکھا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جب بنگلہ میں آپ نے چند روز قیام فرمایا اور موہڑہ شریف واپسی کا پروگرام بنایا تو ایک آدمی نے جو موہڑہ شریف کا بیعت نہ تھا کہا کہ پیر صاحب سکھوں سے ڈرتے ہیں اور سنت ابراہیمی کے تارک ہیں اور قربانی نہیں کرتے۔ چونکہ مسلمان مفلس اور نادار ہیں اور سکھوں کے مقروض تھے اور ان کے زیر سایہ تھے۔ یہ سن کر آپ نے روانگی ترک کر دی اور باواجی کو پیغام ارسال کر دیا کہ میں عید بنگلہ ہی کر کے آؤں گا۔ آپ نے خود ہی گائے قربانی کیلئے خرید لی اور بروز عید سب مسلمانوں کو بلوایا اور وہ گھبرائے ہوئے آئے کہ کوئی حادثہ نہ ہو جائے تو ہم باواجی کو کیا منہ دکھلائیں گے۔ انھوں نے آپ کو روکنا چاہا مگر آپ نے کہا کہ نہیں جان جا سکتی ہے تو جائے مگر میں سنت ابراہیمی ﷺ کو زندہ کر کے جاؤں گا۔ آپ نے خود ہی چھری لے کر گائے ذبح کی اور لوگوں کو کہا چمڑہ اتار دو گوشت بناؤ۔ پھر آپ نے سب کو گوشت تقسیم کیا اور عید کے بعد تین چار روز ٹھہرے کہ اس کے بعد کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا اور خوف وغیرہ جاتا رہا۔ یہ واقعہ مولانا غلام رسول صاحب بنگلہ والے نے بیان کیا تھا۔

آپ سیرت مصطفوی ﷺ کا کامل نمونہ تھے اور خاص و عام سے بڑی محبت و الفت سے پیش آتے تھے۔ آپ الفقیر فقیری کے کامل راہبر تھے۔ جناب پیر صاحب گھمگول شریف آپ کے ہم زلف تھے۔ آپ نے جناب پیر گھمگول شریف کو ہمراہ لے کر باواجی کے دربار عالیہ میں پیش ہو کر دست بستہ کھڑے ہو گئے تو باواجی نے جناب پیر محمد

مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

”بیٹا! کیسے آئے ہو؟“

تو آپ نے عرض گزار ہوئے:

”غوث شاہ صاحب میرے رشتہ دار ہیں ان کو بیعت فرمائیں اور اپنی خصوصی نگاہ کرم سے مستفید فرمائیں۔“  
یہ وہی زندہ پیر صاحب آف کھمگول شریف ہیں جن کا شہرہ دنیا کے کونے کونے میں ہے۔ بوڑا جنگل کی بستی کا نصیبہ دیکھو کہ جس کو ایک ولی کامل نے سبز زمین موہڑہ شریف سے تشریف لا کر روحانی فیضان کا مرکز بنایا۔ جناب پیر خواجہ محمد مبارک خان رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 28 نومبر 1952 کو بروز جمعہ ہوا اور آپ کا مزار شریف بوڑا جنگل میں آج فیضان کا مرکز ہے اور اب اس دربار عالیہ کے سجادہ نشین جناب پیر فرزند یر موہڑوی ہیں۔

\* تشریف: صوفی محمد شفیع حقیقت، چک جمال۔ جہلم

## حضرت پیر کرم شاہ ”پیر کھارا“ رحمۃ اللہ علیہ

پیر کھارا۔ پنڈ داد خان

آپ بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم متداولہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تھوڑے عرصہ میں فارغ التحصیل ہو گئے اس کے بعد اپنے چچا محترم حضرت شاہ جمال نوری قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ قائم اللیل اور صائم بالنہار تھے۔ کہتے ہیں حضرت نے صرف ایک دن روزہ افطار فرمایا جس کی تفصیل یہ ہے کہ پیر محکم الدین آف کرولی نے جنگل کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ ایک دن کسی زمیندار کی بکریاں وہاں چرتی ہوئی پکڑی گئیں اور پیر محکم الدین شاہ صاحب نے اس پر دو سو روپے تاوان لگا دیا وہ زمیندار حضرت کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی دلجوئی کیلئے روزہ کے باوجود کرولی کا سفر کیا۔ پیر محکم الدین صاحب کو اطلاع ہوئی تو گھبرا کر استقبال کو دوڑے اور عرض کیا حضور نے اس معمولی کام کیلئے کیوں تکلیف فرمائی۔ انھوں نے زمیندار کا تاوان معاف کر دیا اور حضرت سے معذرت قبول کرنے کی درخواست کی حضرت نے پیر صاحب کی دلجوئی کیلئے روزہ افطار فرمالیا۔ حضرت کی جو دو سنا کا یہ عالم تھا کہ سردیوں میں ایک مکان کھلوں اور جوتیوں کا بھر لیتے اور جو مسکین اور نادار حاضر ہوتا اسے ایک کھل اور جوتوں کی جوڑی عطا فرماتے۔ لنگر خانہ پر خاص توجہ فرماتے۔ عشاء کی نماز سے پہلے دریافت

فرماتے کہ کوئی مسافر بھوکا تو نہیں۔ کوہستان نمک کے دامن میں مستقل قیام فرمایا جو ”پیر کھارا“ کے نام سے معروف ہے۔ آپ کے ہم عصر فقراء میں حضرت پیر قاضی عبدالکلیم رحمۃ اللہ علیہ ڈھاب والوں کا نام میسر آ سکا ہے جن کے آپ کے ساتھ انتہائی قریبی، مذہبی و روحانی تعلقات تاحیات قائم رہے۔ آپ کی دوستی کا مفصل ذکر کتاب ”سوانح حیات اعلیٰ“ حضرت قاضی عبدالکلیم رحمۃ اللہ علیہ میں ملتا ہے۔ پیر کھارا میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

## حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

تاجدار گولڑہ شریف

ولادت: 14 اپریل 1859ء گولڑہ شریف

مزار: گولڑہ شریف۔ اسلام آباد

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف (اسلام آباد) میں پیدا ہوئے۔ آپ علوم و عرفان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ عظیم محقق اور محدث تھے۔ آپ نے قادیانی تحریک کے خلاف ”سیفِ چشتیانی“ لکھی جو معرکہ ال آرا ثابت ہوئی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ بچپن ہی سے تنہائی پسند تھے اور ہجوم سے کتراتے۔ رات کو جب سب گھر والے سو جاتے تو تنہا قریبی ویران گھائیوں میں نکل جاتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر غور فرماتے۔ عشقِ الہی کے غلبے سے ان کے بدن میں حدت پیدا ہو جاتی اور وہ سرد ترین راتوں میں بھی ٹھٹھرے ہوئے پانی سے غسل فرماتے۔ آپ جب ذکر الہی میں مشغول ہوتے تو موسم گرما میں بھی آپ کو خنکی محسوس ہوتی۔

آپ نے دینی تعلیم کا آغاز خاندانی خانقاہ سے کیا اور اردو و فارسی کی کتب مقامی مدرسہ سے پڑھیں۔ پندرہ برس کی عمر میں آپ نے انگہ کے مدرسہ سے تعلیم مکمل فرمائی اور مزید تعلیم کے حصول کیلئے یوپی جانے کا ارادہ کیا اور 1874ء میں عازم سفر ہوئے۔ اس سلسلے میں آپ کانپور، علی گڑھ اور سہارن پور میں بھی مقیم رہے۔ آپ اڑھائی سال تک حضرت مولانا لطف اللہ کے مدرسے علی گڑھ میں رہے۔ جب آپ تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس لوٹے تو آپ کا عقد سید چراغ علی شاہ حسن ابدال کی دختر نیک اختر سے کر دیا گیا جن کا تعلق آپ کی والدہ محترمہ کے خاندان سے تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے دو برس بعد ۱۸۰۹ء میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی عالی



نسب نجیب الطرفین گیلانی سادات میں سے تھے۔ ابجد کے حساب سے آپ کے نام کے ۸۶ عدد نکلتے ہیں جو بسم اللہ شریف کے عدد ہیں۔ بائے بسم اللہ ہی کی برکت سے چھوٹی سی عمر میں جب قرآن مجید ناظرہ پڑھنا شروع کیا تو ساتھ ساتھ حفظ بھی کرتے گئے۔ ذہانت اور خداداد قابلیت کے جوہر آگے چل کر اور نکھر گئے۔ علوم دینی کی تحصیل برصغیر کی مشہور درس گاہوں میں کی اور مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھ جیسی شخصیتوں سے علم دین حاصل کیا۔

فقہ، حدیث، تفسیر، معقولات، منقولات، منطق فلسفہ اور طبوعات کی تکمیل کے بعد طریقت میں قدم رکھا اور شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ ذکر و فکر اور عرفان کی منزلیں بڑی تیزی کے ساتھ طے کیں اور شیخ طریقت سے خلافت و اجازت کے بعد وطن واپس آ کر گولڑہ شریف میں علوم شریعیہ کی ایک مثالی درس گاہ قائم کی جس میں طلباء کو خود درس دیتے رہے۔

تصوف کے دقیق مسائل کو اس حسن و خوبی سے حل کرتے کہ سننے والے عشق کر اٹھتے۔ درس گاہ کے ساتھ لنگر خانہ بھی جاری کیا جہاں سے طلباء، مسافر اور سالکان راہ طریقت کو دو وقت کھانا تقسیم ہوتا۔ لنگر قائم کرتے وقت آپ نے اپنے متوسلین سے فرما دیا کہ یہ لنگر مہمانوں کا ہے اس پر میرا یا میری اولاد کا کچھ عمل دخل نہیں۔ آپ کے اس ارشاد پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ ایک روز آپ کے صاحبزادے حضرت سید غلام محمد الدین المعروف بابو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شہر آنا تھا لنگر کے نگران قطب خان سے کھانا مانگا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ لنگر کھانے سے پہلے کسی کو کھانا تقسیم نہیں ہوگا۔

گولڑہ شریف مارگلہ کے دامن میں انک اور جہلم کے درمیان ہے اور اس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے دور میں تبلیغ کا مرکز بنایا جب بیسویں صدی کے آغاز میں جدید مغربی تہذیب کے علاوہ مختلف لادینی فتنے سراٹھارہے تھے۔ خطہ پوٹھوہار جو زمانہ قدیم سے شمشیر گریوں کا وطن رہا ہے۔ ان دنوں سخت معاشی بحران سے دو چار تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ برطانوی اقتدار سے کوئی پون صدی پہلے سکھ شاہی کے دور استبداد میں ظلم و ستم کا جو دروازہ کھلا تھا اس نے اہل پوٹھوہار کو عبرت ناک معاشی مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پورے پنجاب کو اپنی قلم رو میں شامل کیا تو اس قہرگوں علاقے کی جغرافیائی حیثیت اور عسکری روایات کے پیش نظر اہل پوٹھوہار کو تعلیم میں پس ماندہ رکھنے کی دانستہ کوشش کی۔ زرعی اعتبار سے خطہ بارانی ہے۔ بسا اوقات محنت و مشقت کے باوصف کاشتکار اپنا پیٹ پال نہیں سکتے اور ادنیٰ فوجی ملازمتیں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس زمانے میں حالات اتنے دگرگوں تھے کہ عام بھرتی کھلتے ہی لوگ بھاری تعداد میں بھرتی کیلئے جاتے

۔ اس طرح ان کا اپنا ماحول، تمدنی، تہذیبی روایات اور اخلاقی فضا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور یہی وہ مرحلہ ہی جب ان کو اسلام کے مرکز سے وابستہ رکھنے کی ایسی ضرورت ہوئی جو اس سے پہلے کبھی پیش نہ آئی تھی۔ یہ عظیم مقصد خانقاہ عالیہ گولڑہ شریف نے پورا کیا۔ آغاز میں حضرت پیر صاحب نے علاقہ بھر کا تبلیغی دورہ کیا۔ بیان میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ دلوں میں نور ایمان پیدا ہوتا۔ حسن بیان و صف خاص تھا اور اس خداداد جوہر سے حضرت علیہ السلام نے بڑا کام یہ لیا کہ مسلمانوں کے درمیان جو اجتہادی اختلافات باعث نزاع تھے وہ ختم ہونے لگے۔ بحث و جدل اور مناظروں کی گرم بازاری ماند پڑنے لگی۔ ملت اسلامیہ کا کسی ایک نکتہ پر متفق ہو جانای پیر صاحب کا سب سے بڑا روحانی کمال ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں فرنگی نے اپنے مفاد کی خاطر تفرقہ کی جس آگ کو ہوا دینی شروع کی تھی اس کا زور ٹوٹ گیا۔ اس بارے میں حضرت نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی دستیاب ہیں اور ذوق و شوق کے ساتھ مطالعہ کی جاتی ہیں۔ علمائے کرام نے اعتراف کیا ہے کہ حضرت سید مہر علی علیہ السلام شاہ کا وجود اپنے دور کے علما میں اس رنگ میں جلوہ گر تھا جس طرح ستاروں کے جھرمٹ میں مہتاب ہوتا ہے۔ ملک بھر میں جہاں جہاں بھی آپ کی آواز پہنچی تو حید و رسالت کے صحیح مسلک کو پھیلانے کی کوشش فرمائی۔ یہی نہیں بلکہ فرنگی نے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی جو سازش بھی کی خواہ وہ تہذیب نو کی لعنت تھی یا کسی جعلی نبوت کی صورت میں نمودار ہوئی، حضرت نے اس کی خلاف ایسا بھر پور جہاد کیا کہ باید و شاید۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے دوران علاقہ کے دوسرے گدی نشینوں نے اپنے مریدوں کو برطانوی فوج میں بھرتی کی اجازت دے دی تھی مگر حضرت پیر سید مہر علی شاہ علیہ السلام نے جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرنگی استعمار سے تعاون نہیں کیا۔

ایک مرتبہ انگریز ڈپٹی کمشنر نے حضرت علیہ السلام کو ملاقات کے لئے بلایا تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ فقیر کا بادشاہوں کے دروازہ پر کیا کام ہے۔ اس موقع پر قاضی سراج الدین بار ایٹ لاء نے عرض کیا کہ ملاقات میں کیا مضائقہ ہے۔ حضرت نے فرمایا۔

میں مغرور تے معبر ناں۔ میں جس ویلے ارادہ کرناں میڈا دل بند ہو ویناں اے تے ہن میں خصماں اگے وی عرض کر چھوڑ ساں، چنانچہ اس فریاد کا ایک شعر ہے۔

ترے مٹھ قدیم دے گولیاں نوں

خوف دیندے نی چھریاں دا

کرنا خدا کا یہ ہوا کہ ڈپٹی کمشنر خود گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ گولڑہ تھانہ میں آکر بیٹھا اور ملاقات کیلئے بلایا۔ آپ کے ایک غلیفہ محبوب عالم صاحب نے عرض کیا۔ اب صاحب بہادر سے مل لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ حضرت نے فرمایا۔  
'تو اپنا ایمان مینڈے ایمان وچ ناں واڑ'۔

کچھ دیر میں ڈپٹی کمشنر اور اس کی میم آپ کی خدمت میں آگئے۔ اس روز سخت گرمی تھی اور کئی ہفتوں سے بارش بھی نہ ہوئی تھی۔ خلق خدا اُف! اُف! کر رہی تھی۔ صاحب بہادر نے کہا۔  
”پیر صاحب بارش کیلئے دعا کریں۔“

حضرت علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ’اللہ مینڈے مشورے ناں محتاج نہیں‘ تاں وی دعا کرواتے میں وی دعا کر ساں۔‘ تھوڑی دیر میں کالی گھٹا گھر کے آئی اور رحمتوں کا جھالا برس گیا۔  
حضرت پیر صاحب ہر حیثیت کے آدمی سے اس کی عقل کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے۔ ایک خاتون نے عرض کیا کہ اس کا شوہر پردیس گیا ہوا ہے اور وہ ہر وقت روتی رہتی ہے۔ دعا کریں کہ وہ آجائے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا۔

تکلیا ہوسی بے ساون بھادوں وچ گاواں، مجیاں گھاء پَر ویندیاں نیں۔ فیر تریل پینی اے تے اُس گھاء وچوں نویں شگوئے پھٹنے نیں۔ اسے طرح رونا تے بہوں چگی شے وے اوساں دل وچ شگوئے پھٹنے نیں۔‘  
حضرت علیہ السلام کے کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کامل واکمل تھے۔ عرفان کی بلندیوں تک پرواز تھی۔ فرماتے۔

گُن فیکون تاں کل دی گل اے اساں اگے پریت لگائی  
توں میں حرف نشان نہ آبا جدوں دتی میم گواہی  
حضرت کے کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مشاہدہ کی نعمت سے آپ مالا مال ہو چکے تھے آپ کی لافانی نعت کا آخری شعر ہے۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں  
حضرت پیر نصیر الدین نصیر آپ کی مدح میں لکھتے ہیں:

فیضان پیر مہر علی رحمۃ اللہ علیہ

محروم کشاد باب عالی نہ گیا  
 مایوس کبھی کوئی سواہی نہ گیا  
 کیا مہر علی کا در ہے اللہ اللہ  
 اس در پہ جو آ گیا وہ غالی نہ گیا

### حضرت دیوان شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بھیٹ۔ ٹلمہ جو گیاں۔ جہلم

برسوں پہلے آپ نے بھیت شریف کی بستی میں ورود مسعود فرمایا اور آپ کی آمد کے چند روز بعد ہی حضرت فاضل شاہ بخاری بھی یہاں تشریف لے آئے۔

یہ روایت آج تک سینہ بسینہ چلی آرہی ہے اور اسے حضرت دیوان شاہ کی ایک نمایاں کرامت کا درجہ حاصل ہے کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تو یہاں پانی کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا لوگ انہی تالابوں سے پانی پینے کیلئے مجبور تھے جن سے مویشی اپنی پیاس بجھاتے تھے۔

ایک روز ایک گڈریا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ ٹلمہ کی جانب جا رہا تھا آپ نے اسے آواز دی اور پانی طلب کیا۔

گڈریا: سرکار! پانی تو میرے پاس نہیں ہے اگر حکم ہو تو بکری کا دودھ پیش کر دوں  
 حضرت دیوان شاہ: پانی کیوں نہیں !!!! اچھا ، سیدھے چلتے جاؤ، پانی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہے ، ہاں

مگر پیچھے مڑ کر اسی وقت دیکھنا جس مقام پر پانی پہنچانا مقصود ہو۔

گڈریا اس فرمان پر چل دیا مگر کچھ دور جا کر یونہی گمان سا ہوا کہ پانی آ بھی رہا ہے یا نہیں، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا، پانی کا پر جوش بہاؤ اسی مقام پر ٹھہر گیا اور آج اس کی یادگار ایک اسی فٹ کے لگ بھگ گہرائیوں میں موجود ہے جو اپنے آس پاس کے مکینوں کی تشنگی بجھانے کا سامان کرتا ہے۔ نیز یہ بھی روایت ہے کہ جب موسم گرمائی گرم لہریں زمین سے ایک ایک بوند پانی چوس جاتی ہیں تب بھی اس کنویں میں پانی اسی طرح ہلکورے لیتا نظر آتا ہے۔

## حضرت فاضل شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بھیٹ۔ علمہ جوگیاں۔ جہلم

بھیٹ یونین کونسل نگیل کا ایک معروف گاؤں ہے جس میں سو کے لگ بھگ گھرانے آباد ہیں۔ اس میں ایلمنٹری سکول فار گرلز ہے جبکہ پرائمری سکول فار بوائز بھی موجود ہے۔ بھیٹ کی اکثریت گکھڑا چوت ہیں۔ کرنل راجہ لہر اسب خاں نے انگریزی فوج میں نام کمایا۔

راجہ خالد نواز نے صحت عامہ کیلئے رضا کارانہ طور پر ایک پرائیویٹ کمپلیکس بنایا ہے جس میں اہل علاقہ کا علاج معالجہ بالکل فری کیا جاتا ہے اس میں مریض کو داخل کرنے کا انتظام بھی موجود ہے۔ ہسپتال میں ڈاکٹر ز اور نرسنگ سٹاف کے علاوہ دوسرا عملہ بھی موجود ہے۔

راجہ لعل خان حضرت فاضل کے مرید خاص تھے ایک بار کسی نے یونہی عناد و مخالفت کی بنا پر ان پہ چوری کا جھوٹا الزام لگا کر پولیس سے شکایت کر دی۔ جب تھانیدار انہیں گرفتار کرنے آیا تو انہوں نے اپنے پیر و مرشد کو مدد کیلئے پکارا۔ کہتے ہیں کہ تھانیدار نے تین دفعہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائی مگر ہر بار ہتھکڑی کسی ان دیکھی طاقت نے کھول کر زمین پہ گرا دی۔ تیسری بار ہتھکڑی گری تو تھانیدار متعجب ہوا اور اس نے دریافت احوال کیا تو سارا معاملہ سامنے آ گیا۔ اس واقعے کے بعد لوگوں میں حضرت بابا فاضل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور عقیدت دگنی ہو گئی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت فاضل شاہ بخاری اپنے ساتھیوں کے ساتھ موضع بھیٹ میں بیٹھے تاش کھیل رہے تھے کہ کھیلنے کھیلنے اچانک نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور جب چند منٹوں بعد دوبارہ حاضر ہوئے تو آپ کے کپڑے پانی سے تر ہو گئے اور بالوں سے پانی کے قطرے جھڑ رہے تھے۔ لوگوں کے اصرار اور استفسار پر بالآخر آپ نے عقدہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ایک مرید کی کشتی گرداب میں آ کر غرقاب ہونے والی تھی کہ اس نے مجھے پکارا اور میں اللہ کی توفیق سے اسے بچانے کیلئے جا پہنچا اور ابھی سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں اس کرامت سے آپ کے عقیدت مندوں کی عقیدت اور تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

آپ کے زمانے کا درست تعین تو ممکن نہیں البتہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ آپ میاں محمد بخش کے عہد کے بزرگ تھے۔ آپ نے ساری زندگی مجرد گزاری۔ عبادت و ریاضت اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنایا۔ عاجزی اختیار کی اور تصنع و تکبر سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

آپ کا مزار ایک طویل مدت تک پکار پکارا پھر اللہ تعالیٰ نے راجہ خالد نواز کو اس سعادت سے بہرہ مند فرمایا اور انھوں نے آپ کا خوبصورت مزار تعمیر کرایا جس کا منظر پکلی ہی نگاہ میں دیکھنے والوں کا دل موہ لیتا ہے۔ مزار کے سامنے ایک جنازہ گاہ ہے جبکہ بیرونی دروازے کے ساتھ ایک خوبصورت محملیں قدرتی لان کے ساتھ ایک نہایت ہی دلکش تالاب نظر آتا ہے جس کی بالائی سطح پر ہوا کے جھونکے لہروں سے نقش و نگار بناتے رہتے ہیں اور سورج کی روپوشی کر نیں جھلکاتی رہتی ہیں۔

مزار کے احاطے میں اور اس کے باہر پختہ، نیم پختہ اور پتھریلی قبروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ دربار کے احاطے اور تالاب کے کناروں پر سایہ دار سرسبز و شاداب درختوں کے جھنڈ ہیں جن میں نمایاں درخت برگہ، پتیل اور پھلاہی وغیرہ کے ہیں۔

گاؤں کے معروف کنویں کے پاس برگہ کے چھتارا اور گھنیرے درخت کے نیچے آپ کا مزار مقدس ہے۔ جس کے ارد گرد شہر خوشاں میں چند اور قبور بھی نظر آتی ہیں۔ مزار مقدس ایک چٹان کے سامنے واقع ہے یہ چٹان بھی ٹلہ کی بلند چوٹی کی ایک لہرائی ہوئی لٹ کی طرح نیچے کی جانب جھک آئی ہے۔ اہل علاقہ آپ سے خصوصی عقیدت رکھتے ہیں اور ہر جمعہ کے روز بڑی تعداد میں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کرتے اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ کا مزار ایک قد آدم مضبوط اور موٹی چار دیواری کے اندر ہے گنبد کے اندر آپ کا مرقد ہے اور چاروں جانب کھلے بے کواڑ محرابی

دروازے واقع ہیں۔ سالانہ عرس کے موقع پر قوالی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے اہل دیہہ قرآن خوانی کرتے ہیں اور خصوصی ختم شریف بھی ہوتا ہے جس میں زائرین کھلے طعام کا بندوبست ہوتا ہے۔

## حضرت فضل شاہ کلیامی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1808ء

وصال: 1892ء

مزار: کلیام شریف۔ راولپنڈی

حضرت فضل شاہ کلیامی کے جد امجد حضرت شیخ حافظ ذکاء الدین مومدی پور مدینہ شمع گجرات سے کلیام شریف (گوجران) تشریف لائے۔ آپ کا خاندان ہاشمی ہے۔ اس خاندان کے دیگر افراد گجرات کے دیہات قاضی باقر، مدینہ، جمال پور، عالی سیداں، قلعے والی سیداں، نزوال شریف، کالوچک، بھوانج، ائمہ شاہ جی، کوٹ حسن شاہ، ٹبہ حامد شاہ، ٹبہ بوٹے شاہ، شاہ مدار، مالو، پوران اور کھوپار میں بھی آباد ہیں۔ حضرت شیخ حافظ ذکاء الدین کلیام سیداں کے سہام قریشی خاندان میں شادی کی اور آپ کے صاحبزادے قناء اللہ شاہ کی شادی بھی یہیں ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے حافظ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ، حافظ غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فضل الدین کلیامی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان میں سے حافظ نور محمد نے تو نکاح کیا مگر دوسرے بھائیوں نے مجرد زندگی بسر کی۔

شہنشاہ کلیام حضرت بابا فضل الدین کلیامی 1808ء میں کلیام سیداں میں حضرت قناء اللہ شاہ ہاشمی کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کی۔ آپ میں خطاطی کا ملکہ بھی تھا۔ اردو، فارسی اور عربی پر عبور تھا۔ جب آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے عرس پاک پر جاتے تو تاجدار گولڑہ پیر مہر علی شاہ بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ پیر سید فضل الدین گولڑوی بھی شہنشاہ کلیام حضرت بابا فضل الدین کلیامی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص نسبت رکھتے تھے اور انھوں نے اپنے بھانجے مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔ ایک بار دربار کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوشہرہ کے سجادہ نشین مولوی عبد الحکیم بھی آپ کی ملاقات کیلئے تشریف لائے تھے۔

ایک بار مہاراجہ رنجیت سنگھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو ایک جاگیر کا پروانہ دینے کی کوشش کی۔ آپ نے فرمایا: ”یہ ساری دنیا فقیر کی جاگیر ہے مجھے بتاؤ تمہیں کون کون سی جگہ کا پروانہ چاہیے؟“

رنجیت سنگھ لا جواب ہو گیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج تک جتنے بھی ولی آئے انھوں نے نماز کی نیت کی اور سلام پھیر دیا لیکن شہنشاہِ کلیام حضرت بابا فضل الدین کلیامی رحمۃ اللہ علیہ وہ ولی اللہ ہیں جنھوں نے نماز کی نیت کی اور پھر ساری زندگی سلام نہیں پھیرا۔

بہت سے لوگ آپ کے نماز نہ پڑھنے پر اعتراض کرتے تھے جن میں حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے ایک بار انھوں نے فجر کی نماز پڑھ کر سلام پھیرا تو دونوں جانب شہنشاہِ کلیام حضرت بابا فضل الدین کلیامی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی کی طرف سے واپس آئے تو گوجران میں جب آپ کے نماز چھوڑنے کا پتا چلا تو وہ ان کے اس آئے اور نماز کی ادائیگی کا اصرار کیا۔ آپ نے عذر کیا مگر وہ حضرت بابا فضل الدین کلیامی رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد میں لے گئے۔ وضو کیلئے پانی لایا گیا مگر آپ کا ہاتھ کوزے سے ٹکراتے ہی پانی غائب ہو گیا۔ دوبارہ منگوایا گیا وہ بھی غائب ہو گیا۔ سب حیران ہو گئے مگر آپ نے مسکراتے ہوئے داڑھی پر ہاتھ مارا تو پانی کی دھار بہنے لگی۔ آپ کی بہت سی کرامات زبان زد عوام ہیں۔

تاریخ پوٹھوہار میں ہے:

پنڈی سے سولہ میل دور موضع کلیام اعوان میں حضرت بابا فضل الدین چشتی صابری علیہ الرحمۃ کا مزار ہے۔ بڑے پایہ کے درویش تھے۔ مجاہداتِ ثاقہ میں زندگی بسر کی۔ فرمایا کرتے درویشی جہاد بالفس کا نام ہے۔ لڑاتے دنیاوی سے عمر بھر کنارہ کش رہے۔ گرمیوں میں تیز دھوپ کے سِل پر پڑے رہتے اور سردیوں کی ٹھٹھرتی راتوں میں ٹھنڈے پانی کی دھار سر پر ڈلواتے اور فرماتے ہاتے سڑی گئیاں ہائے ملی گئیاں یہ عشق کی آگ تھی آخری سانس تک جلتے رہے۔ ۱۸۹۲ء میں وصال ہوا۔ جنازہ کی نماز حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی نے پڑھائی۔ ہر سال جنوری میں عرس ہوتا ہے۔

حضرت گولڑوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”جس قسم کی ریاضاتِ ثاقہ نفسانی راحت کو توڑنے والی انھوں نے کی ہیں۔ اہل زمانہ نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ اہل حاضران کے اندرونی درد اور شغلِ باطن سے بے خبری کے باعث ان پر معترض ہوتے تھے۔ ان کا کوئی نفس اسم ذات کے ذکر سے خالی نہ گزرتا اور کمالِ استغراقِ حال سے اشغالِ ظاہری کی طرف توجہ کرنے سے معذور تھے۔“



آپ نے اپنے آخری سفر کی خبر ایک ماہ پہلے ہی دے دی تھی۔ آپ اہل کلیام کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھتے۔ آپ کا ایک مشہور پنجابی شعر یہ ہے:

بڑیاں وے بڑیاں، نیناں دیاں چھریاں  
خوش وسو کلیام دیو لوکو اس ہس کھیڈ کے ٹریاں

یکم جنوری 1892ء کو آپ کا وصال ہوا تو آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سوار ہو کر اسٹیشن پہنچے مگر گاڑی نکل گئی۔ آپ گھوڑے پر رہی راولپنڈی تشریف لائے اور ٹرین کے ذریعہ کلیام پہنچے تو حضرت بابا فضل الدین کلیامی رحمۃ اللہ علیہ راستے میں منتظر ملے۔

حضرت پیر مہر علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ نے مجھے نماز جنازہ پڑ بایا اور خود یہاں کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کا استقبال بھی ضروری تھا لہذا اب تشریف لائیں اور جنازہ پڑھائیں۔ اتنا کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔ بہت سے لوگ آپ کا جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کیلئے آمادہ نہیں تھے۔ آپ کی میت کو غسل قاضی فضل احمد قطبالی نے دیا اور مولوی سید حسن پانی ڈالتے رہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ کے ساتھ آپ کی وصیت کے مطابق قوالی بھی ہوئی۔ آپ نے جمعہ کو وصال فرمایا اور چوتھے روز آپ کی تدفین ہوئی۔ مزار کلیام شریف میں مرجع خلافت ہے اور بے شمار عقیدت مند زیارت کیلئے آتے ہیں۔

## الحاج میاں محمد عالم رحمۃ اللہ علیہ

### نروال شریف

دریائے جہلم کے کنارے ایک نہایت خوبصورت اور حسن فطرت کا شاہکار بستی نروال کے نام سے مشہور ہے۔ اس بستی کے ایک بزرگ میاں امام دین تھتھال راجپوت تھے جو پابند صوم و صلوة، بارش اور با شرع بزرگ تھے۔ اشاعت اسلام اور مسلمان بچے بچیوں کی دینی تربیت ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ کے صاحبزادے کا اسم پاک الحاج ج میاں محمد عالم تھا۔ دینی خدمات کیلئے دونوں باپ بیٹے نے تحصیل کھاریاں میں میجر عریز بھٹی شہید نشان حیدر کے گاؤں لادیاں اور موضع شام پور کے نزدیک ’ہنگیال‘ میں ایک عرصہ قیام فرمایا اور اس گاؤں کی دو مسجدوں

میں امامت کے فرائض سرانجام دینا شروع کر دیے۔ الحاج میاں محمد عالم کے تین بیٹے تھے جن میں عبدالکریم اور عبدالرحیم کے نام نمایاں تھے۔ طاعون کی موذی وبا میں ان کے تینوں بیٹے اور اہلیہ بہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ میاں محمد عالم صاحب کی ایک ہمیشہ نیامت بی بی تھیں جو ہر سال حضرت قاضی سلطان محمود اعوان شریف والوں کے سالانہ عرس میں شرکت کرتیں اور کھاریاں سے پیدل بنگیال اور بنگیال سے پیدل اعوان شریف (آوان شریف) جاکر لنگر پکاتیں اور اس کیلئے اپنے ہاتھوں سے چکی پر آٹا پیستیں جو ان کی گہری عقیدت کا ثبوت تھا۔ ان مصائب و آلام کے بعد الحاج میاں محمد عالم ایک معروف قصبے ”کوٹلی لوہاراں“ ضلع سیالکوٹ چلے گئے۔ وہاں آپ نے ایک مسجد میں اذان دی تو آپ کی روح میں اترا جانے والی آواز سن کر ایک نیک سیرت مومنہ خاتون رسول بی عصمت نے اپنی ایک سہیلی نفیسہ بی کو دریافت احوال کیلئے بھیجا۔ سہیلی نے واپس آ کر بتایا کہ جہلم سے ایک سانولے رنگ اور دراز قد مولوی صاحب آئے ہیں ان کی بیوی اور بچے طاعون ہولناک بیماری کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

اس پر اس دیندار خاتون نے میاں صاحب کو عقد کا پیام دیا اور بالمشافہ گفتگو میں فرمایا:

”میرا حق مہر یہ ہے کہ آپ کوئی نماز قضا کر کے نہیں پڑھیں گے“۔

میاں محمد عالم صاحب نے فرمایا:

”میرے بھی دلی خواہش ہے کہ میری بیوی صوم و صلوٰۃ کی پابند ہو“۔

ان شرائط پر دونوں رشتہ مناکحت میں بندھ گئے اور میاں محمد عالم صاحب نے اس وعدے کو آخر وقت تک اس طرح نبھایا کہ نقاہت اور ضعیفی کی وجہ سے جب چلنا مشکل ہو گیا تو ایک شخص کو چار آنے یومیہ اجرت پر ملازم رکھ لیا جس کا کام آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر مسجد لے جانا تھا۔

میاں محمد عالم صاحب اس دوران اپنے آبائی موضع نزوال میں بھی رہے مگر اپنی اہلیہ کی خواہش پر ان کا زیادہ تر قیام سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ موضع نزوال میں آپ کے پاس بے شمار زرعی اراضی تھی۔ آپ نے اپنے علاقے میں ایک درس کا بھی اجراء کیا اور کئی بے گھر لوگوں کو مکان بنانے کیلئے زمین دی۔

آپ کا انتقال کوٹلی لوہاراں میں ہی ہوا اور وہیں تدفین بھی ہوئی جہاں آپ کا خوبصورت مزار واقع ہے۔ آپ کے انتقال کے موقع پر ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ ہوائوں کہ جب نماز جنازہ کیلئے صف بندی شروع ہوئی تو بے شمار سبز پوش نورانی چہروں والے افراد کی ایک فوج آن موجود ہوئی۔ نماز جنازہ شروع ہوئی تو لوگوں کے

ذہن میں کشمکش تھی کہ یہ لوگ کون ہیں؟ مگر جو نبی سلام پھیرا یہ نورانی چہروں والے لوگ غائب ہو گئے۔

آپ کی اہلیہ رسول نبی بھی ایک عالمہ و فاضلہ تھیں اور خواتین کے بڑے بڑے اجتماع کے سامنے تبلیغی خطاب فرمایا کرتی تھیں۔ آخری ایام میں آپ اپنی صاحبزادی سعیدہ نسرین کے ہاں محلہ مبارک پورہ مقیم رہیں، وہیں انتقال ہوا اور محلہ مبارک پورہ میں تدفین ہوئی۔

## پیر محمد اقبال شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 27 اکتوبر 1917ء وصال: 5 دسمبر 1988ء

مزار: سوہا وہ ضلع جہلم

پیر محمد اقبال شاہ 27 اکتوبر 1917ء {10 محرم الحرام 1335ھ} صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ آپ نے چھترال ہائی سکول سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم اپنے والد گرامی پیر سید حسن شاہ قدس سرہ اور چچا قطب الدین شاہ سے حاصل کی۔ قرآن، فقہ اور تاریخ پر عبور حاصل تھا۔

مہمان نوازی، اعلیٰ اخلاق اور متانت کی خوبیاں اپنے والد پیر سید حسن شاہ سے ورثہ میں پائی تھیں۔ نہایت معاملہ فہم اور صاحب بصیرت تھے۔ اکثر اپنے والد گرامی کے تبلیغی دوروں میں ان کے ہمراہ ہوتے۔ اپنے قبیلے، برادری اور عقیدت مندوں میں ہر دل عزیز اور مقبول تھے۔ صوم و صلوة کے پابند تھے۔ آپ کے والد گرامی نے 1933ء میں وصال فرمایا اور ان کے چہلم کے موقع پر آپ کی بطور سجادہ نشین آستانہ عالمیہ نوریہ غوثیہ نژول دستار بندی کی گئی۔ اس پر وقار تقریب میں برادری کے قبائل، عقیدت مندوں اور معززین علاقہ کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اسی موقع پر سردار فتح محمد خان کریلوی کی تحریک پر آپ نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس میں شمولیت کا اعلان کیا اور 1934ء کے جموں و کشمیر اسمبلی کے الیکشن میں آپ نے سردار فتح محمد خان کریلوی کی بھرپور حمایت کی اور ان کے مدد و معاون رہے۔ اس الیکشن میں سردار صاحب بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے تھے۔

1946ء میں پیر محمد اقبال شاہ صاحب کی شادی علاقہ نژول کے رئیس اعظم اور تھکیال راجپوتوں کی شاخ

بگہال کے سربراہ اور نمبردار سردار سخی ولایت خان کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ سردار سخی ولایت خان نہ صرف بگہال راجپوت قبیلے کے راہنما تھے بلکہ اپنے علاقے میں ایک نمایاں مقام رکھتے ، ایک بڑے زمیندار اور دنگ شخصیت کے مالک تھے۔ شادی کی تقریب میں سردار فتح محمد خان کریلوی ممبر اسمبلی ریاست جموں و کشمیر، سردار دولو خان، سردار کرامت علی خان، چوہدری سراج الدین، سردار علی بہادر خان، چوہدری سراج الدین سردار محمد حسین خان، پیر سید نذیر حسین شاہ ایڈووکیٹ (سابق وزیر جنگلات آزاد کشمیر) چوہدری محمد اعظم آف ٹوپہ ٹھیرہ، سردار آفتاب احمد خان ایڈووکیٹ، سردار محمد انور خان ایڈووکیٹ نذیر حسین بھٹی افسر مال، پیر سید حیدر شاہ، مہر محمد شیر محمد خان کیانی اور برادری کے قبائل اور عقیدت مندوں اور معززین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ 1947ء کی تحریک آزادی میں اپنی برادری کے قبائل اور عقیدت مندوں کی قیادت کرتے ہوئے اس میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور دادِ شجاعت کی کئی ایک داستانیں اپنے خونِ جگر سے رقم کیں۔

9 مارچ 1948ء کو آپ کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا جس کا نام شبیر حسین شاہ رکھا گیا۔ دسمبر 1948ء کو جب انڈین آرمی نے مینڈھرہ پر قبضہ کر لیا تو آپ اپنے اہل خانہ، دیگر افراد قبیلہ اور احباب کے ہمراہ ہجرت کر کے اپنے آبائی ضلع جہلم کے قصبہ سوہاؤہ (جی ٹی روڈ) میں آکر آباد ہو گئے۔ پیر محمد اقبال شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے 5 دسمبر، 1988ء کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار موہڑہ چوہدریاں سوہاؤہ میں مرجع خلاق ہے۔

آپ کے وصال پر اس وقت کے صدر آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان، قائد حزب اختلاف جنرل محمد حیات خان، ممبران آزاد کشمیر اسمبلی، مسلم لیگی اور مسلم کانفرنسی رہنماؤں سیاسی و سماجی اور ادبی کارکنوں، علماء و مشائخ پنجاب اور آزاد کشمیر سے احباب اور عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی، اظہارِ تعزیت کیا اور دعائے خیر کی۔ پیر محمد اقبال شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوگواران میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

دسمبر 1971ء میں آپ کے جواں سال بیٹے کپٹن شبیر حسین شاہ نے پاک بھارت کے مشہور معرکہ چھمب میں فتح چھمب کے بعد دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

آپ کے بڑے بیٹے کبیر حسین شاہ اختر ہیں جن کے پانچ بیٹوں میں سے بڑے آصف علی شاہ عالمجوانی میں ہی ستمبر 1998ء میں برطانیہ میں وفات پا گئے دیگر بیٹے عمران علی شاہ، سلمان علی شاہ، ارسلان علی شاہ اور ذیشان علی شاہ اپنے مشاغل میں مگن ہیں۔ پیر اقبال شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو بیٹے مرید حسین شاہ اور تنویر حسین شاہ مانچٹر برطانیہ میں بسلسلہ

کاروبار مقیم ہیں اور مرید حسین شاہ کے دو بیٹے حمزہ مرید شاہ اور ابراہیم مرید شاہ اور تویر حسین شاہ کا ایک بیٹا سہیل تویر شاہ برطانیہ میں زیر تعلیم ہیں۔

آپ کا قطعہ سال وفات یہ ہے:

مسافر تھے راہ حق کے ہر جا کیے نشاں  
چلے تو امڈ پڑی تھی ہر اک طرف فغاں  
تو انجم نے لکھ دیا یہ قطعہ وصال کا  
'ظفر یاب باب معرفت' "ہو گئے رواں

1988ء

## مآخذ

☆ قرآن مجید

☆ صحاح ستہ

☆ کشف المحجوب

☆ رحمت العالمین

☆ مقامات اولیاء

☆ تذکرہ خانوادہ ہائے عرفان و حکمت

☆ تذکرہ اولیائے کرام جہلم

☆ تذکرہ حضرت دیوان حضوری

☆ گلزار ولایت

☆ قصہ شاہ منصور

☆ پوٹھوہار

☆ تذکرہ پوٹھوہار

☆ اولیائے پوٹھوہار

☆ فوز المقاتل فی خلفائے پیر سیال

☆ انوار سیال

☆ تاریخ جہلم

☆ تاریخ روہتاس

☆ فردوس کشمیر

☆ وادی جہلم

☆ حضرت داتا گنج بخش، ترجمہ علامہ فضل الدین

☆ گوہر، مقدمہ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری

☆ سید سلیمان ندوی

☆ سید افتخار الحسن شاہ فیصل آبادی

☆ ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعہ داری

☆ انجم سلطان شہباز

☆ مؤلفہ خلیل احمد گولکی گجرات

☆ سید ذوالفقار حسین شاہ بخاری

☆ مؤلفہ انجم سلطان شہباز

☆ عزیز ملک

☆ نمبر دار ارتاسب خاں

☆ صاحبزادہ مقصود صابری

☆ مرید حسین چشتی

☆ مرید حسین چشتی

☆ انجم سلطان شہباز

☆ انجم سلطان شہباز

☆ انجم سلطان شہباز

☆ اصغر علی اعوان

☆ کمالاتِ جمال

☆ تذکرہ قطبِ دوراں

☆ انوارِ سہروردیہ

☆ گلدستہ اولیاء

☆ تحقیقاتِ چشتی

☆ مدینۃ الاولیاء

☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ

☆ اسرار الاولیاء

☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

☆ مشائخ نقشبندیہ

☆ صوفیائے نقشبندیہ

☆ رسالہ نوری

☆ میاں محمد بخشؒ

☆ عترتِ رسول

☆ عرفانِ اہل بیت

☆ حیاتِ اکمل

☆ احوال العارفین

☆ شیر شاہ مشہدی

☆ حضرت داتا گنج بخشؒ

☆ حضرت پیر سلیمان پارسؒ

☆ گلستانِ عرفاء

☆ انوارِ محمدی

☆ چودھری محمد فاروق گوندل

☆ فقیر ملک محمد اشرف نقشبندی مجددی

☆ انجم سلطان شہباز

☆ صاحبزادہ مقصود احمد صابری

☆ نور احمد چشتی

☆ محمد دین کلیم قادری

☆ پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للہی

☆ مولوی سید عبدالرسول شاہ

☆ علامہ نور بخش توکلی

☆ مولوی محمد حسن نقشبندی مجددی

☆ حکیم سید امین الدین احمد

☆ صاحبزادہ مطلوب الرسول

☆ چودھری ظفر اقبال چوہان

☆ سید محمد یعقوب حیدری کاظمی

☆ سید محمد یعقوب حیدری کاظمی

☆ حاجی فقیر احمد شاہ وارثی

☆ حافظ غلام فرید

☆ انجم سلطان شہباز

☆ اکمل اویسی پیرزادہ

☆ انجم سلطان شہباز

☆ محمد شریف مرزا

☆ سید یعقوب حیدری الکاظمی

☆ انیسویں صدی کا صوفی شاعر

☆ مجمع البحرین

☆ تاریخ ضلع منڈی بہاؤ الدین

☆ تذکرہ اولیائے منڈی بہاؤ الدین

مفتی غلام سرور

اولیائے کشمیر

تاریخ دیوان

تذکرہ حضرت دیوان حضوری

تحفہ قادریہ

سید فیاض الحسن گیلانی احوال و آثار

تذکرہ سادات

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کی اولاد پوٹھوہار میں

تذکرہ اولیائے پوٹھوہار

افتخار حسین وارثی کا کوروی

ڈاکٹر عبدالغنی پی ایچ ڈی

راشد محمود آرقم

پروفیسر محمد صغیر

خریہ الا صفیا

پیر زادہ محمد طیب حسین نقشبندی سہروردی

شیخ عبداللہ بن صدر الدین ۱۸۹۵

مولفہ خلیل احمد گوہر لکی گجرات

الہی بخش ساکن بگہام

قاضی راشد عزیز وارثی سنگھوٹی

قاضی راشد عزیز وارثی سنگھوٹی

کبیر حسین شاہ اختر سوہا وہ

مقصود احمد راہی



# اقوام پاکستان

## کا انسائیکلو پیڈیا

اقوام اور قبائل کے حوالے سے انجم سلطان شہباز کی ایک تاریخ ساز کتاب

# سکندر اعظم

انجم سلطان شہباز

سکندر اعظم پر اس سے پیشتر اس انداز میں شاید ہی کوئی کتاب آپ نے پڑھی ہو

## پرتھوی راج چوہان

انجم سلطان شہباز

ہندوستان کے مایہ ناز ہیرو اور تاریخ اسلام کے جرنیل شہاب الدین محمد کی معرکہ آرائی  
پرتھوی راج کی زندگی کے محبت اور جنگ، جنگ اور موت کے گوشے

{زیر ترتیب}

# جامع الاقوام

برصغیر پاک و ہند کی چھوٹی بڑی اقوام اور قبائل کا تذکرہ

انجم سلطان شہباز

(زیر ترتیب)

# تاریخ پوٹھوہار

خطہ پوٹھوہار کے بہت سے گوشے اس کتاب میں پہلی بار بے نقاب کیے گئے ہیں۔ اس خطے کے بانیوں کا تاریخی پس منظر، عروج و زوال، جغرافیائی خال و خد اور ثقافت کو نئے آہنگ سے پیش کیا گیا ہے۔

(زیر ترتیب)

انجم سلطان شہباز

# اولیائے پنج کشمیر

(زیر طبع)

انجم سلطان شہباز

اولیائے پنج کشمیر میں پنجاب اور کشمیر کے اولیاء اور بزرگان دین کی زندگیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اولیاء سے منسوب من گھڑت قصوں سے اجتناب کرتے ہوئے ان کے سوانح مد نظر رکھے جائیں۔ اس کتاب میں آپ بھی قلمی معاونت کر سکتے ہیں۔